PP
PAKISTANI
POINT
AIK RABTA APNO SE
پاکستانی پوائنٹ
صدقے تمہارے
فریحہ کوثر

صدقہ تمہارے

Pakistanipoint

Waqar Azeem

فریحہ کوثر

اہتمام

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون: 042-37352332-37232336

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ

نام کتاب	....	صدقے تمہارے
مصنف	....	فریحہ کوثر
اہتمام	....	علم وعرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	....	اویس احمد
سنِ اشاعت	....	جنوری 2016ء
قیمت	....	-/450 روپے

......ملنے کا پتہ......

علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔ اُردو بازار، لاہور

فون: 7352332-7232336

ادارہ علم وعرفان پبلشرز کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے متفق ہوں۔ اللہ کے فضل وکرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہِ کرم مطلع فرمادیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کیا جائے گا۔ (ناشر)

انتساب!

بہت ہی پیارے بچوں
یاسر، نعمان، اوشاز اور افراح
کے نام!

پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

حرفِ چند

انسان کائنات سے جڑا ہوا ہے یا کائنات کا انسان سے بنیادی تعلق ہے۔اس بحث سے قطع نظر، یہ حقیقت ہے کہ مکافات عمل کا سلسلہ بھی پوری طرح موجود ہے۔محبت کی قوت ہو یا نفرت کی طاقت، کوئی بھی نظام طاقت کے توازان ہی سے بہتر چلتا ہے۔جہاں کہیں کمی بیشی ہو، وہیں گڑ بڑ ہو جاتی ہے۔

انسانی زندگی میں جذبات و احساسات بنیادی اہمیت رکھتے ہیں۔یہی جذبات وہ احساسات ہی ہیں جو انسان کی سوچ اور فیصلوں پر اثر انداز ہوتے ہیں اور انسان روبہ عمل رہتا ہے۔انسان پوری زندگی دہرے سفر میں رہتا ہے۔ایک اس دنیا پر اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہے اور دوسرا اپنی ذات کی سیاحت کرتا ہے۔جس طرح باہر کی دنیا میں نت نئے ہنگامے اور تماشے انسان کو ورطہ حیرت میں مبتلا رکھتے ہیں۔یہی حال ذات کی سیاحت کا بھی ہے۔جب انسان اپنی ذات کی سیاحت پر نکلتا ہے تو مشاہدات کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اس کی راہ میں موجود ہوتا ہے۔من کی دنیا جیسے ہی آباد ہوتی ہے۔، تب تخلیق کے منبع بھی پھوٹتے چلے جاتے ہیں۔زرخیزیاں شاداب کر دیتی ہیں۔پھر ایک مقام ایسا آتا ہے کہ انسان اپنے من کی دنیا کو باہر کی دنیا کے ساتھ ملا کر دیکھتا ہے۔اپنے مشاہدات کو اس دنیا پر منطبق کر کے دیکھتا ہے۔اپنے فیصلوں کو تجربات کی بھٹی میں سے گزار کر دیکھتا ہے، احساسات کو دنیا کے کسوٹی پر پرکھتا ہے یہی تال میل اسے دانائے راز بنا رہا ہوتا ہے۔

فریحہ کوثر نے یہ ناول جس جذب سے لکھا ہے، قاری اسے پڑھ کر نہ صرف خود ذات کے سفر پر جانے کو تیار ہوتا ہے بلکہ اُن جذبات واحساسات اور تجربات میں کھو جاتا ہے جو اس نے بیان کئے۔مبہم سوچ سے اٹل حقیقت کا اپنی جگہ کسی زار سے کم نہیں، یہ بحث بھی اپنی جگہ لیکن ایک سوال جو نہ ہم اپنے آپ سے اور نہ دوسروں سے کہنے کا تکلف کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ آخر یہ راز بنتا کیسے ہے؟ کیا راز اپنا وجود برقرار رکھ سکتا ہے؟ یا افشاں ہونے پر اس کا وجود بھی ہوا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔ یہ اور ایسے بے شمار خیالات ،جذبات اوراحساسات کرتا ہوا یہ ناول ''صدقے تمہارے'' مصنفہ کی ایک دل کش تخلیق ہے، جسے دل سے پڑھا جائے تو معنویت اور گہرائی مزید بڑھ جاتی ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ ناول بھی ان کے دوسرے ناولوں کی طرح پذیرائی حاصل کرے گا۔

گل فراز احمد

اسے حرمت لفظ کا احساس تھا' اس لئے وہ ہمیشہ وضو کر کے ہی کہانیاں لکھا کرتی تھی۔ خیالات کی پاکیزگی کے باعث اس کی ذات کا تعلق اپنی روح سے جڑ گیا ہوا تھا اور جب روح سے تعلق مضبوط ہو جائے تو وجدان خود بخود دسترس میں آ جاتا ہے۔ تب وہاں شعوری اور لاشعوری کاوشوں کا جھنجھٹ ہی نہیں رہتا۔

اس دن بھی اسے ایک کہانی لکھنا تھی۔ سو اس نے وضو کیا اور چہرے پر ٹپکتے ہوئے پانی کے قطرے تولئے سے خشک کر لئے۔ وہ اپنا آنچل درست کرتے ہوئے' لکھنے والی میز کے پاس دھری کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس نے اپنے ماحول کا جائزہ لیا۔ اس کے سامنے دائیں جانب کتابیں اور چائے کا مگ دھرا ہوا تھا۔ مگ میں سے چائے کی خوشگوار مہک بھاپ بن کر اُڑ رہی تھی۔ اس کے سامنے کلپ بورڈ میں سفید کاغذ لگے ہوئے تھے، انہی کاغذوں کے اوپر اس کا پسندیدہ سیاہ قلم پڑا ہوا تھا۔ بائیں جانب گلدان میں مختلف رنگوں کے تازہ پھول خوشبو پھیلا رہے تھے۔ چائے کی مہک اور تازہ پھولوں کی خوشبو نے ماحول کو معطر کر رکھا تھا۔ اس کے دائیں جانب والی کمرے کی کھڑکی بند تھی لیکن پردے ہٹے ہونے کے باعث اس کے شفاف شیشوں میں ڈھلتی سہ پہر کی روشنی نے ماحول کو منور کر دیا تھا۔ فرش پر صاف ستھرا قالین' بائیں جانب کونے میں پڑا ہوا بیڈ' جس پر ہلکے سبز رنگ کی بیڈ شیٹ بچھی ہوئی تھی۔ اس کی مناسبت والے رنگوں کے سرہانے اور کشن، رنگوں سے متعلق اس کے حسن ذوق کا اظہار کر رہے تھے۔ اور پھر دیوار کے ساتھ شیلف' جس میں انتہائی سلیقے سے رکھی ہوئی کتابیں' اس کا سامان تسکین تھیں۔ اس کا یہ پرسکون کمرہ' گھر کی دوسری منزل پر تھا' جہاں کا ماحول اس کیلئے خیال انگیز ہو چکا تھا۔ اس نے چائے کا سپ لیا اور آنکھیں موند لیں۔ وہ پوری یکسوئی سے آسمانِ ذہن پر بادلوں کی مانند پھیلے خیالات کو اکٹھا کرنے میں لگ گئی۔ وہ کہانی کو اپنی رسائی میں لے آنا چاہتی تھی۔ ایک خیال اس کے ذہن میں تھا جسے وہ کہانی کے پیرہن میں پیش کر دینا چاہتی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس کا خیال لفظوں میں بڑے خوبصورت انداز میں ڈھلے گا کیونکہ ہر خیال اپنے ساتھ لفظ لے کر آتا ہے۔ یوں کہانی کے تانے بانے اس کے ذہن میں ابھرنے لگے۔

اس کے ذہن میں دنیا بدل گئی تھی۔ وہاں اس کی اپنی مرضی جیسا ماحول بن گیا تھا۔ وہ اپنے پسندیدہ کرداروں کو تراش رہی تھی۔ خیال در خیال کی زنجیر بن رہی تھی۔ یہ الگ بات تھی کہ جس طرح کچھ خیال معدوم اور کچھ واضح تھے' اسی طرح اس زنجیر کی کڑیوں میں جذبات' رویے' روایات اور خواہشیں تھیں۔ سب کچھ اس کے ذہن میں واضح ہوتا چلا جا رہا تھا۔ ایسے تخلیق کے لمحات میں وہ ایک عام سی لڑکی فائزہ حسن نہیں رہا کرتی تھی۔ اس کی اپنی شخصیت' کہیں پس منظر میں چلی جایا کرتی تھی اور اس کی جگہ' ایک لکھاری مہوش فاطمہ لے

لیتی۔ وہ مہوش فاطمہ' جس کا نام تھا اور شہرت تھی۔ اس نے اسی قلمی نام سے بہت ساری پراثر' خیال انگیز اور خوبصورت کہانیاں تخلیق کی تھیں۔ جنہیں اس کی توقع سے زیادہ پذیرائی نصیب ہوئی تھی۔ وہ ایک مخصوص رسالے کیلئے کہانیاں لکھا کرتی تھی۔ یہی سے اس کی ابتداء تھی اور پھر وہ اسی پرچے کیلئے مخصوص ہو کر رہ گئی۔ یوں جیسے وہ اور پرچہ دونوں لازم وملزوم ہوں۔ سو قارئین اس کی لکھی ہوئی کہانیوں کا انتظار کیا کرتے تھے۔ اس کے لفظوں میں' خیال آرائی میں اور کہانی کی بُنت پر اتنی گرفت تھی کہ محض چند برسوں میں سے اتنی شہرت مل گئی تھی' جس کے بارے میں اس نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ اتنا نام کمانے کے باوجود' وہ بے نام تھی۔ جس کا اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ بلکہ وہ خود کو محفوظ سمجھا کرتی تھی۔ اس نے قلمی نام سے لکھا تھا اور پھر اس قدر احتیاط کی تھی کہ اس کے اردگرد کے لوگ تک نہیں جان پائے تھے کہ کہانی کار مہوش فاطمہ..... دراصل فائزہ حسن ہی ہے۔ یہ راز صرف اس کے بھائی جواد حسن اور بھابی سلمٰی کو معلوم تھا۔ انہی کی حوصلہ افزائی سے وہ اس مقام تک پہنچی تھی۔

اسے بے نام ہونے کا اس لئے بھی کوئی افسوس نہیں تھا کہ اس کے پاس مقصدیت تھی۔ وہ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچانا چاہتی تھی اور اس کا وہ پیغام پوری طرح پہنچ رہا تھا۔ سو وہ خوش تھی اور سرشار تھی کہ جس مقصد کیلئے وہ لکھ رہی ہے' وہ مقصد پورا ہو رہا ہے۔ ہاں بس ایک کمی اسے کبھی کبھی محسوس ہوتی تھی کہ کوئی تو ہو جو اس کی کہانیوں پر اس کے سامنے بیٹھ کر رائے دے۔ اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو پائی تھی۔ کیونکہ وہ کبھی بھی' کسی سے مہوش فاطمہ کے طور پر نہیں ملی تھی۔ وہ پرچے کے صفحات پر مہوش فاطمہ کے نام سے اور عام زندگی میں فائزہ حسن کے نام سے سانس لے رہی تھی اور پوری طرح زندہ تھی۔

وہ یونیورسٹی میں لیکچرار تھی۔ اس نے ابلاغیات میں ماسٹرز شاندار مارکس میں کیا تھا۔ چونکہ یونیورسٹی میں یہ شعبہ نیا تھا' اس لئے اسے وہیں جانب بھی آفر ہوگئی' جسے اس نے بخوشی قبول کر لیا۔ اگرچہ وہ ایک لیکچرار کی حیثیت سے وہاں پڑھاتی تھی لیکن پہلی نگاہ میں وہ طالبہ ہی دکھائی دیتی تھی۔ اس لئے وہ جو ایک فاصلہ اساتذہ اور طلبہ کے درمیان ہوتا ہے' اس کے ہاں نہیں تھا۔ طلبہ و طالبات اس کا احترام کرتے تھے' کیونکہ احترام یا شخصیت صرف کام سے بنتی ہے۔ وقار ہمیشہ علم کی بدولت آتا ہے جو فائزہ حسن کو اپنے سبجیکٹ کے بارے میں تھا۔

فائزہ حسن نہ اتنی خوبصورت تھی کہ جو کوئی ایک نگاہ سے دیکھے تو بس اس کے حسن کا گرویدہ ہو جائے اور نہ اتنی قبول صورت تھی کہ اسے نظر انداز کر دیا جائے۔ اس میں ایک ایسی کشش تھی کہ جس سے ہر ملنے والا اس کی اہمیت کا احساس ضرور کیا کرتا تھا۔ وہ پتلی سی' دراز قد لڑکی خود سے قدرے بیگانہ تھی۔ وہ عام لڑکیوں کی طرح خود کو بنا سنوار کے نہیں رکھتی تھی' پارلرز وغیرہ کا تو جیسے اسے پتہ ہی نہیں تھا۔ سادہ سا لباس پہنتی' بہت اہتمام ہوا تو آنکھوں میں کاجل لگا لیا یا پھر کبھی کبھار ہونٹوں پر لپ اسٹک جما لی' ورنہ اس کے چہرے پر سے جھلکتی ہوئی الوہی چمک نے اسے میک اپ کے اہتمام سے بے نیاز کر رکھا تھا۔ بہت قیمتی گلاسز اس کی تلوار ناک پر جمے رہتے۔ پہلی نگاہ میں جو کوئی اسے دیکھے تو اس کا گورا رنگ اور سیندوری ملی رنگت کی جھلک متوجہ کر لیتی۔ وہ ہمیشہ اپنے بالوں کی چوٹی بنایا کرتی تھی۔ جس سے اس کا ماتھا تو کشادہ ہو ہی جاتا تھا۔ گلابی گال بھی نمایاں ہو

جاتے۔ ہلکے رنگوں کے سادہ سے لباس پہننے والی لڑکی جب بھی باہر نکلتی' اس کے سر پر آنچل ضرور ہوتا تھا۔ بہت ماڈرن طبقے کے طلبہ و طالبات میں وہ قدرے دقیانوسی سمجھی جاتی تھی لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کر پاتے تھے۔ کیونکہ ایسا نہیں تھا کہ وہ بہت کم گو یا شرمیلی تھی' بلکہ اپنی ثقافت' روایات اور مذہبی تقاضوں کو نبھاتے ہوئے زمانے کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی اور ایسا عمل اس کیلئے مشکل ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ جب کبھی بحث کرنے پر آتی تو دلائل کے انبار لگا دیتی۔ اس کی باتوں اور لہجے میں ہمیشہ تازگی اور خوشگواریت ہوا کرتی تھی' جیسے کوئی لا ابالی لڑکی' جسے کوئی غم یا دکھ نہیں ہوتا۔ مگر.....! اس کی کہانیوں میں وہ معاشرتی المیے' انسانی رویوں سے پیدا ہونے والے دکھ جھلکتے' ناراض لوگوں کے جذبات' احساسات اور خواہشات کو اس طرح لکھتی کہ لفظ لفظ آنسوؤں سے بھیگا ہوا محسوس ہوتا۔

وہ تخلیق کے لمحات کی اس منزل تک آ چکی تھی' جہاں یکسوئی جیسی نعمت حاصل ہو جاتی ہے۔ وہ کہانی لکھنے کیلئے پوری طرح یکسو ہو چکی تھی۔ فائزہ حسن کی شخصیت دھیرے دھیرے معدوم ہو چکی تھی اور اس کی جگہ مہوش فاطمہ پورے احساس اور وجدان کے ساتھ براجمان تھی۔ اس نے چائے کا سپ لیا' پھر مگ رکھ کر اس نے اپنا پسندیدہ قلم اٹھایا۔ نوک قلم سے نکلنے کیلئے لفظ بے تاب تھے۔ اس کا تراشا ہوا کردار اپنا اظہار کرنے کیلئے بے قرار تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ قلم کھولتی' ایک چھناکہ ہوا' جس نے اسے جھنجوڑ کر رکھ دیا۔ وہ تخلیق کے لمحات سے انتہائی کرب کی کیفیت میں آ گئی' جیسے بہت خوبصورت خواب اچانک ٹوٹ جائے۔ اس نے اضطراری انداز میں کھڑکی پر نگاہ ڈالی۔ اس کا شیشہ ٹوٹ چکا تھا اور ٹوٹے ہوئے شیشے کی کرچیاں قالین پر بکھر گئی تھیں۔ انہی کرچیوں کے درمیان ایک کرکٹ بال پڑا ہوا تھا۔ اس کی یکسوئی بھی ٹوٹ گئی تھی اور یکسوئی ٹوٹ جانے کا کرب اسے ہی معلوم ہوتا ہے' جو یکسوئی کو برت رہا ہو۔ اس نے گہرا اور لمبا سانس لیا۔ وہ صورتحال کو سمجھ چکی تھی۔

وہ اٹھی اور محتاط قدموں سے چلتی ہوئی کھڑکی کے قریب چلی گئی۔ جہاں سے ان کے ہمسائے گھر کا لان واضح دکھائی دے رہا تھا۔ وہ لان جو پچھلے چند ماہ سے سنسان تھا' اس وقت بھرا پرا لگ رہا تھا' وہاں کئی لوگ موجود تھے۔ لان میں دھری بید کی کرسیوں میں سے ایک پر بھرے بھرے بدن والی جوان خاتون بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے دھرے میز پر چائے کے برتن رکھے ہوئے تھے۔ دوسری کرسی پر ایک ادھیڑ عمر شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے ہاتھوں میں اخبار تھا۔ ان کے قریب ہی ایک جوان شخص تھا جس کے ہاتھ میں کرکٹ بیٹ پکڑا ہوا تھا اور اس کے قریب کھڑے 2 بچے کھڑے تھے، جن میں ایک نوجوان لڑکی نمایاں تھی۔ وہ سب ساکت تھے' جیسے کسی الف لیلوی کردار نے ان پر جادو پھونک دیا ہو اور وہ سبھی وہیں رک گئے ہوئے تھے۔ ان سب کی نگاہیں اسی کھڑکی کی جانب تھیں' جہاں وہ کھڑی تھی اور اس کا شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔ وہ سمجھ گئی کہ کرکٹ بال کہاں سے اور کیسے اس کے کمرے میں آئی ہے۔ اگلے ہی لمحے اس پر انکشاف ہوا کہ ان سبھی لوگوں کے چہروں پر حیرت' شرمندگی اور ندامت کے آثار تھے۔ اسی احساس نے اسے وہاں سے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ وہ بس چند لمحے ہی انہیں دیکھ سکی تھی' وہ وہاں کھڑی نہ رہ سکی' اس لئے فوراً وہاں سے پیچھے ہٹ گئی تاکہ وہ انہیں دکھائی نہ دے سکے۔

وہ واپس اپنی کرسی پر آ بیٹھی۔ وہ جو اک جہاں آباد ہو چکا تھا' وہ محو ہو گیا تھا۔ خیالات کا سلسلہ یکدم

ہی موقوف ہو گیا۔ یوں جیسے دھواں ہوا میں تحلیل ہو کر اپنا وجود کھو دے۔ اس نے قالین پر بکھری ہوئی کرچیاں دیکھیں' اس کیلئے ماحول بدل چکا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور وہاں سے اٹھ گئی۔ اس کے لکھنے کا موڈ نہیں رہا تھا۔ لیکن ایک انجانی خوشی نے اسے گھیر لیا ہوا تھا۔

اس کا دھیان لان میں موجود لوگوں کی طرف چلا گیا۔ وہ ان کے چہروں پر موجود تاثرات کو بہت غور سے' گہری نگاہ سے نہیں دیکھ پائی تھی۔ بس ایک لمحاتی تاثر تھا۔ جس سے فائزہ کو بہرحال یہ احساس ہو گیا تھا کہ انہیں افسوس ضرور ہوا ہے۔ لیکن اسے کوئی افسوس نہیں تھا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے اپنی کیفیت کو پرکھا۔ اسے کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ جانے یا اپنا سکون غارت ہو جانے کا رتی بھر غم نہیں تھا، نہ ہی یکسوئی ٹوٹ جانے سے اسے طبیعت پر کوئی گرانی محسوس ہو رہی تھی۔ بلکہ اسے اپنے من میں خوشی کی لہر کا احساس ہوا تھا۔ ان کے ہمسائے میں کوئی تو آ کے آباد ہوا۔ ورنہ یہ خالی گھر ویران پڑا تھا۔ اس نے بڑے بوڑھوں سے سنا تھا کہ خالی گھر جب زیادہ دیر تک خالی رہیں تو محض مکان رہ جاتے ہیں اور ان پرانے مکانوں میں آسیبوں کا ٹھکانہ ہوا کرتا ہے۔ وہ جب بھی اس کھڑکی سے اس ویران اور خالی گھر کو دیکھا کرتی تھی تو نجانے اس کا جی کیوں گھبرا جایا کرتا تھا۔ ان سے پہلے جو خاندان یہاں آباد تھا' اس میں کافی سارے بچے تھے۔ وہ جب زیادہ ادھم مچایا کرتے تو وہ اسی کھڑکی میں آ کر انہیں دیکھا کرتی تھی۔ ان کی معصوم شرارتیں اسے بہت دیر تک خوشگوار رکھتی تھی۔ سارا دن چہل پہل رہا کرتی تھی۔ پھر ایک دم سے ویرانی چھا گئی' جیسے طوفان سے پہلے اچانک خاموشی چھا جاتی ہے۔ اب چند مہینوں بعد اچانک یہ گھر آباد ہوا تھا۔ اسے بہت اچھا لگا۔ اسے پھر ان سب کے چہرے یاد آئے' تبھی وہ دھیرے سے مسکرائی اور احساس ہوا کہ وہ ان کرچیوں پر کھڑی ہے۔ وہ چونکی' اس نے ہاتھ میں پکڑا ہوا قلم دراز میں رکھا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

وہ نیچے ڈرائینگ روم میں آئی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کے بھتیجے سعد کے کمرے سے کمپیوٹر گیم کی آواز آ رہی تھی۔ بلاشبہ وہ کمپیوٹر پر گیم کھیل رہا تھا۔ اس کا دل نہیں چاہا کہ وہ اس ڈرائینگ روم میں بیٹھے۔ اس لئے وہ دھیرے قدموں سے چلتی ہوئی باہر لان میں آ گئی۔ جہاں اس کی بھابی کلثوم اور اس کی بھتیجی ثناء بیٹھی ہوئیں تھیں۔ وہ ان کے پاس پڑی کرسی پر بیٹھی تو بھابی نے انتہائی خوشگوار لہجے میں پوچھا ''خیریت تو ہے فائزہ۔! آج معمول سے ہٹ کر تم اس وقت لان میں آ گئی ہو.....''

''میں تو اپنے کام کیلئے پورا موڈ بنا چکی تھی لیکن۔!''

''لیکن کیا.....؟'' بھابی کلثوم نے حیرت سے پوچھا کہ اس نے سارا ماجرہ کہہ سنایا' تب وہ خوشگوار انداز میں بولیں۔

''ارے ہاں۔! کل ان کا سامان آیا تھا۔ آج دوپہر ہی میں یہ لوگ آئے ہیں۔'' بھابی نے اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ پھر خود کلامی کے سے انداز میں بولیں۔ ''پتہ نہیں کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں اور نجانے کیسے لوگ ہوں گے؟''

''اچھے ہی ہوں گے۔ بندے کو ہمیشہ خوش گماں رہنا چاہئے۔'' اس نے چمکتی ہوئی دھوپ میں

درختوں کی شادابی کو اپنے اندر اتارتے ہوئے کہا۔

''پھوپھو جانی۔! چائے بناؤں آپ کیلئے؟'' ثناء نے بڑی محبت سے کہا تو وہ دھیرے سے مسکرا دی۔

''چلو بنا دو۔ میری چائے تو اوپر میز پر ہی دھری رہ گئی، بس دو گھونٹ ہی لئے تھے۔'' فائزہ نے اس کا دل رکھنے کو کہا تو ثناء خوشی سے چائے بنانے لگی۔ تبھی گیٹ میں سے ایک بارہ تیرہ سال کے لڑکے نے جھانکا۔ اس نے چند لمحے انہیں گہری نگاہوں سے دیکھا اور ٹھٹک گیا۔ پھر جیسے اس نے خود میں حوصلہ مجتمع کر لیا ہو۔ اس نے اپنا سر جھٹکا اور بڑے اعتماد سے چلتا ہوا ان کے قریب آ گیا۔

''اسلام علیکم آنٹی۔'' اس نے کلثوم بھابی کو مخاطب کرتے ہوئے بڑے مودب لہجے میں کہا تو بھابی نے بھی چہرے پر حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ جواباً کہا۔

''وعلیکم اسلام..... کہو بیٹا کیا بات ہے؟'' بھابی اس کے اعتماد بھرے انداز پر خوش ہوئی تھیں۔

''وہ جی..... آنٹی جی..... دراصل بات یہ ہے کہ ہمارا بال' مطلب کرکٹ بال آپ کے ہاں آ گیا ہے۔''

''کیسے.....؟'' فائزہ نے اس کی بھوری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے خوشگوار لہجے میں اچانک پوچھا تو وہ گڑبڑا گیا۔

''وہ..... وہ..... ہمیں پتہ ہے..... کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا ہے.....'' پھر اچانک اعتماد سے بولا۔

''سوری.....! چاچو گئے ہیں کسی مستری کو بلانے..... ہم ابھی..... بلکہ ابھی شیشہ ٹھیک کروا دیں گے..... ویسے ماما نے بھی ہمیں بہت ڈانٹا ہے..... اب ہم بالکل نہیں کھیلیں گے..... بلکہ چاچو کو تو بالکل بھی نہیں کھیلنے دیں گے۔''

وہ لڑکا اپنی ہی رُو میں بہت ساری باتیں کر گیا۔ اس کا اندازِ معصومیت اور روانی دیکھ کر مائزہ کھلکھلا کر ہنس دی پھر اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے بولی۔

''ادھر آؤ بیٹا۔'' پھر کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔ ''ادھر بیٹھو۔''

وہ یوں اعتماد سے کرسی پر براجمان ہو گیا جیسے ان کے ہاں مہمان آیا ہو۔ وہ ایک ٹک فائزہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔ یوں جیسے اس کی بات غور سے سننا چاہ رہا ہو' جو ابھی اس نے کہنا تھا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟''

''ویسے تو میرا نام روف الحق ہے..... لیکن سبھی مجھے رونی کہتے ہیں۔''

''اچھا.....'' فائزہ نے کہا اور پھر ثناء سے بولی..... ''میرے کمرے میں ان کا کرکٹ بال پڑا ہوا ہے' وہ اٹھا لاؤ اور ماسی سے کہنا کہ وہاں سے ٹوٹے ہوئے شیشوں کی کرچیاں صاف کر دے۔''

''جی۔'' ثناء نے چائے کا کپ فوراً میز پر رکھا اور اٹھ گئی۔ تبھی بھابی نے رونی سے پوچھا۔

''آپ لوگ آج ہی آئے ہو نا.....''

''جی' آج ہی آئے ہیں.....'' اس نے آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا۔

''اچھا' کون کون ہیں آپ کے گھر میں.....؟'' بھابی نے دلار سے پوچھا۔

''میں ہوں' ماریہ ہے' نادیہ دیدی ہے' پاپا' ماما اور میرے چاچو.....'' اس نے تفصیل سے بتایا۔

''یہ ماریہ اور نادیہ کون ہیں.....؟'' بھابی نے تجسس سے پوچھا۔

''میری بڑی بہنیں ہیں.....''

''بھابی باقاعدہ تفتیش پر اتر آئیں جو فائزہ کو بہرحال اچھی نہ لگی۔ سو اس نے روفی کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

''پڑھتے ہو تم.....؟''

''جی' میں پڑھتا ہوں..... کلاس فور میں.....!''

اتنے میں ثناء اس کا بال لے کر آ گئی۔ تو فائزہ نے کہا۔

''لو بیٹا.....! آپ اپنا کرکٹ بال لو..... اور جاؤ..... اور سنو.....! آپ بھی کھیلنا اور اپنے چاچو کو بھی کھیلنے دینا۔ شیشے ٹوٹتے ہیں۔ کوئی بات نہیں.....'' اس نے پیار سے کہا تو روفی مسکرا دیا۔

''تھینک یو آنٹی.....! آپ بہت اچھی ہیں۔'' اس نے معصومیت سے کہا اور پھر اچانک بولا۔ ''اور اگر پھر شیشہ ٹوٹ گیا تو.....؟''

''کوئی بات نہیں' ہم نیا لگوا لیں گے۔''

''آپ بہت اچھی ہیں۔'' وہ ایک دم سے خوش ہو گیا اور بھاگتا ہوا گیٹ کراس کر گیا۔

''پیارا بچہ ہے۔'' بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہوں.....! اچھا ہے.....'' فائزہ یہ کہتے ہوئے چائے کی جانب متوجہ ہو گئیے

وہ چائے پی چکی لیکن بھابی سے باتیں کرنے کی وجہ سے وہ وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ بھابی کو بھی کافی دن بعد اس سے باتیں کرنے کا موقعہ ملا تھا جبکہ ثناء ان دونوں کی باتیں بہت غور سے سن رہی تھی۔ تبھی ڈور بیل بج اٹھی۔

''کون ہو سکتا ہے؟'' بھابی نے کہا تو ثناء اٹھ کر گیٹ تک گئی۔ انہیں گیٹ صاف دکھائی دے رہا تھا۔ ثناء نے گیٹ کھولا تو وہی خاتون نمودار ہوئی جسے فائزہ کچھ دیر قبل ہمسائیوں کے لان میں دیکھ چکی تھی۔ وہاں بیٹھے ہوئے تو کچھ اندازہ نہیں ہوا تھا' یہاں سامنے تھی۔ وہ قدرے فربہ مائل اور درمیانے سے قد کی خاتون تھی۔ وہ دھیرے قدموں سے ثناء کے ساتھ چلتی ہوئی ان کی طرف بڑھی۔ وہ دونوں اس کی طرف دیکھ کر کھڑی ہو گئیں۔

''اسلام علیکم۔'' اس خاتون نے چند قدم کے فاصلے ہی سے نرم آواز میں کہا۔

''وعلیکم اسلام۔'' دونوں نے تقریباً یک زبان ہو کر جواب دیا۔

''میرا نام مسز شعیب ہے..... ہم آج ہی آپ کے پہلو والے گھر میں آئے ہیں۔ ہمسائے ہیں آپ کے.....'' یہ کہہ کر وہ قدرے شرمندگی سے بولی..... ''اور مجھے شرمندگی ہے کہ ہماری پہلی ملاقات خوشگوار انداز سے نہیں ہو رہی ہے۔''

''اوہ.....! آئیں بیٹھیں پلیز۔'' فائزہ کو اور کچھ نہیں سوجھا تو مسکراتے ہوئے اس نے یہی کہہ دیا۔

''میں ضرور بیٹھوں گی..... لیکن پہلے وہ شیشہ..... ٹھیک کرنے والا مستری میرے ساتھ آیا ہے۔ باہر کھڑا ہے' پلیز آپ اسے اندر بلوالیں تاکہ وہ نیا شیشہ لگا دے۔'' مسز شعیب نے قدرے دھیمی آواز میں کہا تو بھابی نے قدرے حیرت سے کہا۔

''اوہ.....! آپ نے اس قدر تکلف کرلیا..... آپ آئیں پلیز اندر بیٹھتے ہیں۔'' پھر ثناء کی طرف دیکھ کر بولی۔ ''جاؤ.....! بھائی سے کہو' وہ مستری کو پھوپھو والے کمرے میں لے جائے اور شیشہ لگوا دے۔''

''جی ماما'' ثناء نے سعادت مندی سے کہا اور اندر کی طرف چلی گئی۔

''آئیں پلیز.....!'' بھابی نے مسز شعیب سے کہا تو وہ تینوں ڈرائینگ روم کی طرف بڑھ گئی۔ سہولت سے بیٹھنے کے بعد بھابی نے کہا۔

''مسز شعیب، آپ نے تو بڑے ہی تکلف سے کام لیا ہے۔ یوں.....'' بھابی نے حیرت سے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''اصل میں بالکل نئی جگہ آجانے سے بچے تھوڑا بوریت محسوس کر رہے تھے۔ ان کا چاچو تو بچوں کے ساتھ بالکل بچہ ہو جاتا ہے۔ بس وہ لان میں کھیلنے لگے۔ ہم معذرت خواہ ہیں کہ.....''

''آپ تو شرمندہ کر رہی ہیں۔ یہ شیشے وغیرہ تو ٹوٹتے رہتے ہیں۔ کانچ نے تو ٹوٹنا ہی ہوتا ہے۔'' بھابی نے کہا پھر توقف کے بعد بولیں، ''چلیں اسی بہانے آج ہی آپ سے ملاقات بھی ہوگئی..... ویسے یہ گھر کیا آپ نے خریدا ہے؟''

بھابی کی رگ تجسس پھڑک اٹھی تھی۔

''ہم نے خریدا ہے۔ دراصل میرے شوہر کی مدت ملازمت کا یہ آخری سال ہے۔ اسی سال وہ ریٹائر منٹ لے لیں گے۔ ان کی پوری ملازمت کا دورانیہ مختلف شہروں میں گزرا ہے۔ اب وہ اپنے آبائی شہر آ گئے ہیں۔ میرا سسرالی گھر یہیں اسی شہر میں تھا' جو چند برس پہلے ہم نے فروخت کر دیا تھا۔'' مسز شعیب نے تفصیل سے بتایا' وہ بھی خاصی باتونی خاتون تھیں۔ ان دونوں میں خوب باتیں چل نکلیں۔

''مطلب' آپ اسی شہر کے ہیں۔ پہلے آپ کدھر رہتے تھے؟'' بھابی نے پوچھا تو مسز شعیب انہیں تفصیل سے سمجھانے لگی کہ وہ پہلے شہر کے کس حصے میں رہتے تھے۔ پھر اپنی فیملی کے بارے میں بتانے لگی۔

''میری ساس تو اللہ بخشے میرے آنے سے پہلے ہی فوت ہوگئی تھیں۔ سسر میرے تین سال پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے تھے۔ میرے شوہر کے بعد ان کی ایک بہن ہے جو ماشاء اللہ اپنے گھر میں خوش وخرم ہے۔ اس کے بعد ان کا دوسرا بھائی زوہیب ہے جو دوبئی میں ہوتا ہے۔ ان دنوں چھٹیوں پر آیا ہوا ہے اور پھر میں ہوں' شعیب صاحب ہیں اور میرے تین بچے ہیں۔''

''اللہ آپ کو اپنا گھر مبارک کرے۔ ہمیں بہت خوشی ہوئی ہے کہ ہمارے ہمسائے میں بھی گھر آباد ہوا۔'' بھابی نے خوش دلی سے کہا۔ ''آپ سے پہلے جو یہاں رہتے تھے' ان کے ڈھیر سارے بچے تھے۔ وہ یہاں سے گئے تو ایک دم سے ویرانی چھا گئی تھی۔''

''ماشاء اللہ آپ کا رونی تو بہت ہی پیارا بچہ ہے۔'' فائزہ نے پہلی بار لب کھولے تو مسز شعیب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''آپ.....؟''

''میں ان کی نند ہوں..... فائزہ حسن میرا نام ہے اور ان دنوں یونیورسٹی میں پڑھاتی ہوں۔'' فائزہ نے اپنا تعارف کرایا تو مسز شعیب خوشگوار حیرت سے بول۔

''ارے یہ تو ہمارا ایک مسئلہ بیٹھے بٹھائے حل ہوگیا۔ میری بیٹی نادیہ نے اس سال ہی یونیورسٹی میں داخلہ لینا ہے۔''

''تو کوئی پریشانی والی بات نہیں' داخلہ ہو جائے گا۔ اس میں فکر کرنے والی کون سی بات ہے۔''

''بہت شکریہ فائزہ.....!'' یہ کہتے ہوئے اس کی نگاہ سیڑھیوں پر پڑی جہاں مستری واپس آ رہا تھا۔ وہ سب اس کی طرف دیکھنے لگیں۔ وہ قریب آ کر بولا۔

''میں نے شیشہ لگا دیا ہے بیگم صاحبہ.....! مزید کوئی اور کام ہو تو؟''

''نہیں۔'' بھابی نے جلدی سے کہا تو وہ سر جھکائے باہر کی طرف چل دیا۔ تبھی مسز شعیب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا.....! اب میں چلتی ہوں۔''

''ارے آپ بیٹھیں' چائے تو پئیں کم از کم.....'' بھابی نے قدرے حیرت سے کہا۔

''ابھی نہیں.....! پھر کسی وقت سہی۔'' یہ کہہ کر وہ چل دیں۔ جیسے ہی وہ داخلی دروازے سے باہر گئی تو بھابی نے زیر لب تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

''لوگ تو سلجھے ہوئے لگتے ہیں..... اللہ کرے ان کا اور ہمارا ساتھ اچھا رہے۔''

اس پر فائزہ نے دل ہی دل میں آمین کہا پھر ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کر دیا۔ بھابی کچن میں چلی اور وہ سکرین پر نگاہیں جمائے' لاشعوری طور پر انہی کے متعلق سوچنے لگی۔

☆☆☆

وہ انگلی میں اپنی کار کی چابی گھماتے ہوئے اپنے دوست علی اصغر کے دفتر میں داخل ہوا۔ اس کا سامنا ایک دھان پان سی لڑکی سے ہوا جو استقبالیہ پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ چہرے پر دھیمی سی مسکان لئے استقبالیے پر آیا اور بڑے ہی خوشگوار موڈ میں کہا۔

''جی میرا نام زوہیب الحق ہے اور مجھے علی اصغر صاحب سے ملنا ہے۔''

''جی' میں ابھی بتا دیتی ہوں۔'' لڑکی نے زبردستی والی کاروباری مسکراہٹ سے کہا اور انٹر کام پر اطلاع دے دی۔ اگلے ہی لمحے اس کا تاثر بدل گیا۔ وہ حیران نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتی چلی جا رہی تھی اور ساتھ میں ہدایات سنتے ہوئے جی جی بھی کہہ رہی تھی۔ انٹر کام رکھے بغیر وہ حیرت زدہ لہجے میں بولی۔

''آئیں تشریف لائیں.....''

زوہیب نے قدم بڑھائے تو وہ اس کی رہنمائی کیلئے آگے آگے تھی۔ تبھی علی اصغر راہداری میں آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ دور ہی سے باہیں پھیلاتا ہوا اس کی جانب بڑھا اور بڑے ہی خوش کن لہجے میں بولا۔

''ارے تم کہاں سے ٹپک پڑے ہو میرے یار.....! تم تو اچھے بھلے اس دنیا سے رخصت ہو گئے تھے' اب یہ اچانک دوبارہ زندہ ہو جانے کی کیا ضرورت تھی بھلا.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے زوہیب کو بانہوں میں بھینچ لیا۔ استقبالیہ والی لڑکی واپس پلٹ گئی۔ تو وہ دونوں آفس میں آ گئے۔ علی اصغر نے ایک طرف پڑے صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آؤ.....! ادھر بیٹھو۔''

زوہیب نے صوفے میں دھنستے ہوئے اس کے آفس کا جائزہ لیا اور پھر دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

''سناؤ.....! کیا حال ہے تمہارا اور کیا چل رہا ہے' یہ سب کچھ؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں اور سب کچھ اے ون چل رہا ہے۔ مگر تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے۔ اب اتنے طویل عرصے کے بعد اچانک ملے ہو؟''

''یہ ایک لمبی داستان ہے پیارے، پھر کسی وقت سناؤں گا..... اب تو یہی غنیمت جانو کہ میں تمہارے سامنے بیٹھا ہوا تم سے باتیں کر رہا ہوں۔''

''نہیں یار.....! پھر بھی تم اچانک کہاں غائب ہو گئے تھے۔ یہاں اتنی افواہیں تھیں.....''

''مطلب کیسی.....؟''

''یہ کہ تم قتل ہو گئے ہو..... ایک دوسری افواہ یہ تھی کہ تم جیل چلے گئے ہو..... ایسی ہی بھیانک قسم کی افواہیں تھیں۔''

''اوہ.....! مجھے بھی اس کا علم ہے لیکن میں نے جب یہ شہر چھوڑا تو پھر پلٹ کر خبر نہیں لی تھی۔ اب تمہیں زیادہ ہی تجسس ہے تو انتہائی اختصار سے سن لو..... یہاں سے جانے کے بعد میں کچھ عرصہ بھائی کے پاس لاہور میں رہا۔ میں نے وہاں رہ کر بھی اتنا کام کیا کہ بی اے کا امتحان دے دیا تھا۔ پھر میں دوبئ چلا گیا۔ رزلٹ میں نے وہیں سنا کہ پاس ہو گیا ہوں۔ میں پھر واپس نہیں آیا۔ وہیں پر ایڈجسٹ ہو گیا۔ اب میرا وہاں گارمنٹس کا بزنس ہے۔ سب ٹھیک ہے اور بہت اچھا چل رہا ہے۔''

''حیرت انگیز.....! اب بھی اگر تمہارے متعلق کوئی یہ بتائے نا تو کسی کو بھی یقین نہیں آئے گا۔''

''اب میں کیا کہہ سکتا ہوں.....!'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا، یہاں سے جانے کے بعد تم جہاں بھی گئے' اہم بات یہ نہیں ہے' سوال یہ ہے کہ یہاں سے اچانک تم کیوں غائب ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ تم نے مجھے بھی نہیں بتایا۔ اس کی مجھے آج تک سمجھ نہیں آ سکی۔''

''نہ ہی سمجھو تو بہتر ہے..... جس طرح بندہ زندگی میں بہت سارے احمقانہ فیصلے کرتا ہے' اسی طرح انجانے میں کچھ اچھے فیصلے بھی ہو جاتے ہیں۔ وہ میرا ایک اچھا فیصلہ تھا۔'' اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو علی

اصغر کے چہرے پر حیرت مزید گہری ہوگئی۔

''تمہارے اچانک چلے جانے کے بعد' میں تو بالکل تنہا ہوگیا تھا یار.....! لوگ تمہارے بارے میں مجھ سے ہی پوچھتے تھے اور مجھے معلوم نہیں تھا..... میں نے گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دیا پھر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے میں نے دوبارہ پڑھنا شروع کر دیا۔ تب ماحول ہی بدل گیا یار سارے ہی مجھ سے خوش ہو گئے۔ بڑی مشکل سے بی اے کیا۔ پھر ابا کے ساتھ کاروبار میں آ گیا۔ ابھی پچھلے سال ہی ابا جی نے سارا کاروبار مجھے سونپ دیا ہے۔''

''یہ وہی ابا حضور ہیں نا' جو تمہیں سزا کے طور پر جیب خرچ نہیں دیتے تھے اور ہمیں اپنا جیب خرچ خود پورا کرنا پڑتا تھا۔'' زوہیب نے قہقہہ لگایا اور پھر سنجیدگی سے کہا۔''اب کیا لگتا ہے؟''

''اچھا ہے..... لیکن وہ پہلے والے دن نہیں رہے ہیں یار.....!'' یہ کہتے ہوئے وہ چونکا اور پھر قدرے حیرت سے بولا۔''وقت..... وقت کی بات ہے پیارے..... کس کس طرح کی حماقتیں نہیں ہوتی رہیں ہم سے۔ خیر چھوڑ میری یہ حیرت تو دور کر دو کہ تم اب اچانک کہاں سے ٹپک پڑے ہو..... چلو یہاں سے جانے کا نہ بتاؤ..... کم از کم آنے کا تو بتا دو؟''

''شعیب بھائی نے اپنا تبادلہ یہاں کروا لیا ہے۔ وہ اسی سال ریٹائر ہو جائیں گے اور انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ باقی زندگی وہ یہیں اپنے آبائی شہر میں گزاریں گے۔''

''مگر وہ گھر تو بیچ دیا تھا۔''

''ہاں.....! لیکن اب نیا خریدا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ شاندار۔''

''یہ تو بہت اچھا ہوا یار۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے حیرت سے کہا۔''تمہارا مطلب ہے سب گھر والے..... بھابی، بچے ادھر آ گئے ہیں..... ارے تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی۔ میں سارا بندوبست کرتا۔''

''مجھے تو خود چند دن ہوئے ہیں دوبئی سے آئے ہوئے۔ یہاں کا فیصلہ اور تمام تر معاملات بھائی کے اپنے تھے، مجھے ان کا علم نہیں تھا۔ سامان تک شفٹ کروا دیا تھا۔ وہ تو چند دن میری وجہ سے لاہور میں رکے ہوئے تھے۔''

''اور اب تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''میں.....! میں دو چار مہینے تو رہوں گا ادھر..... تھوڑا سا وقت اپنی فیملی کے ساتھ گزارنا چاہتا ہوں..... پتہ نہیں کیوں میں ان دنوں کچھ زیادہ ہی تنہائی محسوس کرنے لگا ہوں۔''

شاید وہ اس بارے میں مزید کوئی بات کہتا مگر انہی لمحات میں وہی دھان پان سی لڑکی ان کیلئے کافی لے کر آ گئی۔ جب تک وہ واپس نہیں چلی گئی' ان کے درمیان خاموشی رہی۔

''تمہاری باتوں سے تو یہی لگ رہا ہے کہ جیسے تم نے ابھی تک شادی نہیں کی، کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں نا میں؟''

علی اصغر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تب زوہیب کافی کا مگ اٹھاتے ہوئے بولا۔

''ہاں.....! ابھی تک کوئی نگاہ میں جچی ہی نہیں یا شاید میں نے کسی کو اس نگاہ سے دیکھا ہی نہیں۔''

''ارے بندہ خدا۔! میرے خیال میں تمہاری عمر تیس پینتیس کے قریب تو رہی ہو گی اور تم نے اب تک شادی نہیں کی۔ اب تو بالوں میں چاندی.....''

''او چھوڑ.....کوئی اور بات کر.....''

''ارے.....! میں جو بھی بات کرتا ہوں تم کہہ دیتے ہو چھوڑ، یہ کیا بے بسی ہے تمہاری؟''

''یہ بے بسی نہیں ہے یار.....!'' پھر ایک گہری سانس لے کر بولا۔''یہ جو زندگی ہے نا اس کے اتنے پہلو ہیں کہ بندہ ساری زندگی انہیں سمجھتے ہوئے گزار دیتا ہے۔ لیکن یہ کم بخت زندگی سمجھ میں نہیں آتی اور جب یہ تھوڑا بہت سمجھ میں آتی ہے تو یہ بے وفا سی لگتی ہے۔''

''یار.....! مجھے حیرت ہو رہی ہے.....تم میں اتنی تبدیلی' یہ سب کیسے؟''

''ہاں.....تبدیلی تو مجھ میں ہے..... یہ کیسے آئی تو سمجھ لو کہ بس یہ کسی کے لفظوں کا اعجاز ہے ورنہ ہم کیا اور ہماری بساط کیا'' اس نے مسکراتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔ اس پر علی اصغر زچ ہو گیا۔

''یار.....! تم یہ موٹی موٹی باتیں چھوڑو.....اور مجھے صرف اتنا بتا دو کہ تم اچانک یہاں سے چلے کیوں گئے تھے۔'' اس کی سُوئی ابھی تک وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

''یہ ایک راز ہے میری جان.....'' اس نے خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔''ایسی باتیں پھر کبھی سہی۔ فی الحال تو میں تم سے ملنے کیلئے آیا ہوں..... تجھے دیکھنے آیا ہوں.....تو سنا' کیسا ہے؟'' یہ کہہ کر اس نے علی اصغر کی جانب دیکھتے ہوئے کافی کا سپ لیا۔ تب وہ اپنی بابت بتانے لگا۔ یوں باتیں کرتے کرتے کافی وقت گزر گیا' درمیان میں کام اور کاروباری معاملات بھی چلتے رہے۔ جس سے باتوں کا مزا کرکرا ہو جاتا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے گزر جانے کے بعد زوہیب نے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اچھا یار۔! میں اب چلتا ہوں..... پھر ملیں گے۔ اس وقت تیرے کام کا حرج ہو رہا ہو گا۔''

''ارے تم تو غیروں کی طرح باتیں کرنے لگے ہو.....چل ٹھپ کرتے ہیں یہ ساری دوکانداری..... چلتا رہے گا یہ آفس' چل گھر چلتے ہیں۔'' پھر رکتے ہوئے بولا۔''ٹھہر میں تیری بھابی کو فون کر دو کہ ہم.....''

''ارے نہیں علی۔! تو کام کر.....ہم شام کو ملتے ہیں۔''

''لیکن کہاں پہ.....؟''

''وہ میں تمہیں فون کر کے بتا دوں گا..... کھانا باہر سے کھائیں گے اور تھوڑی بہت آوارہ گردی بھی کریں گے۔'' وہ دروازے کی جانب بڑھا تو علی نے تیزی سے کہا۔

''تو نے تو یار میرے دل کی بات کہہ دی۔''

''اچھا اللہ حافظ، شام کو ملتے ہیں۔'' زوہیب نے کہا اور دروازہ پار کر کے چلا گیا۔ واپس جاتے ہوئے اس نے استقبالیہ پر بیٹھی دھان پان سی لڑکی کو دیکھا تک نہیں جو اسے بڑی گہری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

☆☆☆

رات دھیرے دھیرے گزرتی چلی جا رہی تھی۔ ہر طرف چھایا ہوا سناٹا اور کمرے میں مدھم سی روشنی

میں فائزہ اپنے بیڈ پر پڑی یہی سوچتی چلی جا رہی تھی کہ اس کے من میں کتنی رنگینی ہے جبکہ باہر کی دنیا میں اس کیلئے کس قدر پھیکا پن ہے۔ آدمی اپنی تنہائی سے گھبرا جاتا ہے لیکن اسے اپنی خلوت سے پیار تھا' کیونکہ یہی خلوت' اس کیلئے جلوت بن جایا کرتی تھی۔ بس ایک نکتے کا فرق تھا جس نے اسے بہت کچھ سمجھا دیا تھا۔ وہ اس خلوت میں اپنے من چاہے خیالات کو تصویروں میں ڈھال لیتی تھی اور پھر انہی تصویروں کو کاغذ پر لفظوں کی صورت میں اتارتے ہوئے اس پر جو کیفیت طاری ہوا کرتی تھی' اس کا لطف وانبساط صرف وہی جانتی تھی۔

اس نے اپنے ادھ کچرے اور مبہم خیالوں کو بھی لفظوں کا روپ دیا تھا اور یہ لفظ..... اپنے معنی میں یوں مجسم ہو گئے تھے کہ جیسے کوئی مصور تصویر بنا دے..... لیکن..... جب وہ اپنی اس کیفیت کے بارے میں سوچتی' اس کیفیت کو لفظوں کا پیرہن دینا چاہتی' تب لفظ گنگ ہو جاتے اور وہ خود بھی ٹھٹک کر رہ جاتی۔ وہ اس عقدے کو حل کر لینا چاہتی تھی کہ بعض کیفیات ایسی کیوں ہوتی ہیں' جن کا ابلاغ نہیں ہو سکتا' کیا ان کیلئے ابھی نئے لفظ تراشنے کی ضرورت ہے؟

انسان کے اندر ایک اور انسان ہوتا ہے' دراصل یہی اصل انسان ہوتا ہے اور وہ ہی پہچان۔ فائزہ کے اندر کا انسان بہت خوبصورت تھا۔ بنیادی طور پر انسان کا من خوبصورت ہی ہوتا ہے' لیکن ہمارے اردگرد کا ماحول' نظریات اور اقدار اسے گرد آلود کر دیتے ہیں جس سے وہ اندر کا انسان اپنی صحیح تصویر نہیں دکھا پاتا۔ من اگر صاف ہو' پاکیزہ ہو تو وجدان تک رسائی کسی انہونی کی محتاج نہیں ہوتی..... فائزہ کو وجدان یونہی حاصل نہیں ہو گیا تھا۔ اس کی زندگی میں اک بڑا خوفناک طوفان آیا تھا۔ جس کے بارے میں وہ آج تک فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ وہ حادثہ تھا یا سانحہ یا پھر قدرت کی طرف سے کوئی انعام؟ مگر وہ اتنا ضرور جانتی تھی کہ اللہ رحیم و کریم کی یہ مہربانیاں ہیں کہ بعض اوقات ہماری نادانیوں' حماقتوں اور بے وقوفیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے سیدھا راستہ دکھاتا ہے اور توفیق بھی دیتا ہے کہ انسان اِس راہ پر چلے۔

وہ اپنے بستر پر پڑی سوچ رہی تھی کہ آج اس کی یکسوئی ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔ پھر اس نے دوبارہ لکھنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ اس وقت رات کی تنہائی میں اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ کوئی بہت ضروری کام کرنا بھول گئی ہو..... اسی ادھورے پن کا احساس' بے نام سی بے چینی کی صورت میں اس سے لپٹا ہوا تھا۔ لمحہ لمحہ گزرتی ہوئی رات کے پہلے پہر میں یہ بے نام کسک کم ہونے کی بجائے بڑھتی چلی جا رہی تھی اور ابھی تو پوری رات پڑی تھی..... وہ جب بھی اس کسک نما بے چینی کو نظر انداز کرنا چاہتی' تبھی وہ دن اس کی نگاہوں کے سامنے آن کھڑے ہوتے اور پھر وہ خوفناک واقعہ..... جس کے بارے میں وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی اس کی یادوں میں سر اٹھا کر کھڑا ہو جاتا۔ اس کے تنے ہوئے اعصاب دھیرے دھیرے ڈھیلے پڑ گئے اور پھر اس نے یادوں کے سیل میں خود کو بہنے کیلئے آزاد چھوڑ دیا۔

اس دن وہ اپنے ہاتھ میں کاغذ کا ایک چھوٹا سا پرزہ دبا کے انتہائی گھبراہٹ کے عالم میں تھی کہ کاغذ کے اس ننھے سے پرزے نے اس کے حواس مختل کر کے رکھ دیئے تھے۔ اسے بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیا کرے۔ اس کے کاغذ کے پرزے پر لکھی ہوئی چند سطروں نے اس پر انجانی دنیا کے بہت سارے دَر کھول دیئے

تھے۔ وہ تصورات کی وادی میں آ گری تھی' جہاں انجانی راہوں نے اسے ہراساں کر کے رکھ دیا تھا۔ وہ اپنی حالت پر خود ہی پریشان ہو کر رہ گئی تھی۔ حالانکہ سب کچھ اس کی اپنی مرضی کے مطابق ہو رہا تھا۔ مگر پھر بھی خوف کے سائے اس پر اس قدر مسلط ہوئے کہ وہ صحرا میں موجود سہمی ہوئی ہرنی کی مانند ہو گئی تھی جو انجانے خطرات کو سمجھنے کی کوشش میں ٹھٹک گئی ہو۔

اس نے دھیرے دھیرے اپنی گلابی مٹھی کھولی تو کاغذ کا وہ پرزہ پسینے میں بھیگ گیا تھا۔ روشنائی سے لکھی ہوئی وہ تحریر کسی دوشیزہ کی آنکھ میں پھیلے ہوئے کاجل کی طرح ہو گئی تھی۔ اس نے لرزیدہ وجود کے ساتھ دوبارہ اس تحریر کو غور سے پڑھا۔

''آج رات.....! ٹھیک دس بجے' میں گاڑی گلی میں لے کر آ جاؤں گا۔ تیار رہنا..... آج سنہری موقعہ ہے پھر شاید..... فقط تمہارا۔''

مختصر سی تحریر والا یہ کاغذ کا پرزہ..... اس کی گلابی ہتھیلی پر انگارہ بن چکا تھا۔ جس سے اس کا پورا وجود انجانی آگ سے سلگنے لگا تھا۔ اس کے رگ و پے میں ہیجان بھر گیا تھا۔ آہستہ آہستہ اس نے خود پر قابو پانا چاہا۔ اس کے خیالات کی رُو اس جانب مڑ گئی۔ اسے اپنے خوابوں کی تعبیر اس قدر جلد مل جائے گی' ایسا تو اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ وہ جو اس کے من میں خوف' وحشت اور پریشانی در آ گئی تھی۔ ایسا صرف اسی باعث ہوا تھا کہ جو اس نے سوچا تھا' اچانک ہی' اتنی جلدی حقیقت کا روپ دھار کر اس کے سامنے آ جائے گا۔

جوں جوں وہ سوچتی جا رہی تھی' اس طرح بے جان سی ہونے لگی تھی۔ سپنے اور حقیقت میں جو فاصلہ اس نے سوچا ہوا تھا' اتنی جلدی سمٹ جانے پر اسے یقین نہیں ہو پا رہا تھا۔ یہی بے یقینی اس پر وحشت طاری کر رہی تھی۔ وہ بے جان سے جسم کے ساتھ اپنے چھوٹے سے کمرے میں صاف ستھرے بستر پر گر گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور دھیرے دھیرے خود کو سہارا دینے لگی۔ نجانے کتنے لمحے اجنبیت کے ساتھ اس کے پاس سے گزر گئے۔ جن کا اسے احساس بھی نہیں ہوا تھا۔ پھر.....! جیسے اسے ہوش آ گیا۔ سہ پہر ڈھل چکی تھی اور شام سر پر تھی۔ رات ہونے میں اتنا وقت کہاں رہ گیا تھا۔ اسے تو بہت لمبے سفر پر جانا تھا..... یکا یک دماغ پر سے دھند چھٹ گئی اور سوچیں اس پر واضح ہونے لگیں۔ اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ کاغذ کے اس پرزے کو دیکھا اور پھر پاس پڑی ہوئی کتاب میں یوں رکھ دیا کہ جیسے وہ پہلی نگاہ میں دکھائی دے جائے۔ اب اسے ایک طویل اور انجانے سفر کیلئے تیاری کرنا تھی۔

جس طرح جانے کا وقت قریب آتا چلا جا رہا تھا' اسی طرح اس کا دل بھی باغی ہونے لگا تھا۔ وہ بار بار اسے روک رہا تھا کہ جو قدم وہ اٹھانے جا رہی ہے' غلط ہے..... مگر وہ اپنے دل کی آواز پر توجہ نہیں دے رہی تھی..... اسے مسلسل نظر انداز کرتی چلی جا رہی تھی۔ دل تھا کہ اپنی دھڑکنوں کے ساتھ اسے سرزنش کرتا چلا جا رہا تھا۔ تنگ آ کر اس کے ذہن نے کہا۔

''میں اپنی خوشی سے تھوڑا گھر سے جا رہی ہوں..... مجھے مجبور کر دیا گیا ہے۔ سبھی مجھ سے نفرت کرتے ہیں..... بوجھ ہوں میں۔ گھٹ کر رہ گئی ہوں میں اس بوسیدہ ماحول میں.....''

''لیکن یہ تمہارا اپنا گھر ہے' تمہارا اپنا ماحول' یہاں سب کچھ ہونے کے باوجود ایک تحفظ تو ہے۔''

''کیا تحفظ کے نام پر اتنی بے جا پابندیاں ہیں کہ انسان کا سانس تک گھٹ جائے۔ ہاتھ ہلانے تک پر پابندی ہے' میں انسان ہوں..... کوئی جانور تو ہوں نہیں.....''

''مگر یہ سب کچھ ساری زندگی تو نہیں رہے گا..... دھیرے دھیرے اک نئے ماحول میں تبدیل ہو جائے گا۔ اگر تمہارے ابا اور امی' تم پر سختی کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ تمہیں اپنی اولاد نہیں مانتے۔ بلاشبہ وہ سب تمہارے بھلے کیلئے ہی ہوگا۔''

''یہ کیسا بھلا ہے کہ بندے کی شخصیت تک مسخ ہو کر رہ جائے۔ کیا میرا لڑکی ہونا ہی جرم ہے۔''

''ہمارے معاشرتی تقاضے اور ماحول ایسے ہی ہیں جس میں لڑکیوں کے بارے میں بہت زیادہ احتیاط بھرتی جاتی ہے..... یہ وہ خوف ہیں جو انہیں یہ معاشرہ دے رہا ہے۔ بیٹیاں تو پرایا دھن ہوتی ہیں اور پرایا دھن امانت ہوتا ہے۔ امانت کی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ وہ تیری اچھی تربیت کرنا چاہتے ہیں' اسی لئے سختی کرتے ہیں۔''

''تربیت کا مطلب یہ نہیں کہ بے زبان جانور سمجھ کر اس کی زندگی اجیرن کر دی جائے۔ صبح جاگنے سے لے کر رات سونے تک..... اک ذرا سی مرضی بھی نہیں کر سکتی میں..... قدم قدم پر مذہبی' معاشرتی اور خاندانی اقدار کی پابندیاں۔ کیا ایسی پابندیوں کیلئے میں ہی رہ گئی ہوں۔ میں نہیں رہ سکتی' اس سسکتے ہوئے' گھٹے ہوئے ماحول میں۔ جہاں غربت سب سے بڑی لعنت ہے۔ قیدیوں جیسی پابندی ہے اور لڑکی ہونا جرم ہے۔''

''چلو یہ مان لیا کہ یہ سب کچھ یہاں پر ہے۔ لیکن کیا..... جہاں تم جا رہی ہو اور جس کے ساتھ تم جا رہی ہو' کیا وہ تمہیں تحفظ دے گا؟ کیا وہ سب کچھ دے گا جو تم چاہتی ہو..... کیا وہاں تمہاری زندگی کبھی اجیرن نہیں ہوگی؟''

''میں نہیں جانتی۔ مجھے زریاب کی محبت پر بھروسہ ہے' وہی تو ہے جو پوری دنیا میں سے مجھے چاہتا ہے۔ مجھے اس سسکتے ہوئے ماحول سے نکال لینا چاہتا ہے۔ جہاں میرا دم گھٹتا ہے۔ کم از کم اس کے ہاں پابندیاں تو نہیں ہوں گی اور پھر مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں اپنی محبت کیلئے' اپنے زریاب کیلئے بہت کچھ قربان کر سکتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے' مجھے تمہاری محبت سے انکار نہیں..... مگر میں تو یہی کہوں گا..... یہ گھر جیسا بھی ہے' تمہارا اپنا ہے۔ اس گھر سے باہر کی دنیا بہت ظالم ہے اور تم محض اٹھارہ سال کی لڑکی' بی اے کی طالبہ..... یہ تمہارا بچپنا ہوگا..... بے وقوفی.....''

''خاموش.....!!!''

اس نے اپنے دل کو بری طرح جھڑک دیا۔ تبھی اک سناٹا چھا گیا۔ اسی خاموشی میں زریاب کا چہرہ ابھرا زریاب.....! اس کی محبت جسے اس نے پورے وجود سے چاہا تھا.....

وہ کالج آتے جاتے اسے دیکھا کرتی تھی۔ زریاب بائیک لئے اس کی راہ میں منتظر رہا کرتا تھا۔ وہ

اسے بہت اچھا لگا تھا۔ لیکن.....! وہ کسی قسم کا اظہار تو کیا' اس سے آنکھ ملانے کی بھی ہمت نہیں رکھتی تھی..... پھر زریاب نے ہی پیش قدمی کی..... دھیرے دھیرے آنکھوں ہی آنکھوں میں حال دل کہا جانے لگا۔ پھر یوں ہوا کہ کاغذ کے چھوٹے چھوٹے پرزے' طویل محبت ناموں میں تبدیل ہونے لگے۔ جن پر حال دل لفظوں کی صورت میں ہمکتا رہتا..... زریاب کے لکھے ہوئے لفظ اس کی روح تک کو چھو لیتے' احساس کے سمندر میں طوفان برپا ہو جاتا اور وہ ان لفظوں کے سحر میں دیوانی ہوتی چلی جاتی..... زریاب کی بے تابیوں میں اسے اپنا وجود سلگتا ہوا محسوس ہونے لگتا۔ وہ پگھل پگھل جایا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اسے ہر طرف زریاب ہی دکھائی دینے لگا۔

ایک طرف اگر زریاب کے پیار میں وہ ڈوبی ہوئی تھی تو دوسری جانب اسے اپنے گھر میں گھٹن کچھ زیادہ ہی محسوس ہونے لگی تھی۔ مذہبی خیالات رکھنے والا باپ کچھ زیادہ ہی سخت گیر دکھائی دینے لگا تھا۔ خوف زدہ سی ماں' اسے کچھ زیادہ ہی ڈانٹنے لگی تھی کہ تیرا دھیان کدھر رہتا ہے۔ ایک بھائی تھا جو پڑھنے کیلئے دوسرے شہر میں گیا ہوا تھا۔ باپ کی ساری کمائی اس کی پڑھائی پر خرچ ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ اپنے والدین کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی گھر میں تنہا تھی۔ نصابی کتابیں' غیر نصابی کتابیں' رسالے' شاعری..... یہ سب اس کی تنہائی کے ساتھی ہوا کرتے تھے۔ لیکن یہ سب کچھ اس وقت ختم ہو کر رہ گیا' جب زریاب اس کی زندگی میں آیا تھا۔

زریاب کا ہمیشہ سے یہی مطالبہ رہا تھا کہ وہ اس سے تنہائی میں ملے' مگر باوجود کوشش کے وہ اس سے نہ مل سکی۔ وہ سخت خوف زدہ تھی۔ وہ یہی چاہتی تھی کہ زریاب اپنے گھر والوں کو اس کے ہاں بھیجے اور عزت کے ساتھ اپنے گھر سے رخصت ہو کر اس کے آنگن میں چلی جائے۔ تنہائی میں ملنے کی خواہش اور عزت سے اپنا لینے میں کچھ عرصہ کشمکش چلی۔ ذات اور اسٹیٹس کی دیواریں بھی درمیان میں آئیں' یہاں تک کہ زریاب نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس نے اعتراف کر لیا کہ اس کے والدین نہیں مانتے۔ اب ان کے ملن کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ یہاں سے وہ کہیں دور چلے جائیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ والدین خود ہی مان جائیں گے۔ سب کو انہیں قبول کرنا ہی ہوگا۔ زریاب نے یہ فیصلہ اس پر چھوڑ دیا کہ وہ کیا چاہتی ہے۔

فائزہ اپنی محبت میں بہت دور تک آ گئی تھی..... اس کے پیار نگر میں دنیا بہت خوبصورت ہو گئی تھی۔ اس کے خواب اس قدر رنگین ہو گئے تھے کہ وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین لڑکی تصور کرنے لگی تھی۔ اس کے تصور نے اک حسین دنیا آباد کر لی تھی۔ وہ تیار ہو گئی۔ اس نے یہاں سے چلے جانے کے حق میں فیصلہ دے دیا اور پھر دونوں اس انتظار میں رہے کہ ایسا کوئی موقعہ آئے اور وہ یہاں سے کہیں دور' انجانی دنیا میں چلے جائیں۔ جہاں اک پیار نگر ان کا منتظر ہے اور پھر وہ دن آ گیا۔ وہ کچھ دیر بعد گھر سے جانے والی تھی۔

کلاک نے دس بجا دیئے تو اس کی بے چینی عروج پر پہنچ چکی تھی۔ اس کا باپ چھت پر بے خبر سو رہا تھا اور ماں صحن میں پڑی گہری نیند میں تھی۔ پورے گھر میں اندھیرا تھا اور وہ باہر والے کمرے میں کھڑی زریاب کا انتظار کر رہی تھی۔ دل میں انجانے خوف سر اٹھا رہے تھے۔ انجانے خدشہ اسے بے چین کئے ہوئے تھے۔ دل کی دھڑکن اس قدر تیز تھی کہ اس کی آواز پورے ماحول میں گونجتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہولے ہولے لرز رہی

تھی۔ وہ لمحے بڑے ہی بے اعتبار تھے' وہ ہونے اور نہ ہونے کے درمیان بے بسی کی انتہاؤں تک جا پہنچی تھی۔ تبھی باہر گلی میں کار آنے کی آواز آئی..... اس نے دروازے کی جھری میں دیکھا۔ باہر ہلکی رفتار سے کار آ رہی تھی۔ جو اس کے دروازے کے سامنے آ کر رک گئی۔ سٹریٹ لائٹ کی روشنی میں اس نے پچھلی سیٹ پر بیٹھے زریاب کو پہچان لیا جو اس کے گھر کی طرف ہی دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے گلی میں قدم رکھ دیا۔ اسی لمحے کار کا دروازہ کھلا۔ اس کا اگلا قدم کار کے اندر تھا۔

کار میں بیٹھتے ہی وہ بدحواس ہو گئی تھی..... چند لمحے تو اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آیا۔ جب وہ حواسوں میں آئی تو کار گلی میں سے نکل کر سڑک پر آ چکی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھیں..... اسے خود پر قابو پانے میں کافی وقت لگا۔ پھر زریاب نے جب پیار گھلے لہجے میں پوچھا۔

''فائزہ تم ٹھیک تو ہو؟''

تب اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگا..... بدبو کا ایک انجانا بھپکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا۔

''ہوں.....'' اس نے بس ہنکارا بھرا۔ مزید ایک لفظ بھی اس کے گلے سے نہیں نکل سکا تھا۔

''سب ٹھیک تھا نا؟'' اس کی آواز خمار آلود تھی۔

''جی.....'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

وہ مطمئن ہو گیا۔ فائزہ نے یہ نہیں دیکھا کہ ڈرائیونگ سیٹ پر کون ہے۔ کار چلتی رہی اور وہ اپنی سانسیں بحال کرتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ شہر کی حدود سے باہر نکل آئے۔ جہاں ایک بڑی نہر بہتی تھی۔ اچانک کار نہر کے ساتھ کچی سڑک پر ڈال دی گئی۔ جو نہر کی روانی کے ساتھ آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ فائزہ کا دل اچانک ہی خوف سے بھر گیا۔ انسان کے اندر ایسی صلاحیت ہے کہ آنے والی خوشی یا غم کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ اسے احساس ہو جاتا ہے کہ آنے والے لمحوں میں کیا ہونے والا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی محسوس کرتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ اس احساس کا تعلق من سے ہے اور جن لوگوں کا اپنے من سے رابطہ ہوتا ہے یہ راز انہی پر آشکار ہوتے ہیں۔ چاہے شعوری طور پر چاہے لاشعوری طور پر..... وہ دیکھ رہی تھی۔ اندھیر راستہ' سنسان کچی سڑک اور درختوں میں گھرا ویران علاقہ..... ہچکولے کھاتی ہوئی کار' آگے ہی آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ انہی لمحوں میں فائزہ نے گھبراہٹ سے پوچھا۔

''یہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟''

''ہم.....! ارے ہم یہاں کچھ دیر رکیں گے' ذرا اپنی محبت کو آزمائیں گے۔'' زریاب کے لہجے سے خباثت ٹپک رہی تھی۔ فائزہ پوری جان سے لرز گئی۔

''دیکھو۔! پہلے ہمیں یہاں سے دور کہیں اور جانا ہے' کسی دوسرے شہر میں' وہاں ہم شادی کریں گے.....اور.....''

''وہ بھی چلے جائیں گے میری جان..... لیکن پہلے.....''

''زریاب یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ کیوں بہکی بہکی باتیں کر رہے ہو..... کیا تم سب کچھ بھول رہے

ہو..... کیا وعدے کئے تھے تم نے میرے ساتھ؟''

''تمہارا کیا مطلب ہے میری جان کہ میں تمہارے لئے اپنا گھر بار چھوڑ دوں..... اپنے باپ کی دولت' جائیداد' سب کچھ' جس کے باعث تیرے جیسی کئی لڑکیاں میرے قرب کی خواہاں رہتی ہیں ہم تو وقت گزارتے ہیں۔''

''تو کیا وہ محبت.....! وہ پیار' سب جھوٹ تھا کیا؟''

''کہاں کی محبت..... تم پر اس لئے محنت کرنا پڑی کہ تم بڑی مشکل ثابت ہو رہی تھی..... اب تم میرے پہلو میں ہو..... چاہو تو اسی طرح آتی رہو..... جو مانگو گی تمہیں ملے گا۔''

''زریاب.....! تم اس قدر گھٹیا ہو گے..... میں نے سوچا بھی نہیں تھا۔''

''اب سوچ لو..... کس نے منع کیا ہے..... اب سیدھی طرح مان جاؤ تو ٹھیک۔ میں نے تم پر بہت خرچ کیا ہے۔ مان جاؤ گی تو آئندہ بھی دولت لٹاتا رہوں گا..... ورنہ مجھے زبردستی.....''

''زریاب.....! یہ تم ہو.....؟ وہ وعدے..... وہ محبت.....؟'' وہ ششدر رہ گئی۔

''پھر تم یہاں تک کیسے آتی گھبراؤ مت.....! میں تجھے آج رات ہی واپس گھر چھوڑ دوں گا.....''

''زریاب.....'' وہ چیخ اٹھی۔ ''تم بہت کمینے ہو.....'' اس نے انتہائی دکھ اور وحشت سے کہا تو اس کا قہقہہ کار کی اندرونی فضا میں پھیل گیا' پھر ڈرائیور سے کہا۔

''روکو یار.....! اسے ذرا اپنا کمینہ پن دکھا دیں۔ لگتا ہے یہ ساوی سوتری رہنا چاہتی ہے۔''

اس کے یوں کہنے پر کار ایک دم سے رک گئی۔

''اگر میری بات نہیں ماننی تو چلو کار سے نیچے اتر جاؤ۔'' زریاب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ اسے گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے ایک سہمی ہوئی فاختہ جیسی لڑکی کے خوف کی وجہ سے' اس کی نفسیات سے کھیل رہا تھا۔ فائزہ کیلئے وہی ایک لمحہ فیصلے کا تھا شاید لاشعور اس کی مدد کر رہا تھا۔ اس نے اپنی طرف کا دروازہ کھولا اور باہر نکل آئی۔ پھر اندھا دھند آگے بڑھتی چلی گئی۔ اسے تو یہ ہوش بھی نہیں رہا تھا کہ اس کا بیگ گاڑی میں رہ گیا ہے۔ زریاب کوئی کچا شکاری نہیں تھا کہ ہاتھ آئے شکار کو چھوڑ دے۔ چند قدم کے فاصلے پر ہی ان دونوں نے فائزہ کو پکڑ لیا۔ وہ بری طرح چیخنے لگی مگر اس ویرانے میں اس کی آواز بھلا سننے والا کون تھا؟

''چھوڑو.....! چھوڑ دو..... خدا کیلئے مجھے چھوڑ دو..... جانے دو مجھے..... تمہیں خدا کا واسطہ ہے..... چھوڑ دو مجھے.....''

چند لمحوں کی اس کشمکش میں فائزہ نڈھال ہونے لگی تھے۔ گلے میں جیسے کانٹے چبھنے لگے تھے۔ زریاب مخمور دماغ کے ساتھ اسے واپس گھسیٹ کر لانا چاہ رہا تھا۔ ڈرائیور اپنی پوری وفاداری دکھاتے ہوئے اس کی مدد کر رہا تھا..... پھر جیسے آسمان میں سے اس کی مدد کیلئے کوئی اتر آیا ہو؟

فائزہ کو اس کے آنے کا احساس اس وقت ہوا جب زریاب کی گرفت اچانک ہی ڈھیلی پڑ گئی۔ اندھیرے میں کوئی آیا تھا اور اس نے پوری قوت سے دونوں کو دھکیل کر اس سے الگ کیا تھا۔ وہ آزاد ہو گئی۔

اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی سایہ ان دونوں سے بھڑ گیا ہے۔ وہ حیرت سے ان تینوں کی نبرد آزمائی دیکھ رہی تھی۔ کچھ لمحوں بعد زریاب کار کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے پیچھے ہی اس کا ساتھی تھا۔ وہ کار کو ریورس ہی میں پیچھے کی طرف لے گئے۔ تبھی کار کی ہیڈ لائٹس میں اسے اپنا بیگ اچھلتا ہوا دکھائی دیا جو وہیں دھول میں گر گیا۔ فائزہ اپنے بیگ کی طرف لپکی اور اسے اٹھا لیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا وہ شخص پلٹ کر جا رہا تھا۔ کار کی مدھم ہیڈ لائٹس میں اس کی پشت دکھائی دے رہی تھی۔ وہ کوئی نوجوان لڑکا تھا۔

''سنئے.....!'' اس نے ہزار خدشات کے باوجود اسے پکارا۔ اس شخص نے کوئی جواب نہیں دیا بلکہ بغیر رکے آگے بڑھتا گیا۔ وہ گومگو کی کیفیت میں وہیں کھڑی رہی۔ خوف' پشیمانی اور شرمندگی میں لپٹے ہوئے کتنے ہی اجنبی لمحوں نے اس سناٹے کی نذر ہو گئے۔ وہ پسینے میں بھیگ رہی تھی اور احساس ندامت نے اس کے احساس کو جھنجوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیا کرے۔ شاید وہ اگلے چند لمحوں میں ہوش و حواس سے غافل ہو جاتی۔ تبھی اسے بائیک سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ بلاشبہ وہ نوجوان بائیک پر تھا۔ اس کا روم روم پکار اٹھا کہ اس سے مدد لے لے۔ آواز اس کے حلق میں ہی گم ہو گئی تھی۔ وہ پکارنا چاہتی تھی لیکن ساکت تھی۔ وہ بے بسی کے انتہائی مقام پر تھی کہ وہ بائیک لے کر اس کے قریب آ گیا۔ فائزہ کے حواس قدرے بحال ہوئے۔ اسے بس اتنی سمجھ آ سکی کہ بائیک پر بیٹھنا ہے، سو وہ بیٹھ گئی۔

''جانا کدھر ہے؟'' اجنبی نے دھیمے سے انداز میں پوچھا تو اس نے اپنی گلی کے بارے میں بتا دیا۔ پھر اس نے بات نہیں کی۔ وہ چلتا چلا گیا۔ بلاشبہ وہ اس شہر سے بخوبی واقف تھا۔

گلی کی نکڑ پر اس نے بائیک روک دی۔ جہاں قدرے اندھیرا تھا۔ سنسان گلی میں کوئی ذی روح نہیں تھا۔ اس کے یوں نکڑ پر ہی بائیک روک دینے سے وہ قدرے حیران و پریشان ہو گئی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی۔ اس اجنبی نے کہا۔

''سنو۔! جس طرح میں نے تمہارا چہرہ نہیں دیکھا' اسی طرح تمہارا گھر بھی نہیں دیکھنا چاہتا ہوں..... میں تمہیں کوئی نصیحت نہیں کروں گا..... بس اتنا کہوں گا کہ اپنی عزت کا خیال رکھنا۔ یہی متاع زندگی ہے..... اب اترو اور جاؤ۔''

وہ اسے کچھ بھی نہ کہہ سکی۔ وہ ٹرانس میں آئے ہوئے شخص کی طرح بائیک سے اُتر گئی۔ اس سے یہ کوشش بھی نہ ہو سکی کہ اس کا چہرہ ہی دیکھ لے..... وہ نگاہوں سے اوجھل ہوا تو اسے احساس ہوا کہ وہ کہاں کھڑی ہے۔ یوں جیسے چھناکے سے شیشہ ٹوٹ جائے..... وہ اپنے حواسوں میں آ گئی تھی۔ تبھی اس کے قدم اپنے گھر کی طرف بڑھ گئے۔ وہ اسی دروازے میں سے اپنے گھر میں داخل ہوئی، جہاں سے نکل کر وہ کسی انجانے پیار نگر میں پہنچ جانا چاہتی تھی۔ گھر میں قدم رکھتے ہی اسے تحفظ' اطمینان اور عزت کے احساس کا وجدان ملا۔ ماضی کی ساری منفی سوچیں اس طوفان میں ریت کی مانند اڑ گئی تھیں۔ یوں جیسے شیشے پر سے دھول صاف کر دی گئی ہو..... اب نہ وہاں گھٹن تھی' نہ دھواں' نہ غربت..... سب کچھ روشن ہو چکا تھا۔

''اپنی عزت کا خیال رکھنا' یہی متاع زندگی ہے۔''

یہ بازگشت اس کی پوری زندگی کا عنوان بن گیا۔ اس نے ہزار ہا پہلوؤں سے اس بازگشت کو سوچا' سمجھا اور پرکھا۔ ہر بار نئے معنی اور مفہوم اس پر آشکار ہوتے چلے گئے۔ گھر کا ماحول ویسا ہی رہا لیکن وہ بدل گئی تو سب کچھ بدل گیا۔ اس بازگشت نے اس کی تمام تر منفی سوچوں کو جلا کر خاکستر کر دیا۔ اسے فقط اپنی تنہائی میں سکون ملنے لگا۔

یہ سانحہ تھا..... حادثہ تھا یا قدرت کی کوئی مدد.....! جہاں وہ اس پر کوئی فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ وہاں وہ اس حیرت میں گم تھی کہ وہ کون تھا؟ وہ کیسی مدد تھی؟ یہ مدد کیوں ہوئی؟ یہ بات اس کی فکر کیلئے نئی قسم کا روزن تھا۔ وہ فکر کی راہ پر چل نکلی تھی..... تب اسے معلوم ہی تھا کہ اس کی منزل کیا ہے۔ وہ ہولے ہولے اپنے من میں ڈوبتی چلی گئی تو آگہی کی روشن دنیا اس پر وا ہوتی چلی گئی۔ کتاب' تنہائی اور وہ.....! یہ ایک ایسی تکون تھی جس کے ساتھ وہ زندگی کی راہ پر آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔ اسی راہ پر چلتے ہوئے' اس پر کھلا کہ تمام تر عزتوں کا مالک وہی ایک اللہ ہے۔ جو ہر شے پر قادر ہے۔ وہ فائزہ جس پر کوئی تبلیغ اثر نہیں کیا کرتی تھی۔ کسی واعظ نے اس کی سوچوں میں ہلچل نہیں مچائی تھی۔ وہ اپنے من سے اٹھنے والے احساس سے قربت الٰہی کی خواہاں ہوگئی۔ جس کی اولین شرط پاکیزگی ہوا کرتی ہے..... ظاہری پاکیزگی سے لیکر خیالات کی پاکیزگی تک وہ اپنے من میں ڈوبی تو اسے یہ ہوش ہی نہیں رہا کہ دنیا کہاں بس رہی ہے۔ اس کی دنیا تو اس کا اپنا من تھی۔

یوں زندگی چلتی گئی۔

وہ یونیورسٹی کی فضاؤں میں آ گئی۔ جہاں شعور بڑھا تو شعور ذات کی آگہی ہوئی۔ بڑے خوبصورت' پرکشش اور وجیہہ چہرے اس کے اردگرد رہے۔ مگر وہ سب کاغذی پھولوں کی مانند ثابت ہوئے۔ اسے تو اس کی تلاش تھی' جس کا چہرہ اس نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں آواز کے سہارے اس کی شبیہ بناتی رہی' بالکل کسی سنگ تراش کی مانند..... احساس کے ہتھوڑے اور جذبات کے بسولے سے وہ اپنے تصور کے پتھر کو تراشتی رہی۔ لیکن وہ چہرہ کبھی مکمل نہیں ہو پایا تھا..... یہاں تک کہ اسے تھکن کا احساس ہونے لگا..... انتظار کے کانٹوں سے احساس کے وجود میں دکھ شدت اختیار کر گیا..... تب وہ رب کے حضور فریاد کناں ہوئی۔ زندگی چلتی رہی اور وہ اِسی سنگ تراشی' اُسی اجنبی کیلئے دعاؤں اور وجدان کے سہارے' دھیرے دھیرے آگہی کی راہ پر چلتی رہی۔ یہاں تک کہ اسے یوں لگا جیسے وہ اندر سے بھر گئی ہے' اس کا اپنا وجود' اپنا ظرف اور اپنی کشادگی اتنی نہیں ہے کہ جتنا جذب کی خواہش اس کے اندر بڑھ گئی ہے۔ اس نے سوچا کہ اگر یہی عالم رہا تو وہ چٹخ جائے گی۔

جن دنوں وہ یونیورسٹی کے فائنل ایئر میں پہنچی تھی' ان دنوں وقت اور حالات یکسر تبدیل ہو چکے تھے۔ وہ اپنے من میں کس قدر مالا مال ہوگئی تھی۔ یہ توانائی اپنی جگہ لیکن مادی طور پر بھی غربت اس کیلئے قصہ پارینہ بن چکی تھی۔ بھائی ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہو چکا تھا۔ وہ نئے اور بڑے گھر میں منتقل ہو گئے تھے۔ یہ اس گھر کی قسمت اچھی تھی کہ اسے بھابی بہت اچھی ملی تھی۔ پہلے والدہ اللہ کو پیاری ہوئی تو بعد والد بھی اگلے جہان سدھار گئے۔ پرانے اشجار کی جگہ اس آنگن میں نئی کونپلوں نے اپنی بہار دکھانا شروع کر دی۔ پہلے ثناء آئی' پھر سعد آیا' زندگی میں ایک ٹھہراؤ سا آ گیا۔

وہ فائنل ایئر کے امتحان دے چکی تو اس کی مصروفیات ختم ہو کر رہ گئیں۔ مطالعہ کی عادت تو اس کا معمول تھی لیکن..... تنہائی اپنا رنگ ضرور دکھاتی ہے۔ انسان جب تنہا ہوتا ہے تو سوچوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ جن میں دونوں طرح کی سوچیں ہوتی ہیں' منفی اور مثبت۔ یہ پھر انسان کا اپنا میلان ہوتا ہے کہ وہ کس سوچ کے ساتھ بہتا چلا جاتا ہے۔ وہ دونوں طرح کی سوچوں کو بگٹٹ بھاگنے نہیں دیا کرتی تھی بلکہ انہیں لگام ڈالے رکھتی۔ وہ آگہی کی مشعل لئے تصورات کے اس سفر پر نکلتی۔ تب نجانے کتنے جہانوں کی سیر کر آتی۔ اس کے ذہن میں سپنوں کا اک جہان آباد ہو گیا تھا۔ جو بہت خوبصورت تھا۔ یہ اس کا اپنا پیارا نگر تھا۔ وہ اکثر اس میں چلی جایا کرتی جہاں کی وہ خود حکمران تھی۔ وہاں وہ اپنے پسند کے کردار تخلیق کرتی' ان کرداروں کی تخلیق میں اس کا سابقہ تجربہ بہت کام آیا تھا۔ جب اس شخص کا چہرہ تراشنے میں خیال تراشی کیا کرتی تھی۔ وہ تو آگہی کے ایک راستے پر چلی تھی لیکن ذرا آگے چلی تو زندگی کے بہتیرے راستے اس کے پاؤں کے نیچے تھے۔ وہ جس راہ پر چاہتی نکل جاتی۔ ماضی کی تلخ یادیں' معاشرتی رویے' ادبی رجحانات' حالات کی نزاکتیں' جذبات کی رنگینیاں' احساسات کی حقیقتیں' سپنوں کی نرماہٹیں نجانے کتنے سفر تھے جو اس نے طے کئے۔ انہی مسافتوں کے تجربات اسے پوری کائنات میں پھیل جانے کی خواہش پیدا کر دیتے۔ وہ کچھ کرنے کو تڑپ اٹھتی۔ وہ اس دنیا میں خاص قسم کے کردار دیکھنا چاہتی تھی۔ وہ جب کہانیاں پڑھتی' تب ان میں اپنے پسند کے کرداروں کی جھلک دیکھنا چاہتی۔ لیکن اکثر مایوس ہو جاتی۔ وہ کردار جو اس کے خیالوں میں تھے' وہ شبیہ جو اس کے ذہن میں تھی' اسے کہیں بھی دکھائی نہ دیتی۔ اگر کہیں تھوڑی بہت جھلک دکھائی بھی دے جاتی تو اس کے اندر تشنگی مزید بڑھ جاتی۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ بھی لکھے۔ دوسرے کو بتائے کہ اس کے پسندیدہ کردار کیسے ہوتے ہیں۔ وہ جو اس کے خیالوں میں بسے ہوئے تھے' ان کرداروں کو صفحات پر لفظوں کا روپ دے دے' ان میں زندگی بھر دے۔ وہ جو سوچتی ہے اس سے دوسروں کے احساسات میں ہلچل برپا کر دے۔ دھیرے دھیرے یہ خواہش بڑھتی چلی گئی اور پھر ایک دن جام چھلک گیا۔

اس دن وہ عشاء کی نماز پڑھ کے اٹھی تھی۔ اس کا من بہت خوشگوار تھا۔ جیسے تپتے ہوئے صحرا میں خوب بارش ہو جائے تو خوشگواریت انتہا کو پہنچ جاتی ہے..... اس شام وہ بہت دیر تک سوچتی رہی تھی۔ خیالات کی بھرمار نے اسے ثمر آور سا کر دیا تھا۔ لفظ مختلف تصویروں میں ڈھل رہے تھے۔ وہ ٹیبل کے پاس یوں آ کر بیٹھ گئی جیسے کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا ہو..... اور پھر وہ لکھتی چلی گئی..... جس طرح رات لمحہ لمحہ کر کے گزرتی رہی' اسی طرح لفظ لفظ جڑتے گئے اور تحریر بنتی چلی گئی۔ صبح کی اذان ہوئی تو اسے احساس ہوا اس نے سب کچھ ایک طرف رکھا اور نماز کیلئے اٹھ گئی..... اس کا من شانت تھا جیسے وہ مراقبہ سے اٹھی ہو۔ اس صبح اسے نماز میں بہت زیادہ لذت ملی..... وہ جو کچھ کھو جانے کی بے چینی اسے ستاتی رہتی تھی' وہ کسک نجانے کہاں گم ہو گئی وہاں فقط یکسوئی کا احساس تھا..... اسے وہ تجربہ حاصل ہوا تھا جس میں ربط قائم کرتے ہوئے کسی اور کی شراکت نہیں تھی۔ اس نے اپنے اس اجنبی سے باتیں کیں تھیں جسے اس نے دیکھا تک نہیں تھا..... اس نے اپنے پورے وجود سے اس کائنات میں اسے صدا دی تھی..... اس نے نماز پڑھی اور سو گئی..... اس کے لکھے ہوئے کاغذ میز پر پڑے پھڑ پھڑاتے رہے۔ اس کے منتظر رہے اور وہ.....! پرسکون سوتی رہی..... ایک خوشگوار نیند کے بعد جب اس نے

اپنے ہی لکھے ہوئے صفحات کو دیکھا تو حیرت زدہ ہوگئی۔ وہ جو اس کے سپنوں کا جہان تھا' اسی کا عکس تھا۔ وہ پیار نگر..... ایک مختصر سی کہانی کے روپ میں اس کے سامنے مجسم ہو گیا تھا۔ یہی آغاز سفر تھا اور پھر محض تین برسوں میں اس نے اپنی عمر سے کہیں زیادہ سفر طے کر لیا تھا۔

فائزہ ماضی کے دھندلکوں سے نکل آئی تھی۔ اس نے کلاک کی طرف دیکھا' گیارہ بجنے کو تھے۔ وہ پرسکون ہوگئی تھی۔ سو نیند اس پر مہربان ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆

''وقت کیا ہوا ہے.....؟'' زوہیب نے عام سے انداز سے پوچھا تو علی اصغر نے اپنی کلائی پر بندھی ہوئی قیمتی گھڑی پر وقت دیکھا اور سرسراتے ہوئے کہا۔

''گیارہ بج گئے ہیں۔''

''تو چلو چاچے عاشق کے ہوٹل پر چلتے ہیں۔ اگر مزید دیر ہوئی تو وہ ہوٹل بند کر دے گا۔'' زوہیب نے کہا تو ان کے قدم تیز ہو گئے۔

زوہیب اور علی اصغر شہر کے اس پرانے حصے میں موجود تھے جہاں ان کا ماضی ابھی تک بکھرا ہوا تھا۔ شام ڈھلتے ہی زوہیب نے علی اصغر کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ ایک مخصوص چوراہے پر آ جائے اور اپنی گاڑی نہ لائے۔

''ارے وہاں کیوں؟ اور پھر پیدل.....''

''میں یہ تمہیں بعد میں سمجھاؤں گا۔ آوارہ گردی کا مزہ گاڑیوں میں نہیں آتا اور نہ ہی ہم نے ان گاڑیوں کی نمائش کرنی ہے۔ میں ٹھیک نو بجے تمہیں وہاں ملوں گا' دیر نہیں کرنا۔''

''بات تمہاری ٹھیک ہے یار میں سمجھ رہا ہوں کہ تو کیا چاہتا ہے لیکن کھانا بہر حال کسی اچھے سے ریستوران میں.....''

''چل ٹھیک ہے پھر تو پہنچ وہاں پر.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا تھا۔

کھانے کے دوران اس نے علی کو بتا دیا تھا کہ وہ شہر کے اس پرانے حصے میں جائیں گے' وہاں گلیوں گلیوں پھریں گے اور پھر جب دل بھر گیا تو واپس لوٹ آئیں گے۔ اب ان کا دل تو نہیں بھرا تھا لیکن تھک بہت گئے تھے۔ وہ ریستوران سے کھانا کھاتے ہی آوارہ گردی کیلئے پیدل نکل پڑے تھے اور اب ان کا رخ چاچے عاشق کا ہوٹل تھا۔ جہاں ان دونوں کی بہت ساری یادیں وابستہ تھیں۔

''بہت تھک گیا ہوں یار.....!'' علی نے ایک کرسی پر پھیلتے ہوئے کہا جبکہ زوہیب چاچے عاشق کے ہوٹل کو دیکھنے میں مگن تھا۔ اس نے علی کی بات کا جواب دیئے ہوئے کہا۔

''ہاں یار.....! وہ بھی کیا دن تھے' جب تھکن کا احساس ہی نہیں ہوا کرتا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بھی سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تو علی نے چھیڑا۔

''یہ عمر کا تقاضا ہے یار.....''

''نہیں یہ تھکن عمر کی نہیں ہے۔ ہم ہی ان گلیوں' ان راستوں اور ان فضاؤں کیلئے اجنبی ہو کر رہ گئے ہیں۔'' اس نے جذب سے کہا

''ہاں بہت کچھ بدل چکا ہے یہاں پر۔ اب دیکھو یہ چاچا عاشق پتہ نہیں زندہ بھی ہے یا اگلے جہان سدھار گیا ہے۔ وہ دیکھو.....! اس کی جگہ اب اس کا بیٹا چائے بنا رہا ہے۔ بھلا سا نام تھا اس کا..... ہم نے تو اسے پہچان لیا ہے لیکن وہ شاید ہی ہمیں پہچان پائے گا۔'' علی نے کہا پھر ایک لمحہ کو خاموش ہونے کے بعد دکھ سے بولا ''ویسے بھی یہاں لوگوں کی نگاہوں میں ہمارے لئے کتنی اجنبیت ہے۔ حالانکہ ہم نے عام سے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ یہی اجنبیت ہے نا.....''

''ہاں.....! تم ٹھیک سوچ رہے ہو.....'' زوہیب نے کہا تو اس لمحے ایک ''چھوٹے'' نے ان کی میز پر پانی سے بھرا ہوا جگ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا چاہئے صاحب جی؟''

''دو فرسٹ کلاس چائے' ملائی مار کے۔'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا تو چھوٹا کھل گیا اور قدرے حیران بھی ہوا۔ جیسے ان نفیس لوگوں سے اسے اس طرح کے لہجے کی توقع نہیں تھی۔ وہ مسکراتا ہوا چلا گیا۔

''یار زوہیب.....! میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔ اسے گول مت کرنا' سچ سچ بتانا۔''

''بول.....! سچ بتاؤں گا۔'' وہ سامنے دھرے گلاسوں سے کھیلتے ہوئے بولا۔

''دیکھ.....! ہمارا بچپن اور لڑکپن تقریباً ایک ساتھ گزرا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ نوجوانی کے چند سال تو میرا خیال ہے غلط نہیں ہوگا۔'' یہ کہہ کر اس نے زوہیب کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا کچھ نہیں محض آنکھوں کے اشارے سے اس کی تائید کر دی۔ تب علی کہتا چلا گیا۔ ''میں جانتا ہوں تم کیسے تھے۔ باغی' ضدی' مغرور' غصیلے..... مطلب.....! تم ڈٹ جانے والے تھے۔ چاہے اس کیلئے جتنی مرضی سر پھٹول ہو جائے۔ میں تمہارے مقابلے میں فوراً سمجھوتہ کرنے والا ہوتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں اب بھی ویسا ہی ہوں۔ مجھ میں تبدیلی اگر آئی ہے تو فقط اتنی کہ اب میں اپنی کمزوریاں چھپا لیتا ہوں..... یقین جانو، میں جب بھی تمہارے بارے میں سوچتا تھا نا تو میرے ذہن میں تمہارے متعلق یہی تصور ابھرتا تھا کہ تم اب زیر زمین سرگرمیوں میں ملوث ہو گے۔ کوئی گینگ وغیرہ بن چکا ہوگا جس کو تم چلا رہے ہو گے۔ انڈر ورلڈ میں تمہاری مشہوری ہو گی۔ میں جب بھی کوئی فلم دیکھتا تھا تو اس میں ایسے ہی منفی قسم کے کرداروں میں تمہاری جھلک ضرور دیکھتا۔ تم میری بات سمجھ رہے ہو نا۔''

''ہاں.....! میں سمجھ رہا ہوں' تم اپنی بات مکمل کرو۔''

''بس بات اتنی سی ہے کہ میں تمہیں ایک کاروباری' نفیس' با اخلاق سا شخص دیکھ کر حیرت زدہ ہوں۔ میرے ذہن میں جو تمہارے لئے تصور بن چکا تھا نا تم اس کے بالکل الٹ ہو..... اتنی تمہید کے بعد میرا تم سے سوال یہ ہے کہ کیا واقعی تم میں تبدیلی آ چکی ہے' مطلب یہی تمہارا ظاہر اور باطن ہے۔''

''مطلب.....! یہی تمہارا ظاہر و باطن ہے؟ میں سمجھا نہیں؟'' اس نے علی کی بات میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا

''یار میں نے جو تم میں اتنی خوبیاں گنوائیں ہیں اور تم تبدیل ہوئے لگتے ہو۔ یہی اصل ہے یا اس کے پیچھے کوئی بہت بڑا گینگ چلانے والا ماسٹر مائنڈ بیٹھا ہے۔'' علی نے پوری سنجیدگی سے وضاحت کی تو زوہیب دھیرے سے ہنس دیا۔ پھر بولا۔

''ارے ایسا نہیں یار..... میں واقعی بدل گیا ہوں اور تم نے یہ جو سوال کئے ہیں نا' یہ میرے لئے نئے نہیں ہیں۔ میرا بھائی اور بھابی تک حیران ہیں مجھ پر۔ اب میں تمہارے شک کو ختم کرنے کیلئے کوئی ثبوت نہیں دے سکتا۔''

''میں نے مان لیا..... مگر یہ تبدیلی کب اور کیسے آئی.....؟''

''ہاں.....! تمہارا یہ سوال بنتا ہے..... لیکن..... میں تمہیں جتنا بھی سمجھانا چاہوں' تم نہیں سمجھو گے اور نہ ہی تم اس پر یقین کرو گے.....''

''تم میں ایک تبدیلی میں نے یہ بھی نوٹ کی ہے کہ پہلے تم سیدھی' سچی اور کھری بات کہہ دیا کرتے تھے لیکن اب تم الجھنوں بھری اور لچھے دار بات کرتے ہو..... کیوں نہیں آئے گی مجھے سمجھ' میں کوئی ڈنگر ہوں یا پھر میں یہ سمجھ لوں کہ تم میری ہر بات کو نظر انداز کرتے جا رہے ہو۔'' علی نے قدرے غصیلے اور افسردہ لہجے میں کہا۔

''ارے نہیں یار..... تم تو ناراض ہو گئے ہو..... دراصل تم نے جو میرے بارے میں تصور بنایا ہوا تھا نا' وہ بالکل درست تھا' ویسا ہی ہونا تھا۔ میں جس ڈگر پر چل نکلا تھا اور میرے ماحول نے مجھے جو بنانا چاہا تھا' بلاشبہ منطقی طور پر میری جگہ جرائم پیشہ لوگوں میں ہی تھی۔ لیکن تم جانو! اور چاہو تو یقین کرنا یا نہ کرنا' میں ایک خاتون لکھاری کی لکھی ہوئی کہانیاں پڑھ کے خود کو بدلنے کی کوشش کر رہا ہوں..... صرف کہانیاں.....'' زوہیب نے دھیرے سے کہہ دیا تو علی چونک گیا۔

''مطلب.....! تم نے فقط کہانیاں پڑھیں' وہ بھی ایک خاتون لکھاری کی اور تم بدل گئے.....'' علی کی حیرت دیدنی تھی۔ وہ بے یقینی کے سے انداز میں دیکھتے ہوئے بولا۔ ''تم میری ہر بات کا مذاق اڑا رہے ہو.....''

''دیکھا نا..... تم بدگمان ہو گئے' میں اسی لمحے سے بچنے کیلئے اس موضوع پر پہلو تہی کر رہا تھا..... مجھے افسوس ہے۔'' زوہیب نے دلبرداشتہ لہجے میں کہا۔

''لیکن..... یہ..... کیسے.....؟' علی نے کہا تو زوہیب نے دور خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔

''میرے ایک مہربان تھے' اسی شہر کے' وہ اب اس شہر میں نہیں رہے ہیں تو یہ سارا شہر سونا سونا سا لگ رہا ہے۔ خیر.....! ان کا اور میرا تعلق ایک الگ کہانی ہے اور تمہیں تو کیا اس شہر کے کسی بندے کو بھی اس تعلق کا نہیں پتہ۔ انہوں نے مجھے اس خاتون لکھاری کا نام بتایا..... اور کہا کہ میں اس کی کہانیاں پڑھا کروں..... میں پڑھتا چلا گیا۔ اس کی ایک ایک کہانی کئی مرتبہ پڑی۔ اس کے لفظوں میں اترا..... اور پھر مجھے پتہ ہی نہیں چلا کہ میں کب بدلتا چلا گیا ہوں..... میں یہاں سے لاہور اور پھر وہاں سے دوبئی.....! یہ محض کاروباری معاملات یا اپنا معاشی معاملہ نہیں تھا' میں ماحول کی تبدیلی چاہتا تھا.....''

''حیرت انگیز.....! کہانیاں بھی زندگی کا رخ بدل دیتی ہیں؟''

''ہاں.....! بدل دیتی ہیں۔ جب لکھنے والے کے لفظوں میں خلوص ہو.....تو وہ پراثر ہو جاتی جائیں۔ اس کی مثال میں تمہارے سامنے ہوں.....'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا تو علی نے کوئی جواب نہ دیا۔ خاموش رہا۔ اتنے میں وہی چھوٹا چائے لے آیا۔ اس نے بڑے احترام سے چائے رکھی اور واپس چلا گیا۔

''کیا تم اس خاتون لکھاری سے بھی ملے ہو.....؟ یا کوئی رابطہ.....؟'' علی نے پوچھا۔

''نہیں'' زوہیب نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اس کے بارے میں جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔'' علی نے تجسس سے پوچھا

''وہ ایک مخصوص رسالے کیلئے لکھتی ہیں۔ ہمیشہ وہیں شائع ہوتی ہے.....اس کے علاوہ اس نے کہیں نہیں لکھا۔ میں نے اس کے بارے میں جاننے کیلئے رسالے سے رابطہ کیا تھا۔ وہاں سے مجھے یہ جواب ملا کہ وہ کسی سے بھی رابطہ نہیں رکھنا چاہتیں اور نہ ہی اپنے بارے میں کسی کو بتانا چاہتی ہیں۔ اس لئے میں نے دوبارہ کوشش ہی نہیں کی اور پھر علی.....! میرا اور اس کا تحریر کا تعلق ہے.....تو میں نے اس کی تحریروں سے تعلق رکھا ہوا ہے۔'' زوہیب نے پوری وضاحت سے کہا۔

''ہوں.....!'' علی نے حیرت سے ہنکارا بھرا اور سامنے دھرا ہوا چائے کا کپ اٹھا کر سپ لیا۔ پھر وہ کتنی دیر تک خاموش رہا۔ اس دوران زوہیب اس کی طرف دیکھتا رہا۔ چند لمحوں بعد زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیوں.....! میری بات ہضم ہوئی ہے یا نہیں.....؟''

''اگر تم سچی بات پوچھتے ہو تو نہیں..... مجھے ہضم نہیں ہوئی۔ لیکن.....! اس دنیا میں ہر شے ممکن ہے۔ یہ اگر سوچوں تو یقین کرنا پڑتا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے چائے کا سپ لیا اور پھر بولا۔ ''ویسے کیا نام ہے اس موصوفہ کا جو میرے اس دوست کیلئے مصلح ثابت ہوئی ہے؟''

''مہوش فاطمہ.....!'' زوہیب نے دھیرے سے کہا اور چائے ہونٹوں سے لگا لی۔

کتنے ہی خاموش لمحے ان کے قریب سے ہو کر گزر گئے۔ یہاں تک کہ چائے کے کپ خالی ہو گئے۔ زوہیب نے ایک بڑا نوٹ چائے کی پیالی کے نیچے رکھا تو علی نے کلائی کی گھڑی پر وقت دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

''بہت دیر ہو گئی ہے یار.....! میرے خیال میں اب چلنا چاہئے۔''

''ہاں چلو.....! واپس جاتے ہوئے بھی کچھ وقت لگ جائے گا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ بھی اٹھا۔ دونوں وہاں سے چل دیئے۔

☆☆☆

وہ آف ڈے تھا۔ لیکن فائزہ پھر بھی اپنے وقت پر بیدار ہو چکی تھی۔ وہ نماز فجر کے بعد تلاوت قرآن کر چکی تو کھڑکی میں آ گئی جہاں مشرقی افق پر رنگوں کا خوبصورت امتزاج اس کیلئے گہری کشش لئے ہوئے تھا۔ اس نے ہمیشہ اُبھرتے ہوئے سورج کو دیکھا تھا۔ یہی وقت اور صبح کا منظر اسے ہمیشہ سے پسند تھا۔ اس نے اپنے

معمول کے مطابق کھڑکی میں کھڑے ہو کر گہرے گہرے سانس لئے اور پھر ہٹ گئی۔ وہ آف ڈے میں صبح کا تھوڑا سا وقت لان میں گزارا کرتی تھی۔ اس دن بھی گھر کے سارے افراد ابھی سوئے ہوئے تھے جبکہ وہ اپنے کمرے میں نکل کر لان میں آ چکی تھی۔ اس نے ہلکے سبز رنگ کی قمیض اور سفید شلوار پہنے ہوئے تھے' اس کے سر پر سفید بڑا سا آنچل تھا..... وہ دھیرے دھیرے' چہل قدمی کے سے انداز میں پھولوں کو دیکھتی چلی جا رہی تھی۔ اس وقت وہ خالی الذہن تھی، پھولوں اور ان کے رنگوں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ کتنا ہی وقت یونہی گزر گیا۔ تبھی اچانک اس کے ذہن میں وہ مسئلہ ابھرنے لگا جو رات لکھتے وقت اس کے ذہن میں آیا تھا وہ اس وقت تو بالکل بھی اسے حل نہیں کر پائی تھی۔ جب سوچ ایک خاص حد تک جا کر ٹھٹک گئی تو اس نے وہ مسئلہ کسی اور وقت سوچنے کیلئے اٹھا رکھا۔ اس وقت اسے لکھنا تھا سو وہ روانی میں لکھتی چلی گئی تھی..... اب اسے یاد آیا تو اس مسئلے کو سوچنے لگی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی ہوئی لان کے کونے میں پڑی کرسی پر جا بیٹھی۔

یوں تو اس نے محبت پر بہت سی کہانیاں لکھی تھیں۔ یہی اس کا موضوع تھا اور اس کی کہانیوں کی اصل روح محبت ہی ہوا کرتی تھی۔ عشق.....! جو محبت سے کہیں گہرے رنگوں کا عکس ہوتا ہے' کیا اس کا بھی کوئی اندازہ ہو سکتا ہے؟ کہتے ہیں نا کہ عشق تو سمندر سے بھی گہرا اور وسیع ہوتا ہے۔ تو آج کے جدید دور میں سمندروں کی گہرائیاں اور وسعتیں تک ناپ لی گئی ہیں۔ مطلب وہ ایک طرح سے حدود میں آ گیا۔ اس کے بارے میں اندازہ ہو گیا۔ سمندروں کے ماپنے کیلئے معیار وضع ہو گئے۔ لیکن کیا عشق کو بھی ماپا جا سکتا ہے اور اگر ماپا جا سکتا ہے تو اسے ماپنے کا معیار کیا ہو سکتا ہے؟ چلیں عشق ماپنے کی بات' ایک دیوانے کی بڑ ہی سہی' کچھ تو اندازہ ہونا چاہئے نا کہ عشق اتنا گہرا بھی ہو سکتا ہے؟ یہی وہ مسئلہ تھا جو رات اس کے ذہن میں آیا' وہ اس پر بہت دیر تک سوچتی رہی۔ ادھر ادھر کے بہتیرے خیالات و نظریات کو ایوان ذہن میں لا کر دیکھتی رہی' پرکھتی رہی' لیکن بات کچھ سرے نہ چڑھی۔ مسئلہ ہنوز جوں کا توں رہا۔ ممکن تھا کہ وہ مزید کچھ دیر سوچتی رہتی مگر اسی وقت سرسراتا ہوا اخبار گیٹ کے اندر آ گیا۔ وہ اخبار کی پھڑپھڑاہٹ سے چونک گئی۔ وہ اٹھی اور جا کر اخبار اٹھا لائی اور سب کچھ ذہن سے نکال کر اخبار پڑھنے لگی۔

اسے اخبار پڑھتے ہوئے ابھی اتنا زیادہ وقت نہیں ہوا تھا کہ کال بیل ہوئی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اندر سے اٹھ کر ابھی کوئی بھی نہیں آئے گا۔ سو اس نے اخبار میز پر رکھا اور اٹھ کر گیٹ تک گئی۔ اس نے گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھولا تو اس نے سامنے ایک معصوم سی' خوبصورت لڑکی کو کھڑے پایا جو اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس معصوم سی لڑکی نے فائزہ کے چہرے پر اجنبیت دیکھ کر فوراً کہا۔

''میں نادیہ ہوں..... آپ کے ہمسائے میں رہتی ہوں۔''

''ارے نادیہ تم.....!'' فائزہ اچانک ہی خوش ہو گئی۔ نادیہ کا یوں آنا اسے خوشگوار حیرت دے گیا تھا۔ اس لئے اس نے راستہ دیتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔ ''آؤ.....! اندر آ جاؤ۔''

''تھینک یو.....'' نادیہ نے کہا اور اندر آ گئی۔ وہ دونوں لان کی طرف چلی گئیں..... کرسیوں پر بیٹھنے کے بعد فائزہ نے کہا۔

''نادیہ.....! یوں صبح میں.....''

''آج جب میں نے اپنے بیڈروم کی کھڑکی سے باہر جھانکا تو آپ یہاں لان میں چہل قدمی کر رہی تھیں۔ تبھی میں نے فیصلہ کر لیا کہ ابھی آپ سے ملوں گی۔ سو میں چاچو کو بتا کر آپ کے پاس آ گئی ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چاچو کو.....؟'' فائزہ نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں.....! وہ بہت صبح اٹھ جاتے ہیں' اب تک وہ ناشتہ کر کے پورا اخبار بھی ختم کر چکے ہوں گے۔''

''کیا کرتے ہیں آپ کے چاچو؟'' اس نے یونہی بات بڑھاتے ہوئے پوچھا تو نادیہ مسکراتے ہوئے شرارت سے بولی۔

''تین کام ہیں.....! سونا' پڑھنا.....اور کھانا۔''

''سونا' پڑھنا اور کھانا.....مطلب.....؟ اس نے نادیہ کی بات میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب.....! جب دل کیا سو گئے اور جب چاہا اٹھ گئے..... دو تین اخبار تو روز ہی پڑھتے ہیں۔ اس کے علاوہ رسالے اور کتابوں کا ایک ڈھیر ان کے اردگرد جمع رہتا ہے.....بس وہی پڑھتے رہتے ہیں.....رہی کھانے کی بات تو وہ کھانے بلکہ اچھے کھانے کے شوقین ہیں۔ جس شے کو دل چاہا وہ اگر کسی نے بنا دیا تو ٹھیک ورنہ خود بنا لیتے ہیں۔''

''دلچسپ.....! بندے کو ایسا ہی ہونا چاہئے..... کم از کم کسی کے نہ ہونے سے بندہ نہ بھوکا رہتا ہو اور نہ تنہائی محسوس کرتا ہو۔''

''جی.....! ویسے میرے چاچو ہیں بہت اچھے' خیر.....! پہلے بھی وہ بہت اچھے تھے لیکن اب تو وہ بہت زیادہ ہی اچھے ہو گئے ہیں۔''

''یہ پہلے.....اور بعد میں.....'' فائزہ کو تجسس ہوا۔

''وہ یوں کہ دوبئی جانے سے پہلے وہ کچھ اور طرح کے تھے۔ ماما اور پاپا ان سے ناراض رہتے تھے۔ کبھی کبھار ڈانٹنے کی نوبت بھی آ جایا کرتی تھی..... اب تو بہت خوش ہیں۔ پاپا تو اب ان کی تعریف ہی بہت کرتے ہیں۔ اب تو وہ ہم سب کو پیار بھی بہت کرنے لگے ہیں۔'' باتونی سی نادیہ نے آنکھیں بند کر کے رسان سے کہا تو فائزہ کو یوں لگا جیسے اس کا چاچو کوئی منفرد سی شخصیت رہا ہو..... عام ڈگر سے ہٹ کر ذرا مختلف قسم کی چیز۔ سو اس لئے فائزہ نے پوچھا۔

''کیا مطالعہ کی عادت پہلے بھی تھی' جیسے اب ہے؟ مطلب دوبئی جانے سے پہلے.....''

''نہیں.....! اب ہی وہ پڑھنے لگے ہیں اور بس پڑھتے رہتے ہیں' کہا نا کہ اخبار' رسالے' کتابیں ایک ڈھیر جمع رہتا ہے ان کے کمرے میں۔ اب تو ان کی باتیں بھی بدل گئی ہیں۔ موٹی موٹی فلسفہ ہو جیسے۔''

''ہوں.....! دلچسپ.....!'' فائزہ نے کہا تو نادیہ جلدی سے بولی۔

''آپ بھی تو پروفیسر ہیں۔ اگر آپ کی ان سے ملاقات ہو تو ان کی موٹی موٹی باتیں آپ ہی

سمجھیں۔''

''اگر ایسا ہے تو آپ کے چاچو سے ملا جا سکتا ہے۔'' فائزہ نے مروت میں کہا تو نادیہ خوش ہو گئی۔

''ضرور.....! آپ ان سے مل کر ضرور خوش ہوں گی۔''

''ٹھیک ہے' کبھی موقعہ ملا تو ضرور ملاقات ہو گی۔'' فائزہ نے گویا اس موضوع پر بات ختم کر دی۔ تو نادیہ نے کہا۔

''ویسے میرا ایڈمیشن ہو جائے گا نا.....! مطلب..... مجھے کیا کرنا ہو گا۔''

''تمہارا ایڈمیشن ہو جائے گا..... ڈونٹ وری..... اس کی تم فکر مت کرو..... ویسے سبجیکٹ کون سے پڑھے تھے بی اے میں اور کس میں ماسٹرز.....'' فائزہ نے پوچھا تو پھر گفتگو کا سلسلہ دراز ہوتا چلا گیا۔ بات مضامین سے شروع ہوئی تھی۔ پھر یونیورسٹی' اس کا ماحول' پرانی سہیلیاں' کالج کی زندگی' گھر اور مستقبل کی باتیں اور نجانے کیا کیا زیر بحث رہا۔ سورج سر پر چڑھ آیا تو نادیہ نے اجازت چاہی۔

''نہیں.....! تم ایسے کیسے جا سکتی ہو کچھ کھایا نہ پیا۔''

''نہیں دیدی'' اب نہیں' پھر کسی وقت سہی۔ ویسے میں تو کہتی ہوں آپ آج شام ہی ہمارے ہاں آئیں' خوب باتیں ہوں گی اور ہاں چاچو سے بھی ملوا دوں گی۔ ہو سکتا ہے کل وہ ادھر ادھر نکل جائیں۔''

''فی الحال تو میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اگر میں آ سکی تو عصر پڑھ کے آؤں گی۔''

''نہیں آپ وعدہ کریں کہ ضرور آئیں گی۔ میں آپ کا انتظار کروں گی۔''

''اچھا چلو یہ باتیں ہوتی رہیں گی' اندر چلتے ہیں اور کچھ کھاتے پیتے ہیں۔'' فائزہ نے کہا اور اٹھ گئی۔ سو نادیہ کو بھی اٹھنا پڑا۔

وہ دونوں اٹھ کر اندر چلی گئیں۔ فائزہ کو وہ معصوم سی' باتونی سی' الہڑ سی لڑکی بہت پیاری لگی تھی۔

اسی شام جب وہ عصر پڑھ چکی تو اسے خیال آیا کہ وہ نادیہ سے وعدہ کر چکی ہے کہ وہ ان کے ہاں ضرور آئے گی۔ اسے احساس تھا کہ نادیہ اس کا انتظار کرے گی۔ اگر وہ لکھنے بیٹھ گئی تو دھیان اسی طرف رہے گا۔ وہ اس مخمصے میں پھنس گئی کہ جائے یا نہ جائے۔ فیصلہ کر لینے کی اس کشمکش میں نادیہ کے چاچو سے ملاقات کی خواہش بھی تھی۔ اسے تجسس ہو رہا تھا کہ اگر وہ شخص واقعی مطالعہ کا شوقین ہوا تو اس سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اسے تجسس تھا اور یہ تجسس بڑی ظالم شے ہوتی ہے۔ ابھر آئے تو اپنا آپ منوا کر رہتا ہے۔ وہ اس کشمکش میں تھی کہ نادیہ کا فون آ گیا۔ وہ اس کا انتظار کر رہی تھی۔ سو اس نے ان کے ہاں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ ان کے ہاں پہنچی تو نادیہ کو اپنے انتظار میں پایا۔ وہ اسے دیکھ کر بچوں کی طرح خوش ہو گئی۔ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائینگ روم میں لے آئی۔

''آپ یہاں بیٹھیں میں ماما کو بلاتی ہوں۔'' نادیہ نے کہا اور فوراً واپس اندر کی طرف پلٹ گئی۔

فائزہ ڈرائینگ روم میں بیٹھ گئی۔ ابھی اس نے پوری طرح جائزہ بھی نہیں لیا تھا کہ مسز شعیب آ گئی۔

''بہت خوشی ہوئی فائزہ.....! آپ کو یہاں دیکھ کر یقین ہی نہیں آ رہا۔ میں نے تو سوچا تھا کہ آپ ذرا

دیر ہی سے آئیں گی۔ بلاشبہ آپ ہماری پہلی مہمان ہیں۔'' مسز شعیب نے خوش ہوتے کہا۔

''واقعی.....!'' اس نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

''بالکل.....!'' یہ کہتے ہوئے مسز شعیب کو احساس ہوا کہ وہ ابھی تک کھڑی ہیں۔'' پلیز بیٹھیں آپ.....'' یہ کہتے ہوئے وہ دونوں بیٹھ گئیں اور باتیں کرنے لگیں۔ تھوڑی دیر بعد نادیہ لوازمات کے ساتھ چائے لے کر آ گئی

''میں نے نا چاچو کو بھی بتایا ہے۔ ابھی وہ آئیں گے۔'' نادیہ نے چائے بناتے ہوئے کہا۔

''اچھا.....! ویسے نادیہ نے اپنے چاچو کی تعریف بہت کی ہے۔'' فائزہ نے کہا تو مسز شعیب نے دھیرے سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ان بچوں کی جان ہو گیا ہے۔ پہلے وہ اتنا اچھا نہیں تھا لیکن اب وہ بہت اچھا ہے۔''

''یہ بات تو نادیہ نے بھی کہی تھی۔ مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ سکی۔ مطلب پہلے اچھا نہیں تھا' اب اچھا ہے؟''

''یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ اب ملنا ملانا رہے گا' آپ کو بتا دوں گی۔'' مسز شعیب نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی جیسے اس نے اپنے اندر کا تجسس دبا لیا ہو۔ ابھی وہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایک وجیہہ سا شخص وہاں آ گیا۔

''اسلام علیکم.....!'' اس نے بہت اچھے انداز میں کہا تو نادیہ فوراً بولی۔

''فائزہ دیدی.....! یہ ہیں میرے چاچو.....اور چاچو۔''

''اور ان کا غائبانہ تعارف تو ہو چکا۔'' فائزہ نے عام سے انداز میں کہا۔ وہ دیکھ چکی تھی کہ زوہیب نے ان کے پاس آنے کیلئے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا۔ لگتا تھا کہ وہ ان تکلفات کا عادی نہیں ہے۔ یہ بات اسے اچھی لگی تھی۔ تبھی وہ انتہائی مہذب لہجے میں بولا

''چلیں یہ مشکل مرحلہ تو آسان ہوا۔ ویسے نادیہ نے مجھے آپ کے بارے میں بتایا تو مجھے بھی آپ سے ملنے کی خواہش ہوئی تھی۔''

''ہاں.....! میں بھی چاہ رہی تھی اور اس کی ایک وجہ تھی' بلکہ آپ اسے تجسس کہہ لیں کہ آپ کے بارے میں سنا یہ ہے کہ آپ پڑھتے ہیں' مطلب' آپ کا مطالعہ.....مطلب.....! آپ کیا پڑھتے ہیں؟''

''اوہ.....!'' اس نے فائزہ کی بات ٹوک دی۔'' ویسے یہ میرے لئے انتہائی خوشگوار بات ہے۔ یقین جانیں محترمہ فائزہ زندگی میں پہلی بار ایسی خاتون ملیں ہیں آپ..... کہ جنہوں نے لفظوں کی نسبت سے ملنا چاہا' ورنہ.....ایسے دور میں ناممکن..... مجھے یہ جان کر بہت حیرت ہو رہی ہے کہ آپ مطالعہ کے تجسس کی وجہ سے ملنا چاہیں گی۔''

''آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔'' اس نے متاثر ہوئے بغیر کہا۔

''سوری.....!'' اس نے قدرے شرمندگی سے کہا اور پھر بولا.....'' ویسے کچھ خاص نہیں' بس یہی سمجھ لیں کہ پڑھنے کا ایک ہوکا سا لگ گیا ہے.....اور پڑھتا میں اس لئے ہوں کہ زندگی کی سمجھ آ جائے۔''

''تو اب تک کیا سمجھ میں آئی؟'' اس نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہی کہ زندگی کی سمجھ بالکل بھی نہیں آئے گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پھر تو آپ نے بہت کچھ سمجھ لیا ہے۔'' فائزہ بھی دھیرے سے مسکرادی۔

''ہاں.....! یہ تو ہے۔'' زوہیب نے الجھتے ہوئے کہا کہ تو مسز شعیب اٹھ گئیں اور بولیں۔

''فائزہ.....! آپ لوگ گپ شپ کرو.....! میں ذرا کچن میں ہو آؤں۔ ابھی آتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ چلی گئیں۔

''چاچو یہ چائے لیں۔'' نادیہ نے اس کی طرف کپ بڑھادیا۔ جسے اس نے لیتے ہوئے کہا۔

''ویسے جس طرح آپ ماشاء اللہ یونیورسٹی میں پڑھاتی ہیں..... آپ کا تو کہیں زیادہ مطالعہ ہوگا۔ ایسی بات تو آپ ہی کہہ سکتی ہیں۔'' زوہیب نے بات جاری رکھتے ہوئے انکساری سے کہا۔ تبھی فائزہ ایک خیال کے تحت چونک گئی۔ پھر قدرے مسکراتے ہوئے بولی۔

''زوہیب صاحب.....! خدانخواستہ میں آپ کا علم جانچنے نہیں آئی۔''

''اونو.....!'' وہ جلدی سے بولا۔ ''ایسی کوئی بات نہیں' ویسے میں نے بھی یونہی چند برس سے پڑھنا شروع کیا ہے۔ میرے ایک مہربان تھے' انہوں نے جب مجھے ایک خاتون رائٹر کے بارے میں بتایا تو میں نے اسے پڑھا..... تب سے زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے کیلئے مزید کتابیں وغیرہ میرے زیر مطالعہ آگئیں۔''

''واہ.....! ایسی کون سی خاتون رائٹر ہے جس سے آپ اس قدر متاثر ہیں۔'' فائزہ نے انتہائی دلچسپی سے پوچھا وہ بلا توقف بولا۔

''مہوش فاطمہ۔''

زوہیب نے تو یہ نام یونہی عام سے انداز میں لیا تھا۔ مگر فائزہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھلکتے ہوئے بچا۔ یہ لمحہ اسے ایک انہونی ہونے کا تحفہ دے گیا تھا۔ وہ ششدر رہ گئی۔ اس کا بدن سن ہو کر رہ گیا۔ یہ لمحہ.....! اس کے ڈھیر سارے رتجگوں کا حاصل تھا۔ اس کے سامنے بیٹھا ہوا وجیہہ شخص ایک ایسا اعتراف اتنی سادگی سے کر گیا تھا جو اسے دیوانگی کی حدود تک لے جانے کی قوت رکھتا تھا۔ یہی آزمائش بھرا لمحہ بھی تھا۔ یہ لمحہ اس کے ظرف کی گہرائی بتا سکتا تھا۔

''آپ تو اس لکھاری کا نام سن کر ہی خاموش ہوگئیں ہیں۔ شاید آپ کو اچھا نہیں لگا؟'' زوہیب نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا

''نہیں اس میں اچھا نہ لگنے والی کیا بات ہے۔'' فائزہ کا لہجہ تھرتھرا رہا تھا۔

''ہوتا ہے نا کہ بعض لکھاری پسند نہیں ہوتے یا پھر آپ نے اسے پڑھا نہیں ہے۔'' وہ اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا تو وہ اپنے آپ میں آگئی۔

''ایسا نہیں ہے۔ میں نے بھی اسے پڑھا ہے۔ مگر مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ اس نے آپ کو متاثر کر دیا۔''

''میرے خیال میں اس نام کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ نہیں ہے کہ حیرت ہو..... وہ ایسی ہے..... بلکہ میں تو کہوں گا کہ اس نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے۔''

''کیا؟'' یہ اس کیلئے ایک اور حیرت انگیز بات تھی۔

''شاید آپ میری بات نہ سمجھ سکیں یا میں آپ کو نہ سمجھا سکوں۔ ویسے یہ بہت اچھا ہوا کہ ان کی لکھی ہوئی باتیں آپ کے ساتھ شیئر کر کے مجھے اچھا لگے گا اگر آپ پسند کریں تو.....''

''بات پسند یا ناپسند کی نہیں ہے زوہیب صاحب۔'' اس نے بڑے پراعتماد لہجے میں کہا۔ وہ خود پر قابو پا چکی تھی اور بڑے محتاط انداز میں گفتگو کر رہی تھی۔ ''میرے لئے دلچسپی کی بات یہ ہے کہ اسے پڑھنے کے بعد آپ میں تبدیلی آئی..... کیا میں جان سکتی ہوں کہ ان تحریروں میں کیا تھا اور آپ پر کیسے اثر انداز ہوئیں؟''

''جی ہاں' بالکل آپ جان سکتی ہیں۔ لیکن یہ سب کچھ ایک نشست میں تو ممکن نہیں ہے نا' اس کیلئے تو کچھ وقت چاہئے۔'' اس نے کمال خوبصورتی سے ٹال دیا۔

''دیدی.....! میں آپ کو بتاؤں..... بس مہوش فاطمہ کا ذکر چھڑ گیا تو ان کی باتیں سننے والی ہوتی ہیں۔ ان کی تحریروں ۔ سے تو انہیں عشق ہے۔'' نادیہ نے یہ بات کہہ کر اپنے ہونے کا احساس دلایا تو فائزہ کو اچانک اپنا حل طلب مسئلہ یاد آ گیا۔ اس نے چند لمحے سوچا اور کہا۔

''زوہیب صاحب.....! مہوش فاطمہ کا موضوع محبت ہے' کیا سمجھتے ہیں آپ کے وہ اسے پیش کرنے میں حق ادا کر رہی ہے۔''

''میرے خیال میں وہ اپنی تحریروں میں محبت کو پہلا درجہ نہیں دیتی' بلکہ محبت ہو جانے کے بعد جو اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دراصل وہ اس کی لکھاری ہے اور میرا خیال ہے کہ اس کے نزدیک مقصد زیادہ اہم ہے۔ آپ شاید مجھ سے اتفاق کریں یا نہیں.....''

''میرا سوال ہنوز تشنہ جواب ہے..... خیر.....! میں آپ سے اس کی تحریروں کے بارے میں ضرور بات کروں گی..... لیکن اس وقت میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں۔''

''جی ضرور کیجئے..... میں اگر اس کا جواب دے پایا تو.....'' زوہیب نے پوری طرح متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

''عشق، کیا عشق کو ماپا جا سکتا ہے اور اگر ماپا جا سکتا ہے تو اس کے ماپنے کا کوئی معیار یا پیمانہ ہے؟''

''جی ہاں ہے.....'' اس نے بڑے آرام سے کہا تو فائزہ چونک گئی۔

''کیا؟'' اس نے سرسراتے ہوئے پوچھا۔

''اصل میں ناپ تول کی محتاج مادی اشیاء ہوتی ہے..... غیر مادی نہیں.....! عشق بہرحال کوئی مادی شے نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی اگر ہم مصر ہیں کہ نہیں' ہم نے عشق کو ماپ تول میں لانا ہے تو پھر غیر مادی شے کو غیر مادی پیمانے ہی سے ناپا جا سکتا ہے..... یہ محض اندازہ ہوگا..... یہ سوال سامنے آ سکتا ہے نا کہ اسے کتنا عشق ہے؟ مقدار کا تعین تو آ گیا۔ یہاں اندازہ ہوتا ہے اور وہ بھی غیر مادی..... لیکن ایک محیط ہمارے سامنے آ جاتا

ہے۔ وہ بھی غیر مادی ہوتا ہے۔ وہ ہوتا ہے احساس.....''

''مگر کیسے؟ اسی عشق کے بارے میں بتائیں۔'' فائزہ کھو کر رہ گئی تھی۔

''عشق.....! ہاں' اس کا اندازہ.....! غیر مادی پیمانہ یہ ہوسکتا ہے۔ اس شخص کا رویہ.....! مطلب ٹوٹی ہوئی طنابیں..... بجھی ہوئی راکھ میں سے اٹھتا ہوا دھواں' جلی ہوئی رسیاں' اجڑے ہوئے خیمے..... یہی ہے عشق کا ماپ تول' اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے..... جہاں یہ سب کچھ جتنا ہوگا' وہاں اتنا ہی عشق ہوگا۔''

''اوہ.....!'' فائزہ کو جیسے ہوش آ گیا۔ زوہیب نے تو بہت بڑے نکتے کی طرف اشارہ کر دیا تھا۔ انہی لمحات میں کئی سارے خیال اس کے ذہن میں کوندے' جنہیں وہ زیر بحث لانا چاہتی تھی اور شاید وہ بات کو بھی آگے بڑھاتی۔ تبھی مسز شعیب آ گئیں۔ تب پھر فائزہ کی دلچسپی کے چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ بلاشبہ زوہیب نے بھی ایسا ہی محسوس کیا تھا۔ اک تشنگی کا احساس ان کے درمیان آ گیا۔ زوہیب تو کچھ دیر بعد ہی اجازت لے کر اٹھ گیا مگر وہ کچھ دیر مزید ان کے پاس ٹھہری۔ پھر جیسے ہی مغرب کا وقت ہوا وہ اٹھ گئی۔ فائزہ ان کے گھر سے بہت ساری حیرتیں اپنے ساتھ لے کر اٹھی تھی۔

رات کسی شمع کی مانند دھیرے دھیرے پگھلتی چلی جا رہی تھی۔ فائزہ اپنے بیڈ پر پڑی نجانے کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس کا تصور آباد تھا۔ جہاں فقط زوہیب کی سوچیں روشن تھیں ایک طویل عرصے کے بعد اسے کوئی شخص ملا تھا جس نے اسے متاثر کیا تھا۔ وہ کشش کو سمجھتی تھی اور حصار ذات میں ہونے والی ہلچل سے بھی واقف تھی۔ مگر یہ سب کچھ ویسا نہیں تھا۔ کچھ اور ہی تھا جسے وہ سمجھنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ زوہیب سے ملاقات کے بعد ایک خیال نے اسے چونکا دیا تھا..... پھر جیسے جیسے وہ اس پر سوچتی گئی' اسی طرح ششدر بھی ہوتی گئی۔ حیرتوں کا اک جہاں اس پر وا ہوگیا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا تھا۔ یہ بالکل ایسی کیفیت تھی جیسے کوئی سائنس دان اپنی تجربہ گاہ میں کسی تجربے میں مصروف ہو' لیکن اس دوران اچانک ہی غیر متوقع طور پر کوئی اور شے دریافت ہو جائے۔ وہ بھی ایسی ہی صورت حال سے دوچار تھی۔

وہ سوچنے لگی..... اس کی کہانیوں کے کردار اگرچہ عام زندگی سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن ان کی انفرادیت بہرحال تسلیم ہوتی تھی۔ فائزہ کو پورا یقین تھا کہ انسان کی فطرت چونکہ احسن تقویم ہے اس لئے اس میں نیکی اور اچھائی بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس نے اپنے کرداروں کے ذریعے اسی اچھائی کو' اسی نیکی کو ہمیشہ تلاش کیا تھا۔ اس کے کردار ہمیشہ وہ لوگ ہوا کرتے تھے جو معاشرے سے' روایات سے ناراض ہوتے تھے۔ وہ انہی ناراض لوگوں کی بابت لکھا کرتی تھی اور اس کی کہانیوں کا پیغام انہی ناراض لوگوں کیلئے ہوا کرتا تھا۔ کسی بھی صلے سے بے نیاز ہو کر وہ مسلسل اپنا کام کرتی چلی جا رہی تھی۔ وہ خود بے نام تھی لیکن اسے اپنی ذات پر' اپنے پیغام پر اور اپنے پیغام کے پرخلوص ہونے پر پختہ یقین تھا۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ اس کا یہ خلوص بھرا پیغام ان ناراض لوگوں تک ضرور پہنچتا ہے جن کیلئے وہ لکھتی ہے۔

لیکن.....! اک نیا خیال اس پر وارد ہوگیا تھا۔ زوہیب اسے اپنی ہی ایک کہانی کا کردار لگا تھا..... اگرچہ خوشی اور مسرت آگہیں احساس اپنی جگہ بہت خوشگوار تھا کہ وہ زوہیب کیلئے ایک پسندیدہ لکھاری ہے لیکن

یہ خوشی اب ثانوی حیثیت اختیار کر گئی تھی۔ اسے تو اس خیال نے ساکت کر دیا تھا کہ زوہیب اس کی کہانیوں سے نکلا ہوا کردار ہے۔ جو مجسم ہو کر اس کے سامنے آ موجود ہوا ہے۔ رات کا بہت سارا حصہ اس یقین کے احساس میں گزر گیا۔ کیا واقعی ایسا ہی ہے.....؟ ایک ہی ملاقات میں جو ممکن ہو سکا تھا' اس نے چھوٹی چھوٹی جزئیات اکٹھی کر لیں تو اس نے دیکھا۔ اسے تائید مل گئی کہ ہاں..... اور ناں کے درمیان آ ٹھہری کہ کیا یہ مبہم خیال حقیقت کا روپ دھار سکتا ہے۔ زوہیب واقعی اس کی کہانی کا کوئی کردار ہو سکتا ہے؟ فوری طور پر وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ تو مزید غور و فکر اور زوہیب کے کردار کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔

اس کے ساتھ ہی اس کی سوچ نے کروٹ لی..... ایسا کیسے ممکن ہو گیا؟ وہ کردار جو اس کے ذہن میں تھا۔ جس کا وجود خیال سے لفظ تک محدود تھا' حقیقت بن کر اس کے سامنے کیسے آ گیا۔ کوئی تعلق' کوئی ربط..... کوئی واسطہ' کیا ایسا تھا؟ مگر اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا..... ان سوالوں کے جواب میں وقت کی خلیج حائل تھی۔ سوچنے اور سمجھنے کیلئے بہت کچھ تھا۔ سو اس نے اپنی کھوج کو وقت پر چھوڑ دیا۔ اس کے پاس ایک خوش کن احساس تھا' جس میں فتح مندی کے جذبات بھی شامل تھے۔ یہ سوچتے ہوئے وہ نیند کی وادی میں کھو گئی۔

☆☆☆

اسی رات زوہیب کو اک انجانی خوشی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا ہوا تھا..... پہلی بار کوئی اس سے ملا تھا جس نے اس کی پسندیدہ ترین لکھاری کے حوالے سے گفتگو کی تھی۔ زوہیب کیلئے مہوش فاطمہ کا حوالہ محض ایک پسندیدہ ترین لکھاری کا ہی نہیں تھا کہ وہ اس کی تحریریں پڑھتا تھا اور متاثر ہو گیا تھا۔ بلکہ اس نام کے ساتھ ایک احترام بھرا حوالہ بھی تھا۔ وہ تو جانتا بھی نہیں تھا کہ مہوش فاطمہ کون ہے..... یہ نام تو اسے تبرک کے طور پر ملا تھا۔ وہ شخص جسے اپنی زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت دیتا تھا' مہوش فاطمہ کا نام اسی نے دیا تھا۔ یہ نام اسے دیتے وقت اس نے کہا تھا کہ وہ اس کی تحریروں کو نہ صرف پڑھے بلکہ انہیں سمجھے بھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ اگر میں اس دنیا میں نہ رہوں اور تمہیں میری ضرورت محسوس ہو تو مہوش فاطمہ کی تحریریں پڑھ لینا' تمہیں میرے ہونے کا جواز مل جائے گا۔ جو رہنمائی تمہیں چاہئے ہو گی وہ مل جائے گی۔ یہ بات اس کیلئے معمولی نہیں تھی۔ بلکہ مہوش فاطمہ' اس شخص کا عکس بن کر اس کے سامنے تحریروں کی صورت میں آ گئی تھی۔ پہلے پہل وہ یہی سمجھتا رہا کہ مہوش فاطمہ کے نام سے وہی لکھتا ہے لیکن وہ شخص اس دنیا میں نہیں رہا تھا۔ مگر تحریریں تواتر سے آ رہی تھیں۔ تب اسے اپنا خیال بدلنا پڑا۔ نجانے کیوں وہ جو چاہتا تھا' جس طرح کی رہنمائی اسے درکار ہوئی تھی۔ مہوش فاطمہ وہی باتیں اس کیلئے لکھ دیا کرتی تھی۔ جیسے اس شخص کی روح اس خاتون لکھاری میں حلول کر گئی ہو..... آج اس نے جب کسی سے اس کے متعلق باتیں کی تھیں' اسے معلوم ہوا کہ اس نے بھی پڑھا ہے' یہ دن اس کیلئے کسی طور پر بھی اہمیت سے کم نہیں تھا۔

وہ ان لمحوں کی لپیٹ میں تھا جب کوئی دوراہے پر آن ٹھہرے۔ وہ ایک ہی وقت میں فائزہ کے بارے میں بھی سوچنا چاہتا تھا کہ اس سے کس طرح اپنا تعلق بڑھائے' زیادہ سے زیادہ اس کے ساتھ وقت گزارے تاکہ وہ مہوش فاطمہ کے بارے میں باتیں کر سکے۔ اس کی تحریروں میں کہی گئی باتوں پر بحث و مباحثہ

کر کے نئے پہلوؤں کی کھوج کر سکے۔ جو باتیں اب بھی اس کیلئے مبہم تھیں' انہیں واضح کرے۔ فائزہ کے ذہن میں اس کی تحریروں کے متعلق کیا تصورات ہیں' وہ کیسے احساس رکھتی ہے' اس کے تاثرات کیا ہیں..... ان سب کے بارے میں جانے۔ یہ ایک جوش بھرا احساس تھا جس نے اسے اپنی لپیٹ میں لیا ہوا تھا اور دوسری جانب.....! اس کا ماضی اسے اپنی طرف بلا رہا تھا۔ وہ شخص اسے بہت یاد آ رہا تھا جس کا وہ بہت زیادہ احترام کیا کرتا تھا۔ وہ ان دنوں کو یاد کر لینا چاہتا تھا' جب وہ آوارگیوں کی انتہا پر تھا۔ ایک ایسا ناراض شخص' جس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ بس اس کے اپنے معیار تھے۔ جن پر وہ کسی کو پرکھتا اور پھر اسے یا تو اپنے منفی خانے میں رکھ کر اس سے نفرت کرنے لگتا یا مثبت خانے میں رکھ کر ہمدردی کرتا چلا جاتا۔ ان دنوں اسے نہ تو زندگی کی سمجھ تھی اور نہ ہی وہ اپنے بارے میں جانتا تھا۔ وہ اپنے اس تلخ دور کو اب بھی چاہتا تھا۔ وہ دور نہ ہوتا تو آج وہ اس قابل نہ ہوتا کہ زندگی سے کچھ کشید کر سکے۔ وہ اک عجیب میٹھی الجھن میں گرفتار تھا.....

وہ ماضی اور مستقبل دراہے پر کھڑا تھا۔

رات لمحہ بہ لمحہ' دھیرے دھیرے دبے پاؤں گزرتی چلی جا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ تک نہیں تھا۔ اس نے لمحہ بھر کو سوچا' اس کے سامنے مستقبل دھندلا سا اور غیر واضح تھا لیکن اس کا ماضی تو گزشتہ رات ہی سے اس کے اردگرد خوشبو کی مانند پھیلا ہوا تھا۔ جو نہ صرف اپنے ہونے کا احساس دلا رہا تھا بلکہ بڑا واضح اور نکھرا ہوا تھا۔

گزری ہوئی رات جب وہ اور علی آوارہ گردی کرتے ہوئے چاچا عاشق کے ہوٹل پر آئے۔ تب سے اس کا ماضی اسے شدت سے یاد آ رہا تھا۔ وہ ہوٹل اس کیلئے محض ایک چائے خانہ نہیں تھا۔ بلکہ وہ جگہ زوہیب کیلئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ یہیں سے اس کی زندگی میں ایسی تبدیلی آئی تھی جس نے اسے سراپا بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ دن اس کیلئے سنہری دنوں سے کسی طور پر بھی کم نہیں تھے۔

ان دنوں وہ چاچا عاشق کے چائے خانے پر باقاعدگی سے جایا کرتا تھا۔ وہاں جانے کا مقصد صرف وقت گزارنا ہوتا تھا۔ دوسرا وہاں پر ایک پیالی چائے کے عوض پورا اخبار پڑھنے کو مل جانا۔ بات یہ نہیں تھی کہ وہ اخبار نہیں خرید سکتا تھا یا تنہائی کا مارا ہوا تھا۔ بلکہ وہ اپنے ماحول سے الگ ہو کر تھوڑا وقت گزارا کرتا تھا۔ یہاں بے ضرر سے لوگوں کے درمیان آ کر اسے بہت اچھا لگتا۔ بہت پہلے اس نے یہ سوچا تھا کہ وہ اس چائے خانے کو ایک نئے ٹھکانے کے طور پر استعمال کرے گا لیکن پھر اس نے یہ ارادہ ترک کر دیا۔ اسے یہ پرسکون سا ماحول بہت اچھا لگا تھا۔ چند دن گزر جانے کے بعد اسے احساس ہو گیا کہ اس کی طرح سہ پہر کے وقت کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو مستقل وہاں آتے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص وہ بھی تھا جو اس کے مانند چائے کی پیالی کے ساتھ اخبار پڑھتا اور چلا جاتا۔ زوہیب نے کبھی اس سے بات نہیں کی تھی اور نہ ہی اس شخص کو بات کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ ڈھیر سارے دن گزر جانے کے باوجود' دونوں میں ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہیں ہوا تھا۔ لیکن ایک موہوم سا تعلق ان کے درمیان پیدا ہو گیا تھا کہ اگر ایک اخبار پڑھ لیتا تو وہ دوسرے کی جانب بڑھا دیتا تھا۔

اس دن بھی وہ قریب دھری کرسیوں پر بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ زوہیب کے سامنے ابھی چند لمحے

قبل گرم گرم چائے رکھی گئی تھی۔ اس نے اسے ویسے ہی پڑھا رہنے دیا اور اپنا پسندیدہ کالم پڑھنے میں مگن تھا۔ تبھی ان لمحوں میں اس چائے خانے کے باہر کرسیوں کے پاس ایک جیپ آ کر رکی۔ ٹائروں کی چرچراہٹ سے لاشعوری طور پر اس کی توجہ بٹ گئی اور وہ اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے دیکھا جیپ کا دروازہ کھلا اور دو بندے برآمد ہوئے جن کا حلیہ اور ہاتھ میں پکڑی ہوئی گنیں یہ بتا رہی تھیں کہ وہ غنڈے ہیں۔ ایک لمحہ کو تو اسے یوں لگا جیسے وہ اس کیلئے یہاں آئے ہیں تاکہ کوئی پرانا حساب برابر کر لیں۔ آنے والے جیپ سے اتر کر کرسیوں پر بیٹھے لوگوں کو دیکھنے لگے لاشعوری طور پر زوہیب کا ہاتھ اپنے ریوالور کی طرف چلا گیا۔ تبھی زوہیب نے دیکھا' ان دونوں کی نگاہیں اس شخص پر آ ٹکیں جس سے اس کا فقط اتنا تعلق تھا کہ اخبار لے لیا اور دے دیا۔ وہ دونوں تیزی سے اس کی طرف بڑھے۔ زوہیب حیران تھا کہ اس جیسے شریف آدمی کی طرف وہ اس انداز سے کیوں بڑھ رہے ہیں۔ وہ دونوں اس کے پاس جا کھڑے ہوئے اور ایک نے انتہائی بدتمیزی سے کہا۔

''اوئے چل اٹھ..... چل ہمارے ساتھ.....''

اس وقت زوہیب کو حیرت کا ایک جھٹکا لگا جب اس شریف آدمی نے ایک نگاہ اٹھا کر انہیں دیکھا اور پھر واپس اپنی نگاہیں اخبار پر جما دیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ تبھی اس نے شریف آدمی کا بازو پکڑ کر ہلایا اور بولا۔

''اوئے چل اٹھ' تجھے سنا نہیں ہے۔''

شریف آدمی نے انتہائی اعتماد کے ساتھ ایک جھٹکے سے اپنا بازو چھڑایا اور بڑے آرام سے پوچھا۔

''کیوں.....؟''

''یہ کیوں اور کیسے کا جواب تمہیں وہیں جا کر ملے گا۔ شرافت اسی میں ہے کہ چپ چاپ ہمارے ساتھ چل ورنہ گھسیٹتے ہوئے لے جائیں گے۔''

''تم لوگ جاؤ..... میں آ جاؤں گا۔ اس طرح دھونس دھمکی سے میں جانے والا نہیں ہوں..... گولی مارنا چاہتے ہو تو مار دو.....''

''میں اس طرح خالی ہاتھ نہیں جانے والا..... سمجھے تم' چلو' سائیں کا حکم ہے۔'' پہلے نے کہا تو دوسرا جھنجھوڑتے ہوئے بولا۔

''یہ تو کیا چلو چلو کی بھیک مانگ رہا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے اس شریف آدمی کا کالر پکڑا اور دھکا دینے والے انداز میں جھٹکا دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تھپڑ مارنے کیلئے ہاتھ اٹھایا تو زوہیب کو نجانے کیا سوجھی' اس نے سامنے دھرا ہوا گرم چائے کا کپ اس شخص کے منہ پر پھینک دیا۔ جیسے ہی اس کی چیخ برآمد ہوئی' تب تک زوہیب کسی چیتے کی طرح چھلانگ مار کر اسے قابو میں کر چکا تھا۔ اس نے ایک ہاتھ اس کی گن پر ڈالا اور دوسرے ہاتھ سے گردن دبوچ لی۔ وہ غنڈہ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھے ڈکار رہا تھا۔ زوہیب نے گن گھما کر اس کے سر پر دے ماری۔ وہ چیختے ہوئے وہیں زمین پر گر گیا۔ دوسرا غنڈہ آنکھیں پھاڑے یہ سب دیکھ رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر یہ سب ہوا کیا؟ اس وقت تک زوہیب اس کی جانب گن سیدھی کر چکا تھا۔ اس نے زمین پر پڑے ہوئے غنڈے کو دیکھ کر کہا۔

''لے جاؤ اسے اور آئندہ کبھی ادھر آنے کی جرات نہ کرنا۔''

وہ غنڈہ تو جیسے ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔ شاید اس نے ایسی غیر متوقع افتاد کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔ شاید اس نے مزاحمت کا بھی نہیں سوچا ہوگا۔ اس لئے وہ حیرت زدہ تھا۔ پھر جیسے ہی اسے صورتحال کا احساس ہوا۔ وہ انتہائی گھبراہٹ کا شکار ہو گیا۔

''میں..... میں..... چلا جاتا ہوں.....''

''لیکن یہ گن پھینکو زمین پر.....'' زوہیب نے کہا۔

غنڈے نے گن زمین پر پھینک دی۔ پھر اگلے چند لمحوں میں وہ دونوں جیپ میں بیٹھ کر جا چکے تھے۔ یہ واقعہ چشم زدن میں ہوا تھا۔ جب تک لوگوں کو ہوش آیا' چاچا عاشق نے اونچی آواز میں چلتا ہوا گانا بند کیا۔ تب تک زوہیب نے غنڈوں سے چھینی ہوئی گنیں اٹھا کر میز پر رکھیں اور کرسی پر آ کر بیٹھ گیا۔ سب حیرت سے اسے دیکھ رہے تھے۔ اس نے اونچی آواز میں کہا۔

''چاچا.....! ایک چائے اور بھیج' پہلی تو ٹھکانے لگی۔''

تب پہلی بار اس شخص نے اسے مخاطب کیا۔

''کون ہیں آپ.....؟ اور میرے لئے آپ نے اتنا بڑا رسک کیوں لیا؟''

زوہیب نے پہلی بار اس شخص کی طرف غور سے دیکھا' انتہائی سادہ سا لباس' سر پر پگڑی' چمکتی ہوئی گہری سیاہ آنکھیں' صحت مند چہرے پر کھچڑی داڑھی' ادھیڑ عمر سا' مضبوط جثّے والا وہ شخص چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ زوہیب کو خود سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جواب کیا دے۔ جب دوسری بار اس شخص نے سوال دہرایا تو زوہیب نے کہا۔

''میں کون ہوں' اس سے آپ کو کیا مطلب..... یہ ایک فضول سوال ہے اور میں نے یہ رسک کیوں لیا۔ اس کا مجھے بھی نہیں معلوم۔ یہ سب..... لاشعوری طور پر ہوا۔'' یہ سنتے ہی اس شخص کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ چند لمحوں تک اس کی جانب گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''میرا اندازہ درست ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ خاموش ہو گیا۔ جیسے اسے زوہیب کی طرف سے کسی بات کی توقع ہو۔ مگر وہ کچھ نہیں بولا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''یہ نہیں پوچھو گے کہ..... میرا اندازہ کیا تھا۔''

''نہیں۔'' اس نے کھردرے لہجے میں کہا اور اخبار میں مگن ہو گیا۔ پھر چند لمحوں بعد وہ دونوں یوں ہو کر بیٹھ گئے جیسے کچھ دیر پہلے وہاں پر کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ زوہیب نے تازہ آنے والی چائے پی۔ اخبار تہہ کیا اور اٹھ کر چلا گیا۔ اس نے غنڈوں سے چھینی ہوئی گنوں کو ہاتھ تک نہیں لگایا بلکہ وہیں میز پر چھوڑ دیں۔

اگلے دن وہ اپنے مخصوص وقت پر چاچا عاشق کے ہوٹل پر آ گیا۔ وہ شخص وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ زوہیب نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ تبھی وہ شخص اٹھ کر اس کے پاس آ گیا۔ ''میں آپ کا شکریہ تو ادا نہیں کروں گا۔ کیونکہ کسی کے احسان کے بدلے میں محض شکریہ جیسا چھوٹا لفظ کہہ دینا محسن کی توہین ہوتا ہے کیا آپ مجھے اپنے پاس بیٹھنے کی اجازت دیں گے۔'' اس ادھیڑ عمر شخص کی آواز اور لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ وہ انکار نہ

کر سکا۔

''تشریف رکھیں۔'' زوہیب نے کہا تو وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔

''وہ گنیں جو آپ کل چھوڑ گئے تھے' میں لے گیا تھا۔ وہ معاملہ میرے متعلق تھا' میں نے سنبھال لیا ہے۔ اس واقعہ کے حوالے سے آپ اپنے ذہن میں کوئی بات نہ رکھیں۔''

کیا آپ مجھے ڈرانا چاہ رہے ہیں۔'' زوہیب نے دھیرے سے کہا۔

''؟'اوہ.....!'' وہ قدرے چونکتے ہوئے بولا۔ پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد گویا ہوا۔'' کیا آپ اس پر یقین رکھتے ہیں کہ زندگی کے بے شمار پہلو ہیں۔''

زوہیب اس غیر متوقع سوال پر چونک گیا اور پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولا۔''ہاں.....! زندگی کے بے شمار پہلو ہیں۔ مگر زندگی اتنی مختصر سی ہے کہ سب کی طرف نہیں دیکھا جا سکتا۔''

''لیکن کوشش تو کرنی چاہئے۔ ہو سکتا ہے زندگی کا دوسرا پہلو خوبصورت' پرسکون اور پیارا دکھائی دے۔ ایک ہی ڈگر پر چلتے رہنا میرے خیال میں انسان کی فطرت نہیں ہے۔''

''میں آپ کی بات نہیں سمجھا.....'' زوہیب نے الجھتے ہوئے کہا تو وہ شخص مسکرا دیا۔ پھر ایک چھوٹی سی کتاب اس کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

''یہ میں آپ کیلئے لایا ہوں۔ ہو سکے تو اسے ضرور پڑھ لیجئے گا۔''

زوہیب نے وہ کتاب پکڑی اور پھر اس شخص کی طرف دیکھ کر بولا۔''جی ضرور پڑھوں گا۔''

''میں آپ کیلئے دعا گو ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ شخص اٹھا اور اپنی میز کی طرف چلا گیا۔ وہ پھر سے ایک دوسرے کیلئے اجنبی بن گئے تھے۔

اس رات جب زوہیب اپنے بستر پر لیٹا تو اسے کتاب کا خیال آیا۔ اس نے وہ کتاب اٹھائی اور دیکھنے لگا۔ بہت ساری جگہوں پر کچی پنسل سے نشان لگے ہوئے تھے۔ جنہیں پڑھنے کے بعد اسے لگا کہ یہ کتاب ابھی پڑھ لینی چاہئے۔ اس نے ایک بار وہ کتاب پڑھ لی۔ تب اسے احساس ہوا کہ اس کتاب کو دوبارہ پڑھنا چاہئے۔ لیکن صبح کی اذان ہو جانے کے باعث وہ پڑھ نہ سکا۔ اگلے دن جب وہ چائے خانے گیا' تب تک وہ یہ کتاب دو بار پڑھ چکا تھا۔ وہ شخص پہلے ہی سے وہاں موجود تھا۔ زوہیب سیدھا اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور بولا۔''میں نے وہ کتاب پڑھ لی ہے۔''

''کتنی بار.....!'' وہ شخص بولا۔

''دو بار.....!'' زوہیب نے اختصار سے کہا۔ تو اس شخص کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''کیا مزید پڑھنا چاہو گے.....!''

''ہاں.....! لیکن میں کچھ باتیں آپ سے پوچھنا ہوں گا..... میرا خیال ہے کہ یہ چائے خانہ ہماری گفتگو کیلئے موزوں نہیں ہے۔'' زوہیب کے یوں کہنے پر اس شخص کی چمکتی ہوئی آنکھوں میں جیسے دیپ روشن ہو

گئے۔خوشی سے اس کے گال ٹمٹما اٹھے۔

''بلاشبہ میرا اندازہ درست تھا۔جس شے میں جتنا وزن ہوگا۔زمین بھی اتنی زیادہ کشش سے کھینچتی ہے۔کشش اور وزن کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ٹھیک ہے چائے پینے کے بعد ہم کسی پرسکون جگہ پر چلتے ہیں۔''
اس شخص نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر اس چھوٹے کی طرف دیکھا جوان دونوں کیلئے چائے لا رہا تھا۔

ان دونوں کیلئے شہر میں پرسکون جگہ ایک پارک تھا' جہاں اس وقت بہت کم لوگ تھے اور وہ دونوں ایک کونے میں بیٹھ چکے تھے۔

''میرا نام زوہیب ہے' دو سال پہلے بی اے کیا تھا۔اب بے روزگاری کے دن کاٹ رہا ہوں۔لیکن بے روزگاری میرا مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی میں اپنے گھر والوں پر کوئی بوجھ ہوں۔میرے گھر والوں کی میرے بارے میں یہ رائے ہے کہ میں اس راہ پر چل نکلا ہوں جو آگے چل کر معاشرے کیلئے ناسور بن جاتے ہیں جبکہ میں ظلم' زیادتی اور نا انصافی برداشت نہیں کر سکتا۔میرا بڑا بھائی مجھ سے ناراض رہتا ہے۔اس کی ناراضگی کے باعث ہی میں اس کے ساتھ نہیں گیا۔اس کا تبادلہ لاہور ہو چکا ہے اور وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ وہیں رہتا ہے۔میں یہاں اپنے آبائی گھر میں اکیلا رہتا ہوں۔''

''تو یہ ہے آپ کا تعارف.....! خیر یہ سب کچھ نئی باتیں نہیں ہیں.....چھوڑیں ان باتوں کو' سنائیں' کتاب کیسی لگی ہے آپ کو؟''

اس سوال کے ساتھ ہی ان دونوں میں گفتگو کا سلسلہ شروع ہو گیا۔زوہیب بالکل بھی نہیں جانتا تھا کہ اس آغاز کا آخیر کیا ہوگا اور کیسا ہوگا؟

تقریباً ایک سال کے دورانیے میں وہ لاشعوری طور پر تبدیل ہوتا چلا گیا۔وہ جو کبھی طالب علموں کے حلقے میں زوبی بھائی کے نام سے مشہور تھا' اس ماحول سے دھیرے دھیرے وہ نکلتا چلا گیا۔اسے زوہیب کہلوانا اچھا لگنے لگا.....اس کا زیادہ وقت اپنے گھر کی چار دیواری کے اندر گزرنے لگا۔اسلحہ کی معلومات اور شہر کی خبروں کی بجائے وہ زندگی کے فلسفے پر بات کرنے لگا.....ظلم' زیادتی اور نا انصافی کیلئے جو ایک منفی ردعمل اس کے دماغ کو آناً فاناً گرم کر دیتا تھا' دھیرے دھیرے معاشرتی رویوں کو سمجھنے کیلئے ٹھنڈا ہوتا گیا۔اس کے اندر کا جذباتی پن' ایک سنجیدہ سوچ میں تبدیل ہو گیا۔وہ شخص جو اسے چاچا عشق کے ہوٹل پر ملا تھا۔اس نے زوہیب کی شخصیت تک کو بدل ڈالا تھا۔اس نے زوہیب کا دل جیتا تھا۔زوہیب کو احساس ہو گیا کہ اس شخص کے پاس لفظوں کی طاقت ہے۔وہ سادہ اور معمولی سا بے ضرر دکھائی دینے والا شخص' انسانی رویوں نباض ثابت ہوا تھا۔وہ شخص اپنے حلقے میں بابا جی کے نام سے مشہور تھا۔بظاہر پراسرار دکھائی دینے والا وہ شخص انتہائی بے ضرر اور انسان دوست تھا۔اس کی محبت کتابوں سے تھی۔جو زوہیب میں منتقل ہو گئی تب اسے بھی سمجھ آنے لگی کہ لفظوں کی طاقت کہاں سے آتی ہے۔

بابا جی بھی ایک مزاحمت کار تھا.....وہ انسانی رویوں' معاشرتی نا انصافیوں اور ظلم کے خلاف مزاحمت کرتا تھا لیکن اس کی سوچ اور طریقہ کار منفی نہیں بلکہ مثبت تھا۔زوہیب اس سے بحث کیا کرتا تھا کہ یہ بہت لمبا

پراسس ہے۔ مگر بابا جی ہنس کر کہا کرتے تھے کہ چراغوں کو ٹوٹنا نہیں چاہئے کیونکہ پھر روشنی کی امید ہی باقی نہیں رہتی۔ تیز طوفان میں چراغوں کو جلانا بہت زیادہ صبر اور ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ہمیں چراغوں کو نہ صرف بچانا ہے بلکہ انہیں روشن بھی کرنا ہے۔ اس لئے صبر' استقامت اور ہمت کی ہمیں ضرورت ہے۔ اس کیلئے جتنا مرضی وقت لگ جائے۔ یوں زوہیب کے اندر بھی مثبت سوچ نے جنم لے لیا۔

پھر.....! وہ وقت بھی آ گیا جب اسے اپنا آبائی شہر چھوڑ کر اپنے بھائی کے پاس جانا پڑا۔ وہاں جا کر اس نے اک نئی زندگی کی شروعات کیں۔ اس کا رابطہ مسلسل بابا جی سے رہا۔ جہاں کہیں بھی وہ انتشار کا شکار ہوتا' بابا جی سے رابطہ کر لیتا۔ یوں دن گزرتے چلے گئے۔ جس دن اس نے دوبئی جانے کے بارے میں بابا جی کو بتایا تب بابا جی نے کہا۔

''زوہیب.....! ممکن ہے اب ہماری ملاقات نہ ہو پائے..... میرے بعد اگر تمہیں رہنمائی کی ضرورت ہو تو میں تمہیں ایک خاتون لکھاری کا نام بتاتا ہوں۔ تم اس کی تحریریں پڑھ لیا کرو..... تمہیں جس طرح کی رہنمائی کی ضرورت ہو گی وہ تمہیں مل جایا کرے گی۔''

یوں اس دن وہ مہوش فاطمہ سے متعارف ہوا تھا اور پھر بڑے احترام کے ساتھ اس نے تحریریں پڑھنا شروع کر دیں۔

فجر کی اذان کے ساتھ زوہیب چونک گیا۔ پوری رات وہ اپنے ماضی کے دشت میں سرگرداں رہا تھا۔ مگر کئی پہلو اب بھی تشنہ رہے تھے۔ کئی باب وہ پڑھ ہی نہیں سکا تھا اور کہیں کہیں سے اس نے خود صرف نظر کیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے وہ رسالہ اٹھا کر سرہانے کے نیچے رکھا جس میں مہوش فاطمہ کی تازہ کہانی تھی اور نماز کیلئے اٹھ گیا۔

☆☆☆

کسی بھی کہانی کار کیلئے یہ خیال خوش کن ہی نہیں بلکہ حیرت سے ششدر کر دینے والا بھی ہوتا ہے کہ اس کی لکھی ہوئی کہانی کا کوئی کردار اس کے سامنے آ جائے۔ فائزہ کو یہ خیال اچانک آیا تھا اور پھر وہ اس پر جس قدر سوچتی چلی جا رہی تھی' اس کے اندر کا تجسس مزید بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ جب سے وہ کہانیاں لکھ رہی تھی' تب سے ہی اسے گمان تک نہیں ہوا تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔ وہ اس سوال پر حیران سی ٹھٹک جاتی' کیا زوہیب اس کی کہانی کا کوئی کردار ہو سکتا ہے؟ اس پر فائزہ نے بہت سوچا اور بہت گہرائی میں جا کر غور کیا۔ اسے اپنے سوال کا جواب یہی ملتا رہا کہ زوہیب اس کی کہانی کردار تو نہیں ہو سکتا' ہاں البتہ وہ اس کی کہانیوں سے اس قدر اثر قبول کر چکا ہے کہ وہ اس کی کہانیوں جیسا ایک کردار بن کے رہ گیا ہے۔ سوچوں کی الجھن میں ہی ایک نکتہ تھا جس کے سرے پر آ کر وہ مزید الجھ جاتی۔ اسے یہ سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ وہ زوہیب کو کیا سمجھے؟

کہانیوں کی دنیا سے ہٹ کر ایک مسئلہ اور بھی تھا۔ وہ حقیقت بھرے جہاں میں رہتی تھی' جہاں لڑکی کے ہر رویے کو بہت گہری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اسے یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ زوہیب کے ساتھ کیسا برتاؤ کرے۔ اس سے کیسا تعلق رکھے؟ اور اسے کیا سمجھے؟ انہی الجھنوں نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ایک سوچ کا

سرا پکڑ کر چلتی تو کئی مزید گرہیں اس کی منتظر ہوتی تھیں۔ سو اس نے زوہیب کے بارے میں سوچنا ہی چھوڑ دینا چاہا۔ مگر.....! وہ ایسا کر نہیں سکی۔ زوہیب اس کیلئے ایسی مجسم مثال تھا جو بلاشبہ نایاب ہوا کرتی ہے۔ جس کی کہیں اور مثال نہیں تھی اور پھر ایسا ہر کسی کے ساتھ ہوتا بھی نہیں ہے۔ لیکن فائزہ کیلئے مصیبت یہ تھی کہ وہ سوچ کے جس راستے پر بھی چلتی وہ ایک بند گلی میں جا کر ختم ہو جاتا۔ وہ اسے نت نئے انداز سے سوچنے لگی تو ایک دن ٹھٹک گئی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ تو زوہیب کو اپنے طور پر ایک کردار کی مانند گھڑنے لگی تھی۔ وہ ایسا بھی ہو سکتا ہے' وہ ویسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اسے یہ ٹھیک نہیں لگا۔ وہ یہ بات سمجھتی تھی کہ وہ جب بھی زوہیب کے بارے میں سوچے گی' اس کا لاشعور اسے ایک نئے کردار کی تخلیق میں بہت مدد دے گا۔ تب اس کے بارے میں صحیح تصویر تو اسے نہیں ملے گی۔ زوہیب کیسا ہے' یہ جاننے کیلئے س کا مشاہدہ ضروری ہے۔ پہلے اس کا تجزیہ تو کر لینا چاہئے' اسے پرت در پرت کھول کر دیکھ تو لینا چاہئے۔ اس نے جو اپنے خیالات کہانیوں میں پیش کئے ہیں' ان کے اثرات کا جائزہ تو لینا چاہئے کہ وہ کہاں تک اثر رکھتے ہیں۔ اسے انتہائی صبر و تحمل سے زوہیب کو جانچنا چاہئے۔ تبھی ایک واضح اور نکھری ہوئی تصویر اس کے ہاتھ لگ سکے گی۔ یوں پھر وہ کوئی رائے بنا پائے گی۔ فائزہ نے زوہیب کے بارے میں ساری سوچوں کو یوں جھٹک کر رکھ دیا جیسے کسی سلیٹ پر سے لکھی ہوئی تحریر مٹا دی جائے۔ زوہیب کی شخصیت اس کیلئے ایسی اہمیت رکھتی تھی جس پر وہ کوئی تجربہ کر سکے۔ لیکن پہلے مشاہدہ اور تجزیہ کر لینا ضروری تھا کہ وہ کسی تجربے کیلئے موزوں بھی ہے یا نہیں؟

اس دن وہ اپنے ڈیپارٹمنٹ میں تھی۔ وہ اپنے کمرے میں ٹیبل پر بہت سی کتابیں رکھے نوٹس لینے میں مصروف تھی۔ ایسے میں نادیہ نے اس کے قریب آ کر دھیرے سے کہا۔

''اسلام علیکم.....!''

''وعلیکم اسلام۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے نادیہ کے مسکراتے ہوئے چہرے پر دیکھا۔ تو اس کے عقب میں اسے زوہیب دکھائی دیا۔ تب اس نے واضح طور پر محسوس کیا کہ اس کے اندر حسرت بھرا احساس اتر آیا ہے۔

''آؤ بیٹھو۔'' اس نے نادیہ سے کہا پھر زوہیب سے مخاطب ہو کر بولی۔ ''آئیں پلیز.....! آپ بھی تشریف رکھیں۔''

''لگتا ہے آپ بہت مصروف ہیں۔'' زوہیب نے اطمینان سے بیٹھتے ہوئے کہا۔ تب تک نادیہ بھی بیٹھ چکی تھی۔ فائزہ نے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے قلم کی طرف دیکھا اور پھر اسے ہولڈر میں لگاتے ہوئے بولی۔

''ہاں.....! مصروف تو ہوں.....مگر یہ مصروفیت تو بہرحال چلتی رہتی ہے۔''

''ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے۔ بس یہ نادیہ کی فائل مجھے جمع کروانی ہے۔'' اس نے کہا تو نادیہ نے اپنی فائل اس کے سامنے رکھ دی۔ تب فائزہ نے اس فائل کو بغور دیکھا اور ایک طرف رکھ دی پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

''جمع ہو گئی.....!'' اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

''تو پھر ہم چلتے ہیں۔'' زوہیب نے تقریباً اٹھتے ہوئے کہا۔

''ایسے نہیں' پلیز آپ ابھی بیٹھیں۔ میرے لیکچر کا وقت ہو رہا ہے۔ اس کے بعد ہی آپ جا سکیں گے۔'' فائزہ نے کلائی پر بندھی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا تو زوہیب خاموش رہا۔ جیسے کچھ کہنا چاہ رہا ہو مگر کہہ نہ پایا ہو۔ فائزہ اٹھ گئی اور جاتے ہوئے جہاں اس نے اپنے نوٹس سنبھالے۔ وہاں اس نے نادیہ کی فائل بھی اٹھالی۔

کلاس روم کی طرف جاتے ہوئے اس نے پیؤن کو فائل تھماتے ہوئے ہدایت دی۔'' یہ فائل جمع کروا کے رسید مجھے دے دینا اور میرے کمرے میں جو مہمان بیٹھے ہوئے ہیں انہیں اچھی سی چائے پلانا ہے تمہیں۔''

پیؤن اس کی بات سمجھ کر سر ہلانے لگا۔ فائزہ اپنی کلاس کی جانب چلی گئی۔

فائزہ جب واپس آئی تو اس نے زوہیب کو ایک کتاب میں کھوئے ہوئے پایا جبکہ نادیہ وہاں پر نہیں تھی۔ چائے کے خالی برتن پڑے ہوئے تھے۔

''یہ نادیہ کہاں گئی؟'' اس نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

''یہاں بیٹھے بیٹھے بور ہو گئی تو کہنے لگی ذرا گھوم پھر آؤں۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ وہ اس وقت سیر کر رہی ہے۔'' فائزہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ زوہیب کچھ کہتا۔ پیؤن برتن اٹھانے آ گیا۔ جب تک وہ برتن اٹھاتا رہا۔ دونوں میں خاموشی رہی۔ وہ چلا گیا تو فائزہ بولی۔''زوہیب صاحب.....! میں نے آپ کو اس لئے روکا ہے کہ آپ سے مہوش فاطمہ کی کسی نئی کہانی کے بارے میں پوچھ سکوں۔''

''ہاں۔ نئی کہانی.....!'' یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کتاب واپس میز پر رکھ دی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک اتر آئی تھی۔ اس کے چہرے پر جو بوریت کے ہلکے سے آثار تھے اچانک ختم ہو گئے اور وہاں پر بشاشت اتر آئی تھی۔ جیسے کسی بچے کو اس کا پسندیدہ کھلونا مل گیا ہو.....''ہاں.....! نئی کہانی پڑھی ہے میں نے۔ بلکہ تازہ پرچہ تو گاڑی میں بھی پڑا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے سوچنے والے انداز میں کہا۔''ویسے آپ بھی خاصی متاثر لگتی ہے اس سے۔''

''ہاں.....! اس کا اعتراف ہے مجھے۔ خیر.....! اس دن کے بعد تو آپ سے ملاقات ہی نہیں رہی.....'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو زوہیب کے ہونٹوں پر دھیرے سے خوشی اتر آئی.....جس میں قدرے حیرت گھلی ہوئی تھی۔ تبھی اس نے حیرت ملی خوشگواریت سے کہا۔

''اگر مجھے یہ احساس ہوتا نا کہ آپ پھر سے ملاقات کی متمنی ہیں.....تو.....تو یقین جانیں..... میں.....خیر.....! میں خود آپ سے ملنا چاہ رہا تھا بلکہ آپ سے تو بہت ساری باتیں کی جا سکتی ہیں۔''

''ہاں میں بھی آپ سے بہت ساری باتیں کرنا چاہتی تھی، مہوش فاطمہ کی کہانیوں کے حوالے سے۔ اگر آپ نے تازہ کہانی پڑھی ہو؟'' یہ کہتے ہوئے اس نے دراز سے ڈائجسٹ کا تازہ پرچہ نکال کر میز پر رکھ دیا۔

''اس کہانی میں مہوش فاطمہ نے ایک نئی تھیوری دی ہے' کیا آپ نے محسوس کیا؟'' زوہیب اس کہانی پر بات کرنے کیلئے واقعتاً بے چین تھا۔ فائزہ دھیرے سے مسکرا دی اور بولی۔

''کون سی؟''

''اس بار کہانی میں اس نے یقین پر بات کی ہے۔ مطلب اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے سارے اعمال کی بنیاد میں یقین کارفرما ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ محبت میں بھی۔ یقین کے بغیر محبت ایک بے معنی جذبہ ہے۔''

''ہاں.....! اس کی یہ بات سمجھ میں آتی ہے.....لیکن میں اسی بات پر آپ کی ذاتی رائے چاہوں گی۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں؟''

''ہاں.....! میں اس سے پوری طرح متفق ہوں..... کیونکہ یقین کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہے نا..... اپنے ہونے کا یقین ہی کسی دوسرے کی طرف دیکھنے' اسے سمجھنے اور پرکھنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ جیسے مہوش نے اپنی ایک پرانی کہانی میں کہا تھا کہ محبت تو ایک ایسی توانائی کا منبع ہے جس کے اثرات ہی سے محبت بھرے وجود میں ایسی صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ جس سے وہ دوسروں کو پہچان سکے۔ محبت روشنی ہے' جس میں رشتے ناطے اور تعلق واضح ہو جاتے ہیں اور انسان انہی سے اپنا تعلق جوڑتا ہے۔ یہ سب اسی وقت ممکن ہوتا ہے کہ جب ہمیں یقین ہو جائے۔ خود پر' دوسروں پر' اپنے تعلق پر.....''

''پھر یہ تو اس نے کوئی نئی بات نہیں کی..... اپنی پرانی بات کا نیا پہلو بیان کیا ہے.....'' فائزہ نے دھیرے سے کہا۔

''دیکھیں یوں تو کوئی بات بھی نئی بات نہیں ہے.....لیکن کسی ایک نکتے کا اگر کوئی نیا پہلو سامنے آ جائے تو وہ نئی بات ہی شمار ہوگی اور پھر نت نئے انکشافات ہونا ہی اصل میں زندگی ہے۔'' زوہیب نے اسے سمجھاتے ہوئے۔

''مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ جیسے آپ اس کی وکالت پر اترے ہوئے ہیں۔'' فائزہ کے یوں کہنے پر زوہیب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور پھر دھیرے سے بولا۔

''نہیں.....! میں وکالت نہیں کر رہا ہوں.....آپ کو اپنی رائے بتائی ہے۔''

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو مہوش سے کہیں اختلاف بھی ہے۔''

''بہت ساری باتوں پر اختلاف ہے۔ لیکن ممکن ہے وہ میرے لئے نہ ہوں..... وہ باتیں کسی دوسرے کیلئے بھی ہوسکتی ہیں۔ دراصل ہم انسان زندگی کو اپنے حالات اور مرضی کے تناظر میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ایسا ہوتا نہیں ہے۔ ہر انسان اپنے حالات میں رہتے ہوئے' اپنی مرضی سے زندگی گزار رہا ہوتا ہے۔ تب اس کا مشاہدہ بھی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔ یوں اختلافات کا پیدا ہو جانا فطری امر ہے۔ اختلافات کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دوسروں کو جھٹلا دیں۔ اس کے خیالات یا نظریات کو باطل قرار دے دیں۔''

''اور مہوش کے نزدیک یہی رویہ منفی رجحان کا باعث بنتا ہے۔''

''بالکل.....! آپ اگر کسی کے خیال کو پسند نہیں کرتے' کوئی بات آپ کو اچھی نہیں لگتی۔ تب آپ اسے چھوڑ دیں یا پھر.....! آپ دوسرے کو جھٹلائے بغیر اپنا موقف' اپنا پیغام یا اپنا نکتہ نظر اتنی قوت سے بیان

کریں کہ وہ تسلیم ہو..... سچ کو نہ دبایا جا سکتا ہے اور نہ جھٹلایا جا سکتا ہے..... اگر آپ کو یقین ہے کہ آپ سچ کہہ رہے ہیں تو آپ کو یہ بھی یقین ہونا چاہئے کہ اسے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔''

''اب یہ الگ بات ہے کہ سچ کیا ہے' خیر.....! اس پر تو بعد میں بحث کی جا سکتی ہے۔''

''بالکل یہ ایک الگ سا موضوع ہے۔ آپ کا نکتہ نظر یقین کے بارے میں کیا ہے۔''

''یقین اس بات کا نام نہیں ہے کہ آپ کے پاس حقائق ہوں' سچ ہو یا حقیقت ہے..... اور آپ اسے کہنا چاہتے ہیں..... یہ تو اظہار ہوا نا..... میری رائے میں یقین کا وہ پہلو جو مہوش بیان کرنا چاہتی ہے وہ یہ ہے کہ یقین.....! انسانی وجود پر اپنے اثرات کیا ڈالتا ہے..... یقین کہاں جا کر اثر انداز ہوتا ہے۔ ایسا کیا عمل کرتا ہے کہ انسان اظہار پر مجبور ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں مہوش کا یہ پیغام ہے کہ پہلے یقین کو سمجھا جائے کہ آخر وہ ہے کیا چیز.....''

''ہاں.....! یہی تو مہوش کی خوبی ہے کہ وہ انہی اشاروں کنایوں سے قاری میں ایک سوچ پیدا کرتی ہے۔ تاکہ وہ خود تحقیق کی جانب بڑھے۔ اب یہی بات کہ جب وہ لفظ ''یقین'' سے متعارف ہو گا تو اس کے بارے میں جاننے کی سعی کرے گا۔''

''مگر آگے جا کر وہ اپنی بات کی نفی نہیں کر دیتی کہ مختلف انسانوں کے درمیان یہی یقین ہی الجھنیں ڈالتا ہے.....''

''ہاں.....! میں پھر وہی بات کہوں گا کہ بات ہے یقین کو سمجھنے کی۔ اصل میں یہ اختیار ہمارا ہے کہ ہم اپنے اندر کس طرح کے یقین کو جگہ دے رہے ہیں۔ منفی یا مثبت.....؟ ظاہر ہے جب ہمارے اندر ایک منفی یقین اترے گا تو اس کا اظہار مثبت کیسے ہو سکتا ہے.....''

''اب ضرورت اس بات کی ہے زوہیب صاحب..... کہ ہمارے پاس وہ کون سا معیار ہو گا جو یہ پرکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے کہ یہ منفی یقین ہے یا مثبت۔''

''یہ کسوٹی تو قدرت نے انسان کے اندر رکھ دی ہوئی ہے۔ وہ نہ پہچانے' نہ سمجھ سکے تو الگ بات ہے۔ رہی نیکی اور بدی کی بات کہ آپ اطمینان کس سے محسوس کرتے ہیں۔'' زوہیب نے دھیرے سے کہا تو فائزہ کے اندر ایک روحانی خوشی اتر آئی..... اس نے جو سوچا تھا اگرچہ زوہیب اسے پوری طرح سمجھ نہیں سکا تھا یا اس کا اظہار نہیں کر پایا تھا۔ مگر اس کی سوچ زوہیب کے اندر اتر گئی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' نادیہ ایک لڑکی کے ساتھ اندر آ گئی..... اس نے ایک لمحہ کو ماحول کا احساس کیا اور پھر ہنستے ہوئے بولی:

''مجھے احساس تھا کہ یہاں موٹی موٹی اور خشک باتیں ہو رہی ہوں گی۔''

''تمہیں کیسے احساس ہو گیا کہ یہاں موٹی اور خشک باتیں ہی چل رہی ہوں گی۔''

''یہ میز پر پڑا ہوا ڈائجسٹ' مہوش فاطمہ کی کہانی اور ظاہر ہے آپ کی اور چاچو کی دلچسپی۔''

''کیا تمہیں ایسی باتیں اچھی نہیں لگتیں۔'' فائزہ نے سنجیدگی سے پوچھا

''نہیں اچھی لگتی ہیں۔ لیکن وہ جو میری سمجھ میں آ جائیں۔ ورنہ بعض اوقات چاچو ایسی باتیں کر جاتے

ہیں کہ کم از کم میری سمجھ میں نہیں آتیں اور ہاں.....! یہ بہت اچھا ہوا ہے کہ ان سے بات کرنے کیلئے' بحث مباحثہ کیلئے آپ جیسی شخصیت میسر آ گئی ہے.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے زوہیب کی طرف دیکھا اور پوچھا ''کیوں چاچو.....! میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا.....''

''ہاں.....! سچی بات تو یہ ہے کہ میں ترس گیا تھا ایسی باتوں کیلئے۔ حالانکہ ہم سب کو ایسی باتیں کرنی چاہئیں۔ یہ سب زندگی کی باتیں ہیں۔ ہمارے اپنے بارے میں' خود کو سمجھنے کی باتیں ہیں۔''

''اچھا یہ آپ کے ساتھ کون ہیں۔'' فائزہ نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

''یہ میری کالج فیلو ہیں۔ رابعہ.....! یہ مجھے یہیں مل گئیں۔ اس نے بھی یہیں داخلہ لینا ہے۔''

''اچھا.....!'' فائزہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو نادیہ جلدی سے بولی۔

''آپ باتیں کریں..... میں اور رابعہ ابھی آتی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ دونوں واپس مڑ گئیں۔ سو ان دونوں کے درمیان چند لمحوں کی خاموشی چھا گئی۔ پھر یہ خاموشی فائزہ نے ہی توڑی۔

''زوہیب صاحب۔! یہ کیسے ممکن ہوا کہ آپ نے مہوش فاطمہ کو پڑھا اور آپ کے کردار میں تبدیلی آ گئی؟''

''اصل میں ہر بندے کی شخصیت میں خلا ضرور موجود ہوتے ہیں۔ جنہیں وہ شعوری اور لاشعوری طور پر دور کرنے کی کوشش ساری زندگی کرتا رہتا ہے۔ ہمیں غصہ کیوں آتا ہے؟ انا کے بکھیڑوں میں کیوں پڑے رہتے ہیں؟ ہم منفی رویے کا اظہار کیوں کر جاتے ہیں؟ ہمیں اس کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ کیونکہ ہم اسے سمجھنا ہی نہیں چاہ رہے ہوتے۔ پھر جب کوئی ہمیں احساس دلاتا ہے اور ہمارے اندر بھی اسے سمجھنے کی ضرورت بلکہ خواہش موجود ہوتی ہے' تب کردار پر اثرات مرتب ہونا فطری سی بات ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اصل بات خود میں تبدیلی کی ضرورت محسوس کرنا ہے۔ ان خلاؤں کو سمجھنے کی ضرورت ہے جو ہمارے اندر موجود ہیں۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا ہے۔ مہوش کی باتوں سے میں نے خود کو ٹٹولا۔ ان خلاؤں کو محسوس کیا اور پھر میں اپنے آپ بدلتا گیا۔''

''آپ نے جب احساس کیا کہ تبدیلی کی ضرورت ہے تو آپ خود کو کہاں اور کیسا محسوس کرتے تھے؟'' فائزہ نے بڑے ہی نرم انداز میں سوال کر دیا تو زوہیب چند لمحے خاموش رہا جیسے ماضی کو یاد کرنا اسے خاصا مشکل لگ رہا ہو۔ چند لمحے اسی خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر وہ بولا۔

''بنیادی طور پر میرے اندر اچھے جذبے تھے۔ بہت ہی پیارے جذبے۔ مگر میں ان سے ناواقف تھا۔ میں انصاف پسند تھا..... مجھے ظلم کرنا اچھا نہیں لگتا تھا۔ دوسروں کی مجبوریوں کا احساس تھا مجھے۔ مطلب میرے اندر ایک اچھا انسان موجود تھا..... بہت بچپن سے وہ بنیادی سبق جو ہمارا ماحول ہمیں دیتا ہے۔ میری ذات کا حصہ بن گئے تھے۔ لیکن.....! وقت گزرنے کے سات ساتھ ان اچھے جذبوں پر ماحول کی دھول پڑتی چلی گئی۔ میرے معاشرے میں ایسا کوئی نظام موجود نہیں ہے جو میرا ٹریک سیدھا رکھتا' اگرچہ میں ظلم اور نا انصافی کے خلاف لڑ رہا تھا لیکن میرا طریقہ غلط تھا۔ میرے سامنے جنگل کا قانون تھا..... یہاں طاقتور کی حکومت ہے۔

سو میں بھی اسی راستے پر چل نکلا۔ دھیرے دھیرے میں بھی اس جنگل میں طاقت کی حکومت کا قائل ہوتا جا رہا تھا..... میرے اندر اچھائی تھی..... اور یہ فطری طور پر ہر انسان کے اندر موجود ہے..... ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ مناسب اور بہترین طریقے سے اسے احساس دلایا جائے۔''

''مطلب.....! جسے آپ مناسب اور بہترین طریقہ کہہ رہے ہیں۔ اسی کی ضرورت ہے۔''

''بالکل.....! دیکھیں جہاں انسان کے اندر اچھائی ہے' وہاں ردعمل کی صلاحیت بھی موجود ہے۔ اگر آپ اسے طاقت سے سمجھانے کی کوشش کریں گے تو پھر فرق کوئی نہ رہا۔ ردعمل ہونا فطری بات ہے..... مناسب اور بہترین طریقہ یہی ہے کہ انسان کے اندر موجود اچھے انسان کو متوجہ کیا جائے..... اگر آپ نے اس کو متاثر کر لیا تو گویا آپ نے پورے انسان کو بدل دیا۔ یہی کردار سازی ہے..... جبکہ ہمارا ماحول کردار سازی کو معمولی شے سمجھتا ہے.....''

''تو یوں مہوش نے آپ کے اندر موجود اچھے انسان کو متاثر کیا.....''

''بے شک.....! لیکن اس سے بھی پہلے خود میرے اندر تبدیلی کی خواہش موجود تھی..... میں اسے ایک مثال سے واضح کرتا ہوں.....'' یہ کہہ کر زوہیب ایک لمحہ کو خاموش ہوا اور پھر کہتا ہی چلا گیا۔ ''ایک شخص کو سکون حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ اس کی ضرورت فقط سکون حاصل کرنا ہے۔ وہ ہمارے معاشرے میں موجود ان وسائل کی طرف نگاہ دوڑائے گا جہاں سے اسے سکون مل سکتا ہے..... اب یہ الگ سی بحث ہے کہ وہ کن وسائل کی طرف رجوع کرتا ہے..... لیکن سکون حاصل کرنے کی ضرورت کو وہ پورا کرنے کی کوشش کرے گا..... اب اگر اس کے اندر سکون حاصل کرنے کی خواہش ہی نہیں ہے تو.....! یہ سارے وسائل اس کیلئے بے کار ہیں.....''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ حقیقت یہی کہ انسان کے اندر موجود اچھے انسان کیلئے نہ صرف خواہش چاہئے بلکہ اسے خواہش کے حصول کیلئے صحیح سمت کا تعین دینا بھی ضروری ہے.....''

''بالکل.....! اور یہی بات مہوش نے اپنی اس تازہ کہانی میں کہنے کی کوشش کی ہے.....'' زوہیب نے کہا تو فائزہ دھیرے سے مسکرا دی..... اسی ایک لمحے کے بعد وہ خود میں بہت زیادہ اعتماد محسوس کرنے لگی تھی۔ وہ خیالوں میں کھو گئی.....

''میڈیم.....! آپ کا پیریڈ ہے.....!'' ایک لڑکے نے آکر بتایا تو وہ چونک گئی.....

''اوہ.....! اتنا وقت گزر گیا.....'' فائزہ نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''زوہیب صاحب.....! آپ سے بات کر کے مجھے بہت خوشی محسوس ہوئی.....! بہت سارے نئے سوال پیدا ہوئے ہیں..... انشاء اللہ اگلی ملاقات پر ہم ان پر ضرور بات کریں گے۔ میں کلاس لے لوں.....''

''ابھی ہم چلتے ہیں.....'' زوہیب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ''میں اگلی ملاقات کا متمنی رہوں گا۔'' اس نے انتہائی تکلف سے کہا تو فائزہ مسکرا دی۔

''کیوں نہیں.....! ہم ایسا کرتے ہیں کہ کل آف ہے۔ ہم مل بیٹھتے ہیں۔ کہیں بھی' کسی ایسی جگہ' جہاں تکلفات نہ ہوں۔ مداخلت نہ ہو.....'' یہ کہتے ہوئے وہ قدرے خاموش ہوئی اور پھر بولی۔ ''کیا آپ کے

لان میں ٹھیک رہے گا۔''

''بالکل.....! یہ خیال اچھا ہے' میں آپ کا انتظار کروں گا.....'' یہ کہتے ہوئے وہ بے چین سا ہو گیا۔ پھر چند لمحے سوچنے کے بعد بولا.....''اچھا.....! میں اب چلتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے قدم بڑھا دیئے۔ فائزہ بھی چل دی۔ کاریڈور میں وہ دونوں خاموش ساتھ ساتھ چلتے گئے۔ کلاس روم کی طرف جاتے ہوئے فائزہ نے اللہ حافظ کہا۔

اس مختصر سی ملاقات کو ان دونوں نے ہی بہت اہم محسوس کیا تھا۔

☆☆☆

رات کا دوسرا پہر ابھی شروع نہیں ہوا تھا۔ زوہیب اور علی اصغر دو رویہ کوٹھیوں کے درمیان سڑک پر چلتے چلے جا رہے تھے۔ بہار کے ان دنوں میں لان مہکے ہوئے تھے۔ پتہ نہیں کس گھر میں لگی ہوئی رات کی رانی نے پورا ماحول مہکایا ہوا تھا۔ سٹریٹ لائٹ اور دو رویہ کوٹھیوں سے آتی ہوئی روشنی میں کبھی ان کا ہیولا پوری طرح واضح ہو جاتا اور کبھی وہ اندھیرے میں ڈوب جاتے۔ کبھی وہ علاقہ یونہی بے آباد سا تھا لیکن اب پوری طرح آباد ہو گیا تھا۔ یہیں سے نکل کر تھوڑا پیدل چلتے رہنے کے بعد چاچا عاشق کا ہوٹل تھا۔ ان دونوں کا رخ اسی طرف تھا۔ جب وہ دونوں ملے تھے تو ان کے درمیان ماحول زیر بحث تھا لیکن نجانے کب وہ پرانی یادوں کو دہرانے لگے۔ پھر ان کے درمیان پرانی یادوں کا ہی موضوع رہ گیا۔ وہ کچھ دیر بات کرتے اور پھر اپنی ہی باتوں کی بازگشت میں کھو جاتے۔ شاید پرانی یادوں میں اتنا چارم ہوتا ہے کہ بندہ انہیں یاد کرتے ہوئے کبھی نہیں تھکتا۔ دونوں دھیرے دھیرے چلتے چلے جا رہے تھے۔ تبھی علی نے کہا۔

''یار زوہیب.....! جب سے تم ملے ہو۔ میری زندگی میں بھی تھوڑی بہت تبدیلی آ گئی ہے۔ پہلے میں ایک سپاٹ زندگی گزار رہا تھا جیسے کولہو کا بیل۔ میرا مطلب ہے ایک لگی بندھی زندگی..... دو اور دو چار کا حساب اور بس.....مگر جب سے تم آئے ہو۔ تم میں تبدیلی دیکھی ہے۔ تمہاری باتیں سنی ہیں تو مجھے احساس ہوا ہے کہ زندگی وہی نہیں ہے جو میں گزار رہا ہوں.....''

کیا، کیا محسوس کرتے ہو تم.....'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے قدرے حیرت اور تیزی سے پوچھا۔

''یہی کہ میری زندگی میں کہیں خلا ہے۔ کچھ ایسا ہے جو میں نے نہیں کیا..... اور وہ مجھے سب کرنا چاہئے تھا۔ وہ کیا ہے' مجھے کیا کرنا چاہئے تھا۔ یہ یہ..... مجھے نہیں معلوم.....کمی ہے کہیں۔ کہاں پر کیا کمی ہے' میں نہیں جانتا۔'' وہ الجھتے ہوئے تذبذب کے سے انداز میں کہتا چلا گیا۔

''علی.....! یہی تبدیلی کی ابتداء ہے..... جب انسان ایسا محسوس کرنے لگے تو سمجھ کہیں اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا عمل شروع ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی نئی عمارت کیلئے پرانی عمارت کو توڑنا پڑتا ہے۔ تمہارے ساتھ کچھ نیا نہیں ہو رہا ہے۔ کہیں کمی کا' یا تشنگی کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر انسان اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ یہ عمل کیا ہے' نفسیات دان یا پھر علم بشریات کے ماہرین اسے کیا تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن اتنا جانتا ہوں کہ ساری زندگی انسان اپنی زندگی میں کسی بھی لمحے کوئی نہ کوئی تبدیلی محسوس کر سکتا ہے۔ یہ اس کی

فطرت ہے۔''

''ہاں.....! اور شاید ایسا اس وقت ہوتا ہے کہ جب اس کے اندر سے تبدیلی کا احساس پیدا ہو جائے.....! جسے تم ٹوٹ پھوٹ کہہ رہے ہو۔ یہی نا.....!''

''ہاں.....! میرے خیال میں یہی تبدیلی کا احساس اسے زندگی کے شعور کی جانب لے جاتا ہے۔ دیکھو.....! اس دنیا میں اربوں انسان ہیں..... اور ان میں سے بہت تھوڑے لوگوں کی تعداد ایسی ہے جو باقی سب پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ بہت بڑے وژن پر مت جاؤ..... ایک شہر یا ایک بستی کی مثال سامنے رکھ کر غور کرو۔ ان میں مختلف طبقے موجود ہوتے ہیں۔ ان سارے طبقات میں سب انسان ایک طرح کے ہوتے ہوئے بھی محض چند حکمرانی کیوں کر رہے ہوتے ہیں.....؟ اس کا سادہ سا جواب ہے کہ وہ حکمرانی کا شعور حاصل کر چکے ہوتے ہیں.....''

''زوہیب.....! سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شعور کہاں سے آتا ہے.....؟ علی نے دھیرے سے پوچھا۔

''یوں تو میں کہنے کو کہہ دوں کہ علم سے آتا ہے..... ایسا ہوگا..... میں اس سے انکار نہیں کرتا لیکن ہر انسان کے ذہن میں خیالات کی بارش ہوتی رہتی ہے۔ یہ خیال نعمت خداوندی ہیں۔ زندگی کی علامت ہیں..... وہ لوگ جو ان خیالات کو سمجھتے ہیں۔ دراصل وہی شعور تک پہنچتے ہیں۔ لیکن..... شاید تم یہ نہ سمجھ پاؤ۔ تمہارے سوال کا سیدھا سیدھا جواب یہی ہے کہ تم زندگی کو سمجھنے کی اہلیت کس قدر رکھتے ہو..... اس کیلئے بس سوچنا' سمجھنا اور غور کرنا ہی ضروری ہوتا ہے۔''

''تم کتابیں پڑھتے ہو..... کیا کتابیں یہ سب سمجھا دیتی ہیں؟''

''کیوں نہیں..... کتاب کی اہمیت سے قطعاً انکار نہیں کیا جا سکتا..... لیکن محض کتابوں پر انحصار نہیں کرنا چاہئے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ سب بے کار ہوتی ہیں..... بلکہ بعض کتابوں کے موضوع اور ان میں موجود خیالات کو سمجھنے تک ہماری رسائی نہیں ہوتی یا پھر کسی اور موضوع سے متعلق کتاب سے ہم اپنا مسئلہ حل نہیں کر سکتے۔ ہمیں انسانوں کے پاس جانا ہوگا' ان سے ملنا ہوگا' ان کے دکھ درد کو محسوس کرنا ہوگا۔ تب پھر زندگی کی حقیقی صورت ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ دکھ' وہ مسئلہ یا وہ درد جو ہمیں لاحق نہیں ہے لیکن کسی دوسرے کو ہے اس کا احساس ہی دراصل شعور ہے۔''

''میں تمہاری بات کسی حد تک سمجھ گیا ہوں..... لیکن اس میں ابھی بہت زیادہ بحث کی ضرورت ہے۔''

''ہاں ہے' کیوں نہیں ہے.....؟ میں حرف آخر تو نہیں ہوں..... اور نہ ہی میرا یہ دعویٰ ہے کہ میں زندگی کو پوری طرح سمجھ گیا ہوں..... زندگی کو سمجھنے کا میرا اپنا انداز ہے۔ ممکن ہے جب تم زندگی کو دیکھو تو تمہیں کسی اور رنگ میں دکھائی دے۔'' یہ کہتے ہوئے زوہیب خاموش ہو گیا۔ نجانے اسے کون سی پرانی یاد آ گئی تھی..... اور پھر درمیان میں سڑک بھی آ گئی تھی جسے انہوں نے پار کرنا تھا۔ یہی سڑک پار کرنے کے بعد وہ علاقہ شروع ہو جانے والا تھا' جہاں چاچا عاشق کا ہوٹل تھا۔

وہ جب اطمینان سے بیٹھ گئے اور چھوٹے کو چائے کا آرڈر دے دیا تو زوہیب نے علی کی جانب

دیکھتے ہوئے کہا۔ ''علی.....! تم مجھ سے اکثر سوال کرتے ہو نا کہ میں نے اچانک یہ شہر کیوں چھوڑا' بنا کسی کو بتائے' بنا کچھ کہے.....''

''ہاں..... ہاں.....!'' اس نے تیزی سے جواب دیا۔ جیسے اسے کوئی بہت بڑا راز ملنے والا ہو۔

''تو سنو.....! میں تمہیں بتاتا ہوں..... شاید تم میری اس بات کو سمجھ سکو' یہ کہہ کر اس نے علی کی جانب دیکھا جو ہمہ تن گوش تھا۔ وہ حیرت اور تجسس سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جو چاچے عاشق کے ہوٹل پر لگے مدقوق سے بلب کی روشنی میں بہت عجیب سا لگ رہا تھا۔'' ایک رات مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس رات میرے اندر جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ ایسی جنگ جس کی فتح بھی میری تھی اور شکست بھی میرا ہی نصیب تھا۔ تمہارا اندازہ ٹھیک ہے علی..... کہ اگر میں اپنی زندگی میں تبدیلی نہ لاتا اور ویسا ہی رہتا تو یقیناً میں اب تک ایک گینگ بنا کر زیر زمین سرگرمیوں میں پوری طرح مصروف ہوتا یا پھر انہی تاریک راہوں میں مارا گیا ہوتا..... ان دنوں میں اپنے بارے میں بہت سوچا کرتا تھا۔ میرا موقف صحیح تھا۔ میں ظلم اور ناانصافی کے خلاف لڑتا تھا..... میں مخلص تھا علی.....! میں اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر پا رہا تھا کہ میں غلط نہیں' اگر میں غلط نہیں ہوں تو پھر معاشرہ مجھے غلط کیوں کہتا ہے۔ یہ تو مجھے اب آ کر سمجھ لگی ہے نا کہ میرا طریقہ کار غلط ہے تھا.....''

''تم بتا رہے تھے کہ تم نے شہر کیوں چھوڑا.....؟'' علی نے جیسے اسے پٹڑی سے اترتے ہوئے محسوس کر کے اسے یاد دلایا۔

''ہاں.....! میں کہہ رہا تھا کہ اس رات مجھے نیند نہیں آ رہی تھی..... میں اپنے آپ سے لڑ رہا تھا۔ اس رات مجھے فیصلہ کرنا تھا کہ میں سب کچھ چھوڑ دوں اور شرافت کی زندگی گزاروں یا پھر سب کچھ ایسا ہی چلتا رہے۔ میں گھر میں پڑے پڑے گھٹن محسوس کرنے لگا تو باہر نکل آیا۔ میرے پاس بائیک تھی اور میں شہر سے باہر نہر کنارے تنہائی میں آ کر بیٹھ گیا۔'' یہ کہہ کر زوہیب جیسے کسی یاد میں کھو گیا۔

''تو پھر.....؟'' علی نے دھیرے سے کہا۔

''میں اپنی سوچوں سے تنگ تھا۔ اس وقت میری یہی خواہش تھی کہ میں لاخیال ہو جاؤں مجھے کوئی بھی سوچ نہ آئے..... کھلی فضاء میں آتے ہی مجھے اک خیال آیا تھا۔ میں جو فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں بے بس ہوں..... تو مجھے خود سے فیصلہ کرنا چاہئے ہی نہیں..... میں اگر اپنے اندر تبدیلی محسوس کر رہا ہوں تو کیا میرا ماحول میری اس تبدیلی کو قبول کرے گا.....! علی یہاں پر ایک نکتے کی بات یہ ہے کہ محض انسان دوسروں کی تبدیلی کا باعث نہیں بنتے بعض اوقات..... یہ قدرت' غیر انسانی اسباب بھی انسان کی رہنمائی کر دیتے ہیں..... اس پوری پھیلی ہوئی کائنات کے ساتھ انسان کا رشتہ ہے۔ جو بہت مضبوط ہے..... خیر.....! جیسے ہی مجھے یہ خیال آیا تو میں نے سب کچھ اس پر چھوڑ دیا کہ دیکھوں..... قدرت اپنے رازوں میں سے میری کیا رہنمائی کرتی ہے۔ میری پوری کوشش یہی تھی کہ اس وقت میں خالی الذہن ہو جاؤں' کچھ نہ سوچوں.....'' لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ چھوٹا چائے لیکر آ گیا۔ اس نے اپنے تئیں بڑی نفاست کے ساتھ برتن رکھے۔ ایک معصوم سی مسکراہٹ ان پر ڈالی اور واپس چلا گیا۔

''یہاں تو تم کہہ رہے تھے کہ میں خالی الذہن ہو جاؤں اور کچھ نہ سوچوں۔'' علی نے ایسے یاد دلایا۔

''ہاں' تو میں اس وقت اسی کوشش میں تھا.....! اچانک ایک طرف سے گاڑی کی ہیڈ لائٹس کی روشنی پڑی جو بہتی ہوئی نہر کے پانی کو چمکا گئی۔ میں چونک گیا۔ میں نے قریب ہی بائیک کھڑی کی تھی اور نہر کنارے بیٹھا ہوا تھا۔ گاڑی کی ہیڈ لائٹس دھیرے دھیرے قریب آتی جا رہی تھی اور میری توجہ اس طرف تھی۔ میرے دماغ میں یہی خیال آ رہا تھا کہ کوئی میرا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک آ گیا ہے۔ اس وقت میرے پاس کوئی ہتھیار بھی نہیں تھا۔ میں پوری طرح چوکنا ہو گیا۔ اتنے میں وہ گاڑی رک گئی۔ وہ میرے ذرا سے فاصلے پر تھے۔ میری تمام تر توجہ انہی کی طرف تھی لیکن وہ معاملہ کچھ اور ہی نکلا.....''

''کیا تھا وہ معاملہ.....؟'' علی سپ لیتے ہوئے جامد سا ہو گیا۔

''وہ کوئی لڑکی تھی' جسے اس شہر کا ایک آوارہ اور بدمعاش لڑکا ورغلا کر لے آیا تھا۔ ان میں جو باتیں ہوئیں اس کا مجھے ایک ایک لفظ یاد ہے' لیکن وہ بہرحال یہاں کہنے کی نہیں.....تم یہی سمجھ لو کہ وہ اس کی عزت کے درپے تھا.....میری مداخلت سے وہ لڑکی بچ گئی۔''

''اوہ.....! مطلب.....! تمہاری ان سے لڑائی ہوئی یا.....''

''لڑنا تو پڑا مجھے لیکن اگر وہ لڑکی نہ چاہتی' اپنا آپ بچانا نہ چاہتی تو میرے لڑنے بھڑنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا..... وہ بدمعاش تو خیر وہاں سے بھاگ گیا۔ لیکن چند چیزوں نے مجھے ساری کہانی سمجھا دی..... وہ لڑکی گھر سے بھاگ کر آئی ہوئی تھی..... اس کا بیگ یہ نشاندہی کر رہا تھا۔ وہ ان کی ہم سفر تھی لیکن وہ لڑکا اسے رستے ہی میں چھوڑ گیا..... خیر.....! یہ ایک واقعہ ہوا۔ میں جو.....''

''نہیں مجھے بتاؤ.....اس لڑکی کا کیا بنا.....؟''

''بننا کیا تھا یار..... میں اسے گھر واپس چھوڑ آیا.....''

''کیسی تھی وہ.....مطلب ہے بہت خوبصورت تھی یا.....''

''کیا تم یقین کرو گے..... میں نے اس کا چہرہ دیکھا ہی نہیں..... اور نہ ہی اس کی آواز سنی..... اصل میں وہی تو تمہیں بات بتا رہا ہوں کہ اس کے اندر کی تبدیلی اسے منفی راہ پر لے آئی تھی..... لیکن اس کے اندر کی جو اصل تھی اس میں منفی پن نہیں تھا۔ وہ اندر سے مخلص تھی..... ورنہ جس راستے پر وہ لڑکا اسے لے جا رہا تھا وہ آسانی سے چلی جاتی..... اس نے بے بسی کے عالم میں بھی اپنے اس اچھے پن کو بچایا..... اس کے اندر کی تبدیلی کو ایک صحیح سمت مل گئی.....''

''پھر پتہ کیا.....'' کون تھی وہ' کیا ٹھیک سمت چلی وہ۔''

''مجھے نہیں پتہ وہ کون تھی..... اور نہ ہی میں نے یہ جاننے کی کوشش کی..... مگر وہ میری سوچ کو بہت اچھے انداز میں مثبت رخ دے گی۔ میں نے اسے اس کے گھر کے قریب چھوڑا اور اپنے گھر آ گیا.....''

''تم نے بات نہیں کی.....اور وہ.....''

''تم شاید میری بات نہیں سمجھ رہے ہو..... ظاہر ہے وہ لڑکا اسے اپنے پیار محبت کے جال میں پھنسا کر

لایا ہوگا وہ پیار میں تھی اور مخلص تھی..... اس کے اندر تبدیلی مثبت ہی تھی لیکن اس کا عمل منفی تھا..... بالکل میری طرح..... میں ظلم اور نا انصافی کے خلاف نبرد آزما تھا..... لیکن مجھے انہی لمحوں میں سمجھ آ گئی کہ میں اپنے عمل میں غلط ہوں..... اگر مجھے ظلم اور نا انصافی کے خلاف لڑنا ہی ہے تو مجھے مثبت راہوں کی تلاش کرنا چاہئے۔ اگر میرے دل میں خلوص ہے اور میں اپنے مقصد کے ساتھ سچا ہوں تو بلاشبہ مجھے ایسی راہیں مل جائیں گی.....''

''اچھا تو تمہیں وہ مثبت راہیں مل گئیں اور تم شہر چھوڑ گئے.....'' علی نے انتہائی طنز سے کہا۔ تو زوہیب مسکرا دیا.....

''وہ نکتہ تو مجھے اسی رات مل گیا تھا جس پر سوچتے ہوئے میں نے خود کو مطمئن کر دیا۔ وہ مجھے کوئی درس دینے نہیں آئی تھی..... لیکن قدرت نے میرے سامنے ایک واقعہ دے دیا۔ جس سے میں نے وہ نتیجہ اخذ کیا جو مجھے چاہئے تھا۔ وہ نہر کی دوسری سمت بھی جا سکتے تھے۔ میں ہی گھر سے نہ نکلتا..... اب رہی شہر سے جانے کی بات تو میں نے اچانک فیصلہ کر لیا..... میں خود کو اس ماحول سے ایک جھٹکے میں الگ کر لوں گا..... ورنہ..... اس لڑکے کو میں جانتا تھا..... میں اسے بلیک میل کر سکتا تھا اور نہ جانے کیا کچھ..... اس رات کئے گئے فیصلے کے مطابق اگلی صبح میں نے اس شہر کو چھوڑ دیا۔ یوں اچانک غائب ہو گیا.....''

''اوہ.....! یہ تھی کہانی.....'' علی نے لمبی سانس لی اور کپ میں باقی پڑی ہوئی چائے ایک ہی سپ میں پی لی۔

''اور تم کیا سمجھ رہے تھے.....؟''

''تمہاری اس کہانی کو سنتے وقت مجھے کچھ اور خیال آ رہے تھے کہ شاید تمہیں قتل کی دھمکی ملی ہو یا کچھ لوگ تمہارے قتل کے درپے ہو گئے ہوں یا پھر تم کسی کو قتل کر کے اچانک منظر سے غائب ہو گئے ہو..... وغیرہ وغیرہ'' علی نے کہا تو زوہیب ہنس دیا لیکن خاموش رہا۔ تبھی علی نے پوچھا۔ ''کیا تم پھر ملے ہو کبھی اس لڑکی سے۔'' یہ کہتے کہتے وہ چونک گیا اور خود ہی بولا۔ ''لیکن تم تو شہر چھوڑ کر چلے تھے' تم اسے دوبارہ کہاں ملے ہو گے۔''

''نہیں.....! میں اس سے دوبارہ نہیں ملا..... اگر وہ میرے سامنے بھی آ جائے تو میں کون سا پہچان پاؤں گا۔''

''ہاں.....! تم نے اسے دیکھا تک نہیں۔ خیر..... اس کا گھر یاد ہے؟''

''نہیں.....'' زوہیب نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا تو علی اٹھ گیا۔ زوہیب نے جیب سے نوٹ نکالا اور وہاں رکھ دیا۔

''آؤ چلیں.....! کھودا پہاڑ اور.....'' علی کے یوں کہنے پر زوہیب قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

☆☆☆

دوپہر ڈھل چکی تھی۔ مغرب کی جانب سورج کافی حد تک جھک گیا تھا۔ ہلکی ہلکی چلنے والی ٹھنڈی ہوا نے ماحول خاصا خوشگوار بنا دیا ہوا تھا۔ زوہیب لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ مہوش فاطمہ کی کہانی پڑھتے ہوئے اس کا

''میں نے کیا پڑھنا ہے مس فائزہ.....! بس جو مل جائے.....کوئی خاص موضوع تو نہیں ہے آپ کی طرح جسے تحقیق وغیرہ کیلئے پڑھتا چلا جاؤں.....''

''نہیں کوئی معیار تو ہوگا.....؟'' اس نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے پوچھا تو زوہیب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''ہاں.....! ایک معیار ہے.....! مہوش فاطمہ کی کہانیوں میں جو سوچنے کیلئے اشارے ملتے ہیں یا پھر کوئی ایسا نکتہ جو مجھے سمجھ میں نہ آ رہا ہو تو اس نکتے کو سمجھنے کیلئے پڑھ لیتا ہوں ورنہ کوئی خصوصی مطالعہ نہیں ہے۔''

''ویسے ایک بات ہے زوہیب صاحب.....! یہ آپ مہوش فاطمہ کے چکر میں خوب پڑے ہیں۔ جس طرح آپ اس کے مداح ہیں نا۔ میں نے کم از کم ایسا مداح نہیں دیکھا۔ ہر معاملے میں اسی کو دیکھے' اسی کو اہمیت دے.....'' اس کے یوں کہنے پر زوہیب کے چہرے پر سنجیدگی پھیل گئی۔ وہ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔

''میں نے آپ کو بتایا تو ہے نا کہ وہ میری زندگی کو بدلنے میں کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ یوں جیسے کوئی بیمار صحت یاب ہو جائے۔ اب مجھے معلوم ہے کہ میں اسے کس قدر اہمیت دیتا تو وہ میرے لئے اہم ہے۔''

''یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے زوہیب صاحب.....؟'' فائزہ نے سوچتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''بولیں.....!'' زوہیب نے انتہائی اختصار کے ساتھ کہا۔

''ایک لکھاری ہے.....! یہ ایک الگ الگ چیز ہے اور دوسرا اس کی تحریر ہے' یہ ایک الگ شے ہے۔ آپ کے پاس تو اس کی تحریر پہنچتی ہے۔ آپ اس لکھاری کی ذات' شخصیت یا اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ تو ان دونوں میں آپ کے نزدیک کس کی اہمیت ہے؟''

''میرے خیال میں لکھاری کی.....! کیونکہ لکھاری اپنی تحریر میں بول رہا ہوتا ہے۔ اس کا اپنا آپ بھی اس تحریر میں بول رہا ہوتا ہے اور پھر وہ ان تحریروں کا منبع ہوتا ہے' اسی کی سوچ کاغذ پر منتقل ہوتی ہے۔'' زوہیب نے انتہائی گرم جوشی سے کہا۔

''لیکن یہ بھی تو ہے زوہیب صاحب.....! کہ جو لکھاری' اپنی تحریر میں اپنے خیال پیش کر رہا ہے' ممکن ہے وہ اپنی ذات میں ویسا نہ ہو؟ ممکن ہے جب آپ اس لکھاری سے اس کی تحریر کے حوالے سے ملیں تو آپ کو مایوسی ہو؟''

''ایسا ہو سکتا ہے مس فائزہ.....! لیکن پھر بھی اہمیت لکھاری کی ہی رہے گی۔ اس کی وجہ ایک اور بھی ہے۔ خیال تو لکھاری کا ہی ہوتا ہے نا.....'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر دھیرے سے بولا.....

''دیکھیں.....! ہمارے خالق نے اگر ہمیں پیدا کیا ہے تو اس کائنات میں ہماری رہنمائی کیلئے بے شمار ذرائع بھی چھوڑے ہیں.....جس سے ہم عقل اور شعور لے سکتے ہیں اور ایسا ہوتا آیا ہے۔ مثلاً ہابیل اور قابیل کے واقعے میں کوے کی مثال.....! ہوتا یوں ہے کہ انسان اپنے طور پر اس کائنات سے' اپنی سوچ کے مطابق' عقل او رشعور لیتا چلا جاتا ہے اور پھر اس کا اظہار بھی کرتا ہے.....اب جو اس کائنات سے انسان سیکھتا ہے تو بہت ساری

سارا دھیان گیٹ کی طرف تھا۔ فائزہ حسن کی آمد ادھر ہی سے متوقع تھی۔ اس نے کچھ دیر پہلے فون پر اپنے آنے کے بارے میں بتایا تھا۔ اس دوران نادیہ تو دو بار لان میں جھانک کر دیکھ چکی تھی کہ فائزہ دیدی ابھی تک آئی ہے یا نہیں۔ پہلے سے کئی بار پڑھی ہوئی مہوش فاطمہ کی کہانی کو ایک بار پھر سے پڑھتے ہوئے اس وقت وہ کہانی کے کلائمیکس پر تھا جب فائزہ گیٹ سے اندر آتے ہوئے دکھائی دی۔ وہ نپے تلے قدموں سے چلتے ہوئے اس کے قریب آتی چلی گئی۔ زوہیب اس کی طرف دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔ اس نے بغور فائزہ کا جائزہ لیا۔ پورا بدن ڈھکا ہوا۔ سر پر آنچل اور چہرے پر وہی تازگی' جسے دیکھنے سے خوشگواریت کا تاثر پورے احساس پر چھا جاتا ہے۔

''اسلام علیکم.....! کیسے ہیں آپ؟'' فائزہ نے قریب آ کر انتہائی بے تکلفی سے کہا تو وہ چونکا۔ یہی وہ لمحہ تھا جس نے اسے احساس دیا کہ وہ تو اس میں پوری طرح ڈوبا ہوا تھا۔ جذب کا یہ احساس اسے انتہائی خوشگوار سونپ گیا۔ وہ اپنے آپ پر دھیرے سے مسکرایا جس میں خوشی گھلی ہوئی تھی۔ پھر دھیرے سے یہی بولا۔

''وعلیکم السلام.....! میں ٹھیک ہو' آپ کیسی ہیں۔''

زوہیب نے اشارے سے کہا تو وہ بولی۔

''ایک دم ٹھیک ہوں۔ میں پہلے اندر بھابی اور ''

''وہ گھر پر نہیں ہیں اور نادیہ کچن میں مصروف ہے۔ ابھی چائے لے کر آ جاتی ہے۔ آپ تشریف رکھیں۔'' زوہیب نے کہا تو وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی اور پھر جب زوہیب بیٹھ گیا تو فائزہ بولی۔

''کافی دنوں بعد ہماری ملاقات ہو پائی ہے اور مجھے معلوم ہے کہ اس کی وجہ میری اپنی مصروفیات ہیں۔'' فائزہ نے صاف اور سیدھے لفظوں میں اظہار کر دیا تو وہ تمہید جو زوہیب نے سوچی ہوئی تھی ایک دم سے بے اہمیت ہو گئی۔ سو وہ خاموش رہا۔ تب فائزہ نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ''اصل میں وقت کا بھی تو کوئی قصور نہیں ہے نا۔ وہ تو اپنے حساب سے چلتا ہے۔ ایک ہم ہیں کہ اپنا پھیلاؤ اس قدر کر بیٹھے ہیں کہ وقت کے مطابق چل ہی نہیں سکتے۔''

''اور ہم جیسوں کے پاس وقت ہی وقت ہوتا ہے۔ جیسے آپ نے کہا کہ پھیلاؤ ہے' اس حساب سے دیکھا جائے تو اتنے سکڑے ہوئے ہیں کہ وقت بہت زیادہ ہوتا ہے میرے لئے۔''

''یہ تو ان دنوں کی بات ہے نا جب آپ پاکستان میں ہیں' کیا دوبئی میں بھی آپ کے پاس اتنا وقت ہوتا ہے کہ.....'' اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''نہیں.....! وہاں تو خیر بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ نا چاہتے ہوئے بھی چلنا پڑتا ہے وقت کے ساتھ۔''

''مطلب.....! یہ وقت تو ہمارے ہاتھ میں ہے نا..... جس طرح چاہیں گزاریں..... لیکن ہم ہیں بڑے خودغرض' اپنی کوتاہیوں کی تمام تر ذمہ داری وقت پر ڈال دیتے ہیں اور خود بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ سنائیں.....! کیا پڑھ رہے ہیں آج کل.....؟'' فائزہ نے کہتے ہوئے اچانک موضوع تبدیل کر دیا۔

سوچیں اس کے اپنے فائدے کیلئے ہوتی ہیں اور بہت ساری اس کیلئے نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں..... یہیں پر آکر ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ کوئی معیاری سوچ ہو جس کے مطابق ہم اپنی فائدہ مند اور نقصان دہ سوچوں کو پرکھ سکیں۔ تب مذہبی صحیفے اور آسمانی کتابیں آتی ہے جس سے انسانیت کے مزاج کو' اس کی سوچوں کو اور اس کے خیالات کو پرکھا جاتا ہے۔'' یہ کہہ کر زوہیب ذرا سی دیر کیلئے خاموش ہوا جیسے اپنے خیال جمع کر رہا ہو..... اور پھر بولا۔ ''وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی عقل اور حکمت میں اضافے کے ساتھ اس کے تجربے میں بھی اضافہ ہوا، یوں دنیا کا پھیلاؤ ہوتا چلا گیا۔ وہ جو معیاری سوچ انسان کے پاس آئی' انسان نے اس کے مطابق اپنے خیالات کی ترتیب وتہذیب کی اور کرتا چلا جا رہا ہے۔ لیکن.....! انسان اپنی فطرت کے ہاتھوں بھی مجبور ہے۔ وہ متجسس ہے' مہم جو ہے' وہ یا تو اپنے خیالات اور سوچوں کو ان آسمانی صحیفوں کے مطابق کر لیتا ہے یا پھر صریحاً انکار کر دیتا ہے۔ تیسری اک راہ اور بھی ہے کہ وہ تائید حاصل کرتا ہے۔ یہ انسانی مزاج ہے جو بن چکا ہے اور انسان اس پر چلتا چلا آ رہا ہے۔'' اتنا کہہ کر زوہیب چونکا اور پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولا..... ''خیر.....! میں کہنا کچھ اور چاہ رہا تھا لیکن بات کسی اور طرف نکل گئی۔''

''آپ کہنا کیا چاہ رہے تھے؟'' فائزہ نے تجسس سے پوچھا۔

''یہی کہ ہم اپنے اردگرد سے بہت کچھ حاصل کرتے ہیں اور یہ ہمارے لئے اس قدر اہم ہوتا ہے کہ ہمارے مزاج اور ہماری شخصیت کیلئے ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ ایک آسمانی راز ہے جو ہمارے لئے موجود ہے' ہماری رہنمائی کیلئے.....! کائنات میں موجود اشارے جو ہمیں فیصلہ کرنے میں مدد دیتے ہیں۔ بالکل اسی طرح مہوش فاطمہ کی تحریریں ہیں میرے لئے.....! قدرت کی یہ منشاء تھی کہ میں خود کو بدلوں اور اس تبدیلی کا اہتمام مہوش فاطمہ کی تحریروں میں رکھ دیا۔ وہاں سے مجھے رہنمائی ملتی گئی اور میں آسانی سے تبدیل ہوتا چلا گیا۔ مجھے اتنی مشکل پیش نہیں آئی۔''

''زوہیب صاحب! یہاں ایک بات سامنے آتی ہے کہ اگر رہنمائی میسر ہو تو میرے خیال میں تبدیلی بہت آسان ہوتی ہے۔'' فائزہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیوں نہیں.....! اصل میں الجھنیں انسان کی سوچ میں حائل ہو جاتی ہیں۔ الجھنیں ہی وہ رکاوٹ ہیں جو سوچ کو آگے بڑھنے سے روکتی ہیں۔ پھر جیسے ہی کوئی تائید یا اشارہ ملتا ہے' انسان اپنی سوچ کا رخ اس طرف موڑ لیتا ہے۔ یہیں آسانیاں تلاش کرنے کی عادت ہمیں بنی بنائی سوچوں کی راہ پر چلنے اور انہیں قبول کر لینے پر آمادہ کر دیتی ہیں۔ یہیں سے سوچ کا غلبہ شروع ہوتا ہے جس سے انسان کی اپنی سوچ دب کر رہ جاتی ہے۔''

''آپ اپنی اس بات کی وضاحت کریں گے.....؟'' فائزہ نے پوری دلچسپی سے پوچھا۔

''لیکن پہلے چائے پی لیں.....'' نادیہ نے کہا تو دونوں ہی چونک گئے۔ وہ ان کے پاس کھڑی تھی اور اس کے دونوں ہاتھوں میں ٹرے پکڑی ہوئی تھی۔ اس نے ٹرے درمیان میں پڑی ہوئی میز پر رکھی اور فائزہ سے ملی۔ تب نادیہ ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی..... ''میں اتنا زیادہ وقت نہیں لوں گی..... بس آپ کو چائے پیش

کر کے واپس کچن میں چلی جاؤں گی.....''

''ارے یہ کیا بات ہوئی۔'' فائزہ نے کہا۔ تو چائے پیالیوں میں ڈالتے ہوئے وہ بولی۔

''پہلی بات تو یہ ہے ماما گھر پر نہیں ہیں' سو کھانا بنانا ہے..... دوسرا.....! میں کم عقل اتنی بڑی بڑی خشک اور فلسفہ مارکہ باتوں سے ابھی تھوڑا دور ہی رہنا چاہتی ہوں..... پلیز.....'' یہ کہہ کر اس نے چائے کی پیالی فائزہ کی جانب بڑھائی۔ فائزہ نے پیالی پکڑی تو کباب کی پلیٹ اس کے آگے کر دی.....

''نا دیہ پلیز آپ رکھو.....! میں لے لیتی ہوں۔''

''میں نے خود بنائے ہیں اور آپ انہیں ضرور کھلائیے گا'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔

دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی تھی۔ لیکن فائزہ کے دماغ میں زوہیب کی کہی ہوئی باتیں گونج رہی تھیں۔ وہ سننا چاہ رہی تھی۔ چائے پیتے ہوئے وہ دونوں اپنے خیالوں میں کھوئے رہے۔ زوہیب نے چائے پی اور خالی پیالی رکھتے ہوئے بولا.....

''آپ نے کہا کہ میں اپنی بات کی وضاحت کروں.....''

''جی پلیز.....!'' وہ ہمہ تن گوش ہو گئی۔

''دیکھئے.....! ہم مسلمان ہیں اور پاکستانی ہیں..... لیکن ہم اب تک یہ فیصلہ نہیں کر پائے کہ ہم مسلمان قوم ہیں یا پاکستانی قوم ہیں.....! ہمارا کلچر کیا ہوگا.....؟ اسلامی یا پاکستانی.....؟''

''زوہیب صاحب.....! یہ تو اتنی بڑی الجھن نہیں ہے.....! پاکستان کی بنیاد میں اسلام موجود ہے۔ اسلام کے نام پر ہی یہ قائم ہوا ہے تو اس کا کلچر اسلام ہی ہے۔''

''تو کیا دکھائی دیتا ہے کہ آپ کو.....؟'' میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا فائزہ کہ کلچر کیا ہے..... وغیرہ وغیرہ..... میں تو اب تک اس بنیادی بات کی تلاش میں ہوں..... نئی نسل کو الجھن ہے کہ یہ ہمیں تسلیم کرنا پڑے گا..... اڑسٹھ برس کا عرصہ گزرنے کے باوجود ہم یہ طے نہیں کر پائے..... یہ کوتاہی کس کی ہے.....؟ ایک نوجوان جب اس ماحول میں آنکھ کھولتا ہے' وہ شعور حاصل کرتا ہے' اپنی عقل سے معاملات کو پرکھتا ہے تو اسے ورثے میں کیا ملتا ہے..... غور کریں..... اس ورثے میں الجھن بھی ہے..... چلیں.....! ہم اس بات کو بھی ایک طرف رکھ دیتے ہیں کہ ورثے میں ملنے والی کیا چیزیں ہیں..... لیکن یہ الجھن ایک المیہ ہے..... ایک بہت بڑا چور راستہ ہے جس سے اجنبی اور غیروں کی بنی بنائی سوچیں ہماری قوم کے اندر جذب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ جو کسی الجھن کا حل نہیں' بلکہ مزید الجھن کا سبب بن رہی ہے۔'' یہ کہتے ہوئے زوہیب چونک گیا اور پھر بولا..... ''خیر.....! میں بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گیا۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں زوہیب.....! جب کوئی بھی قوم اپنے خیالات اور معاملات میں پوری طرح واضح ہوتی ہے تو اسے ترقی کی راہ پر گامزن ہونے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔ میرے خیال میں ہمیں بحیثیت پاکستانی ہو کر سوچنا چاہئے۔ کیونکہ پاکستان کی شناخت اسلامی ہے..... اور یہاں جو بھی کلچر ہو اس کی بنیاد میں بھی اسلامی تشخص ہو..... میرا نہیں خیال کہ پھر کوئی الجھن باقی رہے گی۔''

''وہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ ابھی بہت سارا کام کرنے کی ضرورت ہے..... اور اب یہ رہنمائی ہم نے کہاں سے لینی ہے۔ میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ لکھاریوں کا طبقہ ہی یہ کام کر سکتا ہے جو اپنی قوم کو پوری طرح صحیح پاکستانی تشخص کے بارے میں بتائے۔'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا تو فائزہ بھی مسکرا دی۔

''کیا آپ کے خیال میں مہوش فاطمہ اس پر کام کر رہی ہے؟'' اس نے پوچھا۔

''آپ نے بھی محسوس کیا ہوگا..... اس کا اصل موضوع انسان ہے..... اس پر ہم پہلے بھی بات کر چکے ہیں۔ میرا نہیں خیال کے اس نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہوگا۔ ممکن ہے ابھی اس کا وقت نہ آیا ہو یا پھر یہ باتیں اس کے دائرہ پسند سے خارج ہوں.....''

''تو پھر آپ کیوں نہیں کرتے اس پر کام.....؟'' فائزہ نے وہ بات کہہ دی..... جس کیلئے وہ ذہنی طور پر تیار نہیں تھا۔

''میں.....؟ نہیں میں ایسا کام نہیں کر سکتا' میرا یہ منصب نہیں ہے۔''

''میں بحث نہیں کروں گی زوہیب..... لیکن آپ اس پر سوچئے گا ضرور..... آپ پاکستانی ہیں..... اپنی قوم کیلئے' اپنے ملک کیلئے آپ کو بھی تو کچھ کرنا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا

''ہاں.....! وہ میں ضرور کروں گا..... لیکن وقت آنے پر جب میں محسوس کروں گا کہ یہ میری ذمہ داری ہے۔''

''چلیں.....! اتنا تو ہوا کہ آپ ارادہ رکھتے ہیں۔''

فائزہ نے ہلکے سے ہنستے ہوئے کہا۔ تو زوہیب نے پوچھا۔

''ویسے ایک سوال میرے ذہن میں ہے جو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''جی فرمائیں.....!'' فائزہ نے پوری دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

''یہ جو ابھی ہمارے درمیان سوچوں میں الجھن کا ایک مسئلہ زیر بحث آیا۔ کیا اس سے نکلنے کا طریقہ بھی ہے آپ کے پاس؟''

زوہیب نے یوں کہا جیسے وہ فائزہ کو جانچ رہا ہو۔

''آپ نے تو یوں کہا ہے کہ جیسے آپ یہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ میں آپ کی بات سمجھی ہوں یا نہیں اور دوسرا شاید آپ تائید چاہتے ہیں اپنے موقف کی۔'' فائزہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''آپ جو بھی سمجھ لیں۔ مگر ایک بات تو ہے نا.....؟'' زوہیب اپنی بات پر ڈٹا رہا۔ تو چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

''سوچوں میں الجھنیں آ ہی جاتی ہے..... الجھن ہوتی ہے تو سلجھتی ہے۔ سوچوں کی سلجھن میں بنیادی طور پر دو باتیں ہوتی ہیں..... ایک جذبے سچے ہوں..... اور دوسرا سوچیں پاکیزہ ہوں..... سچے جذبے اور پاکیزہ سوچیں انسان کو اس راستے پر لے جاتی ہیں جہاں بھٹکنے کا مارجن انتہائی کم ہوتا ہے۔ یہی وہ بنیادی باتیں ہیں۔ جب انسان ان کو اپنے ساتھ لے کر چلتا ہے تو سوچیں حقیقت میں تبدیل ہونا شروع ہو جاتی' میری مراد

ان تصورات سے ہے جو انسان کے ذہن میں آتے ہیں' یعنی تصور حقیقت میں تبدیل ہوتے ہیں اور کائنات کے رمز انسان پر آشکار ہونے لگتے ہیں۔''

''یہاں تو آپ مہوش فاطمہ سے بالکل متفق لگتی ہیں..... اس کی ایک کہانی کا موضوع بالکل یہی ہے۔ جو میرا خیال ہے چند مہینے پہلے شائع ہوئی تھی۔'' زوہیب نے انتہائی جوش سے کہا تو فائزہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آپ تو ہر بات کا اختتام مہوش فاطمہ پر کرتے ہیں.....'' اس نے یہ کہتے ہوئے اچانک پوچھا۔

''اگر اچانک مہوش فاطمہ آپ کے سامنے آجائے تو پھر آپ کیا کریں گے؟'' یہ بات کہتے ہوئے فائزہ اندر سے پوری جان کے ساتھ لرز گئی تھی۔ دل تیزی کے ساتھ دھڑکنے لگا تھا۔ پتہ نہیں زوہیب اس سوال کا جواب کیا دے؟ سوال کر دینے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ صورتحال کیا ہو سکتی ہے۔ اب یہ زوہیب کے جواب پر تھا کہ اسے کس طرح کی سوچ کا سامنا ہوگا۔ زوہیب جیسے خیالوں میں کھو گیا تھا..... وہ خاموش تھا اور فائزہ تجسس کی انتہاؤں پر بھی۔ تبھی زوہیب بولا۔

''سچ پوچھیں تو فائزہ.....! میں نے ایسا سوچا بھی نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ میرا ردعمل کیا ہوگا..... کیونکہ بہت ساری باتوں کے فیصلے لاشعور کرتا ہے اور اس وقت میں شعوری طور پر کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اب میں اس پر سوچوں گا..... جب سوچ لیا تو ضرور بتاؤں گا.....'' اس نے کہا تو فائزہ کا رُکا ہوا سانس پھر سے بحال ہو گیا..... شاید وہ کوئی ایسا ہی جواب چاہ رہی تھی۔ جس میں امید اور مایوسی بالکل نہ ہو..... وہ دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش ہو گئے تھے۔ شاید دونوں ہی کسی نئے موضوع کی تلاش میں سوچ رہے ہوں۔ تبھی گیٹ کے باہر ہارن کی آواز آئی۔

''لو.....! بھابی اور بچے آ گئے۔'' زوہیب نے کہا اور اٹھ کر گیٹ کھولنے چل دیا۔ تبھی فائزہ کو احساس ہوا کہ وہ اب زوہیب سے باتیں نہیں کر پائے گی۔ بھابی کے آجانے پر وہ کچھ وقت ان کے ساتھ گزارے گی۔ اس نے بھی سانس لی اور ذہن میں آیا ہوا سوال کسی اور وقت کیلئے موخر کر دیا۔

☆☆☆

اس دن بھابی نے ابھی کچن کے کام بھی نہیں سمیٹے تھے۔ سب لوگ اپنے اپنے کام پر جا چکے تھے۔ گھر کی ماسی صفائی وغیرہ کر کے کچن میں آ گئی تھی کہ گیٹ پر بیل ہوئی۔

''اس وقت کون آ گیا۔ ماسی.....! ذرا دیکھو تو.....'' بھابی نے دھلے ہوئے برتن اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے کہا۔ تو ماسی اپنے ہاتھ اپنے ہی آنچل سے پونچھتی ہوئی گیٹ کی جانب بڑھ گئی کچھ ہی دیر وہ قدرے پریشان سی واپس آئی اور آتے ہی بولی۔

''بیگم صاحبہ.....! وہ ساتھ والے گھر کی مسز شعیب آئی ہیں۔''

''مسز شعیب.....! اس وقت خیریت تو ہے نا؟'' بھابی نے حیرت سے کہا اور سارے کام چھوڑ کر ڈرائینگ روم کی طرف چل دیں۔ وہ اس وقت آمد پر خاصی پریشان ہو گئی تھیں۔ اگلے چند لمحوں میں وہ ڈرائینگ روم میں تھی جہاں اسے مسز شعیب کا مسکراتا ہوا چہرہ دکھائی دیا۔

''یقیناً آپ میری اس بے وقت آمد سے پریشان تو ہوگئی ہوں گی۔''

''نن..... نہیں..... ایسا تو نہیں..... لیکن پھر بھی خیریت تو ہے نا؟'' بھابی اب تک حیرت سے نکل نہیں پائیں تھیں۔ اس لئے پریشان لہجے میں پوچھا تو مسز شعیب مسکراتے ہوئے بولیں۔

''آپ آئیں ادھر بیٹھیں..... میں آپ کو تفصیل سے بتاتی ہوں.....'' مسز شعیب کے یوں کہنے پر بھابی اس کی طرف دیکھتی ہوئی اس کے قریب ہی صوفے پر بیٹھ گئی تو اس نے کہا۔ ''پورا ایک ہفتہ ہوگیا ہے۔ میں آپ سے ایک بات کہنا چاہ رہی تھی لیکن وقت ہی نہیں مل پا رہا تھا۔ آج تو میں نے فیصلہ کرلیا کہ ضرور آپ کی طرف آؤں گی اور آپ سے بات کروں گی۔''

''اب پتہ نہیں ایسی کون سی بات ہے' جس کیلئے آپ کو میرے ہاں آنے کا وقت نہیں مل رہا تھا۔ اگر ایسی ہی کوئی ضروری بات ہے تو مجھے بلوا لیا ہوتا۔'' بھابی نے خلوص دل سے کہا۔

''نہیں' وہ بات ایسی ہے کہ اس کیلئے مجھے ہی آپ کے ہاں آنا تھا۔ یوں تو میں شام کے وقت بھی آ سکتی تھی لیکن میں جو بات آپ سے کرنا جا رہی ہوں اس کیلئے آپ کا اور میرا تنہا ہونا ہی ضروری ہے۔''

''اب تو آپ نے واقع ہی مجھے پریشان کر دیا مسز شعیب.....! اب پتہ نہیں وہ کیا بات ہوگی.....؟''

''وہی تو میں تمہید سوچ رہی ہوں کہ اس بات کا آغاز کہاں سے کروں۔'' وہ دھیرے سے مسکرائیں۔

''اچھا آپ ایسا کریں کہ تمہید سوچیں' میں اتنے میں چائے.....''

''نا..... نا.....! ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے ابھی ناشتہ کیا ہے اور چائے کا کپ رکھ کر سیدھی آپ ہی کی طرف آئی ہوں..... اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ بس آپ میری بات سن لیں۔''

''آپ کہیں گی تو میں سنوں گی.....!'' بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا چلو.....! میں بات کا آغاز یہیں سے کرتی ہوں کہ..... کہ..... اپنی فائزہ کی کہیں منگنی وغیرہ یا بات ہوئی ہے کہیں؟'' مسز شعیب نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو بھابی کے چہرے پر ایک خوشگوار حیرت آ گئی۔ تب وہ دھیرے سے بولیں۔

''نہیں.....! ابھی نہیں..... دراصل فائزہ کے بارے میں ایسا سوچا ہی نہیں گیا۔ مطلب..... پہلے تو وہ پڑھنے میں لگی رہی۔ پھر اس نے نوکری کر لی..... اس کے بھائی سے میں نے کئی بار ذکر کیا ہے۔ اب سچی بات تو یہ ہے کہ خاندان میں کوئی ایسا لڑکا نہیں ہے جس سے کوئی بات چلائی جا سکے۔ جس وقت یونیورسٹی کے ابتدائی دنوں میں تھی' اس وقت بہتیرے رشتے آئے تھے۔ مگر اس فائزہ نے ہماری ایک نہیں چلنے دی۔''

''مطلب.....! ابھی تک فائزہ کا کہیں رشتے طے نہیں ہوا..... کہیں بھی بات نہیں چل رہی ہے۔''

''ہاں.....! ایسا ہی ہے..... بھائی اس کا طرف دار ہے اور اپنے رشتے کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ یہ خود ہے۔ اس کی نگاہ میں کوئی جچتا ہی نہیں ہے۔ میں تو ہار گئی اور اب تو میں نے کہنا ہی چھوڑ دیا۔'' بھابی اس معاملے میں خاصی رنجیدہ دکھائی دے رہی تھی۔

''میں یہی بات کرنے آپ کے ہاں آنا چاہ رہی تھی..... دراصل ایسا ہی کچھ معاملہ زوہیب کے ساتھ

ہے..... اب تک آپ کو معلوم تو ہو گیا ہوگا کہ پہلے وہ کیسا تھا لیکن پھر وہ یکسر تبدیل ہو گیا ہے..... ہمارا خاندان کوئی اتنا لمبا چوڑا تھا نہیں کہ اب تک اس میں لڑکیاں اس کیلئے بیٹھی رہیں..... پھر اس کی زندگی بہت زیادہ ڈسٹرب رہی۔ ایک تو یہ بات ہے اور دوسری یہ کہ میں نے آج تک اس کی دلچسپی کسی لڑکی میں نہیں دیکھی۔ سوائے اپنی فائزہ کے.....'' مسز شعیب نے سنجیدگی سے کہا تو بھابی نے تیزی سے پوچھا۔

''مطلب.....! کیا کہنا چاہ رہی ہیں آپ.....؟''

''خدانخواستہ میں کوئی ایسی بات کہنے نہیں جا رہی..... آپ پہلے میری پوری بات سن لیجئے گا اور پھر اس پر اپنی کوئی رائے دیں..... ایسا میں اس لئے کہہ رہی ہو کہ اس میں بھی چند مصلحتیں ہیں.....''

''اچھا.....! کہئے آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں.....؟''

''میں کہہ رہی تھی کہ یہاں آنے سے پہلے میں نے' اس کے بھائی نے اور بچوں نے بہت کوشش کی کہ وہ شادی کر لے یہاں تک کہ ہمیں یہ بھی شک گزرا کہ اس نے کہیں دوبئی میں شادی تو نہیں کر لی مگر ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔ دراصل وہ شادی کرنا ہی نہیں چاہ رہا ہے۔''

''ایسا کیوں؟'' بھابی نے پوچھا۔

''میں نہیں جانتی.....! اور نہ ہی کبھی اس نے اس کی کوئی وجہ ہمیں بتائی ہے۔ لیکن جب سے وہ اپنی فائزہ سے ملا ہے' میں نے پہلی بار اسے کسی لڑکی سے اس اہتمام کے ساتھ ملتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہمیں یہاں آتے ہوئے تقریباً دو مہینے سے زیادہ کا وقت تو ہو گیا ہے۔ اس دوران ان کی نجانے کتنی ملاقاتیں ہو چکی ہیں۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھی کہ آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں۔'' بھابی نے لرزتی ہوئی آواز میں دھیرے سے پوچھا

''میں بتا رہی ہوں نا.....!'' مسز شعیب نے ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا اور پھر بولیں۔ ''میں نے محسوس کیا ہے کہ زوہیب کی دلچسپی اپنی فائزہ میں ہے..... کس حد تک ہے' یہ میں نہیں جانتی اور اسی طرح..... مجھے لگتا ہے کہ فائزہ کی دلچسپی بھی زوہیب میں ہے.....''

''مطلب.....! آپ کو ان دونوں کی ملاقاتوں سے یہ لگ رہا ہے کہ ان کی دلچسپی ایک دوسرے میں ہے؟'' بھابی نے تیزی سے پوچھا۔

''جی بالکل.....! اور میں چاہتی ہوں کہ یہ دلچسپی یونہی برقرار رہے۔ برقرار ہی نہ رہے بلکہ اسے قانونی اور شرعی رشتے میں تبدیل بھی کر دیا جائے۔ آپ کا کیا خیال ہے.....؟'' مسز شعیب نے جلدی جلدی کہا اور سانس لینے کو رکی اور پھر فوراً ہی کہا۔ ''لیکن ایک منٹ.....! ابھی آپ اپنا خیال نہ بتایئے گا۔ میری تھوڑی سی بات مزید سن لیں۔''

''بولیں.....!'' بھابی نے لمبی سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

''ضروری نہیں کہ جو میں سوچ رہی ہوں..... ویسا ہی ہو..... کچھ اور بھی ہو سکتا ہے۔ مطلب..... ان کی دلچسپی اس طرح کی نہ ہو کہ جو ایسے کسی رشتے میں تبدیل ہو سکتی ہو..... اس وقت سب سے چھپ کر میرے

آنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ میں آپ سے مشورہ کروں۔''

''مسز شعیب.....! آپ تو پہیلیاں ہی بجھواتی چلی جا رہی ہیں.....اور میری جان حلق میں آ گئی ہے کہ نجانے آپ کہنا کیا چاہ رہی ہیں.....پلیز.....! آپ صاف صاف لفظوں میں اپنی بات کیوں نہیں کہتی ہو۔''

''اصل میں بات کچھ ایسی ہے نا.....! فطری طور پر جھجک تو آئے گی..... ورنہ میرا مزاج تو سیدھی سیدھی بات کہنے کا ہی ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ آپ کہیں ناراض نہ ہو جائیں.....'' مسز شعیب نے جھجکتے ہوئے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا تو بھابی مسکرا دیں اور بولی۔

''نہیں آپ کہئے.....میں سن رہی ہوں.....''

''میں اس وقت جبکہ سارے لوگ اپنے اپنے کام پر گئے ہوئے ہیں۔ یہ بات کرنے کیلئے اس لئے آئی ہوں کہ فائزہ اور زوہیب کی ذمہ داری ہم دونوں پر ہے۔ دونوں ہی کسی نہ کسی وجہ سے شادی پر رضا مند نہیں ہو رہے ہیں۔ اب اگر وہ خوش قسمتی سے مل گئے ہیں اور ان کی ایسی کوئی دلچسپی ہے تو ہمیں کوشش کرنی چاہئے اور.....'' مسز شعیب نے چمکتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بات کو ادھورا چھوڑ دیا۔

''بات تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں.....کرنے کو تو ہم بہت کچھ کر سکتی ہیں مگر.....''

''دیکھو بہن.....! سب سے چھپ کر آنے کا میرا مقصد یہی ہے کہ سوائے ہمارے کسی اور کو یہ بات معلوم نہ ہو.....اگر یہ بیل منڈھے چڑھتی ہوئی دکھائی دے تو ہمیں کوشش ضرور کرنی چاہئے اور اگر نہیں..... تو.....'' مسز شعیب نے فقرہ ادھورا چھوڑا تو اس میں کئی معنی پوشیدہ تھے۔ وہ بات جو لفظ نہیں کہتے' اس خاموشی نے کہہ دی۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔'' بھابی نے اس خاموشی کا مطلب سمجھتے ہوئے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''اب ہم نے کیا کرنا ہے' یہ بات آپ بھی اچھی طرح سمجھتی ہیں اور میں بھی.....دیکھیں.....جہاں تک زوہیب کی بات ہے۔ اس کے بارے میں آپ کو سب معلوم ہو چکا ہے.....اور مجھے اپنے دیور پر فخر بھی ہے کہ اس نے آج تک کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے ہمارا سر شرمندگی سے جھک جائے..... پھر بھی آپ اس کے بارے میں جو معلومات لینا چاہیں وہ لیں.....اور رہی فائزہ کی بات.....! مجھے یہ لڑکی بے حد پسند ہے..... بندہ پہلی نگاہ میں ہی پہچانا جاتا ہے اور میری نادیہ تو روزانہ اسے دیکھتی ہے۔ آج تک اس نے کسی کی اتنی تعریفیں نہیں کیں.....سو طرح سے فائزہ مجھے پسند ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہمارے خاندان کو ایسی بہو پر فخر ہوگا لیکن ایک بات ہے.....''

''وہ کیا.....؟'' بھابی نے تیزی سے سر اٹھایا.....

''یہی کہ اگر ہماری کوشش کسی طرح ناکام ہو جاتی ہیں.....تو ہم ایک دوسرے کو دوش نہیں دیں گی اور یہ بات ہم دونوں تک ہی محدود رہے گی.....''

''ٹھیک ہے ایسا ہی ہوگا.....'' بھابی نے بہت کچھ سمجھتے ہوئے سر ہلا دیا۔

''میں پھر یہ بات کہوں گی..... یہ معاملات خوشی کے ہیں اور زندگی بھر کا ساتھ ہے۔ یہ ساتھ ان

دونوں نے نبھانا ہے..... ہم ان پر اپنے فیصلے مسلط نہیں کریں گے..... ممکن ہے کہ ہم جو دیکھ رہے ہوں ویسا نہ ہوں.....! بہرحال..... ہمیں اپنے ضمیر کو مطمئن کرنا ہے۔''

''بالکل.....! اور یہ بھی تو ممکن ہے نا کہ ہمارے احساس دلانے پر وہ ایسا سوچنے پر مجبور ہو جائیں.....'' بھابی نے یوں کہا جیسے وہ خود کلامی کر رہی ہو۔

''ہاں۔! ممکن ہے، بہت کچھ ممکن ہے۔ جب ہم کوشش کریں گی تو صورت حال سامنے آجائے گی۔''

''ٹھیک ہے' میں آج ہی سے کوشش کرتی ہوں۔'' بھابی نے حتمی انداز میں کہا تو مسز شعیب اٹھ گئی۔

''اب مجھے چلنا چاہئے..... گھر میں نوکروں کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ اچھا خدا حافظ.....''

''خدا حافظ.....!'' بھابی نے دھیرے سے کہا اور پھر جاتی ہوئی مسز شعیب کو دیکھا جو واقعتاً اس کیلئے فرشتہ رحمت بن کے آئی تھی۔ ورنہ تو وہ فائزہ کی طرف سے مایوس ہو چکی تھی۔

☆☆☆

زندگی میں ٹھہراؤ آجانے کے بعد انسان اپنے جیون میں اک خلا محسوس کرتا ہے۔ ایسا خلا جس میں وہ خوش تو ہوتا ہی ہے اسے خود اپنا آپ بے معنی لگنے لگتا ہے۔ لیکن جب ٹھہراؤ ختم ہو جائے' خلا تحلیل ہوتے ہی تازہ ہوا کا جھونکا پورے وجود میں تازگی کا احساس بھر دے تو زندگی بھی خود کو تازہ دم محسوس کرنے لگتی ہے۔ ان دنوں زوہیب کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ جب وہ اس شہر سے گیا تھا' تب وہ تبدیلی کے عمل سے گزر رہا تھا۔ یہ عمل اُس کی زندگی پر اس قدر محیط ہو گیا کہ جب تک وہ دوبارہ اس شہر میں نہیں آیا خود کو خلا میں محسوس کر رہا تھا۔ وہ خود کو بدل تو رہا تھا لیکن اسے اس تبدیلی کا کوئی مقصد سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ وہ کیوں یہ سب کچھ کر رہا ہے' کس کیلئے کر رہا ہے؟ اس کے جواب میں کبھی کبھی یہ سوچ آ جاتی کہ معاشرے میں خود کو اچھا ثابت کرنے کیلئے۔ وہ اس جواب سے کبھی مطمئن نہیں ہو پایا تھا۔ اک خلا تھا جس میں وہ اپنی زندگی گزارتا چلا جا رہا تھا۔ شاید لاشعور کی تنہائیوں میں اس کا اچھا پن اسے مطمئن کئے ہوئے تھا۔ لیکن شعوری طور پر وہ بے چینی محسوس کرتا چلا جا رہا تھا۔

وہ جب دوبارہ اس شہر میں آیا اور اس کی ملاقات فائزہ حسن سے ہوئی تو یہ بے چینی دھیرے دھیرے کم ہوتی چلی گئی۔ وہ سوال جو کبھی جواب نہ ملنے پر اسے تجسس کی سولی پر لٹکا دیا کرتے تھے۔ ان کی اذیت اب کم ہو کر ختم ہونے لگی۔ وہ شاید شعوری شور پر بھی اطمینان محسوس کرنے لگا تھا۔ اگرچہ مہوش فاطمہ اس کی زندگی پر بہت حد تک اثر انداز تھی اور تبدیلی کی راہیں وہ اسی کی باتوں سے متعین کر لیا کرتا تھا لیکن بہت ساری تشنگی رہ جایا کرتی تھی۔ اگر کہیں اس کا رابطہ مہوش فاطمہ سے ہوتا تو شاید وہ بہت زیادہ سفر کم وقت میں طے کر گیا ہوتا۔ مانا کہ مہوش اس کی بہت ساری الجھنوں کو سلجھا دیا کرتی تھی۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ الجھن بڑھ جایا کرتی تھی۔ تب اسے شدت سے یہ احساس ہوا کرتا تھا کہ دو طرفہ ابلاغ زندگی میں کس قدر اہمیت رکھتا ہے۔ فائزہ حسن سے ملاقات کے بعد اسے یوں محسوس ہوا تھا کہ جیسے مہوش فاطمہ اس کے سامنے آ بیٹھی ہے اور وہ بے چینیاں جو اسے ڈسٹرب کر دیا کرتی تھیں اب اطمینان میں بدل گئی تھیں۔ ایسے ہی ایک دن اس نے یہ سوال

فائزہ حسن سے کر دیا تھا۔ جب وہ ایک پارک میں چہل قدمی کے سے انداز میں چلتے چلے جا رہے تھے۔

''فائزہ.....! جب سے آپ مجھے ملی ہو' کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے کہ جیسے فائزہ کے روپ میں مہوش فاطمہ میرے سامنے آ گئی ہے۔ ایسا احساس کیوں ہے؟''

زوہیب عام سے انداز میں یہ بات بڑے اطمینان سے کہہ گیا تھا لیکن فائزہ پوری جان سے لرز گئی تھی۔ ایک لمحے کو تو اسے یوں لگا کہ جیسے زوہیب اس کے بارے میں جان گیا ہے اور گھما پھیرا کے اسی سے اگلوانا چاہتا ہے کہ وہی مہوش فاطمہ ہے۔ وہ چند لمحے اس کشمکش میں رہی' پھر خود پر قابو پاتے ہوئے دھیرے سے بولی۔

''میں سمجھی نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں.....؟''

''میرے خیال میں ایسا مشکل سوال تو نہیں کیا میں نے جس کی سمجھ نہ آئے۔'' زوہیب ہنستے ہوئے بولا۔

''دیکھیں یہ احساس تو آپ کو ہوا ہے نا، مجھے نہیں' اس کے بارے میں آپ ہی کچھ کہہ سکتے ہیں۔'' فائزہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں.....! آپ کی بات تو ٹھیک ہے' چونکہ یہ میرا احساس ہے اس لئے میں ہی اس کی وضاحت کر سکتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کو خاموش ہوا اور پھر کہتا ہی چلا گیا۔ ''ایسے تو کئی ساری توجیہات میرے ذہن میں آتی ہیں۔ لیکن ان میں سے دو بہت اہم ہیں۔ میں کبھی کبھی ان پر بہت سوچتا ہوں۔''

''کون سی ہیں وہ دو توجیہات؟'' فائزہ نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا

''پہلی تو یہ ہے کہ آپ بھی مہوش فاطمہ کو پڑھتی ہیں..... وہ باتیں جو مجھے سمجھ نہیں آتی وہ آپ مجھے سمجھا دیتی ہیں آپ پر مہوش فاطمہ کے ہونے کا گماں یوں ہوتا ہے کہ مجھے سمجھانے کا جو انداز مہوش فاطمہ کا ہے' آپ بھی اسی انداز اور اسی سلیقے سے سمجھاتی ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف میرے ذہن میں یہ آتی ہے کہ یقیناً آپ اسے زیادہ سمجھتی ہیں۔ اسی لئے اس کے ریفرنس ہی میں بات کرتی ہیں۔''

''میں آپ کی بات سے اختلاف نہیں کروں گی..... ممکن ہے ایسا ہو اور ممکن ہے ایسا نہ بھی ہو۔ ویسے آپ نے اپنی توجیہہ کی وضاحت خود ہی کر دی ہے۔ چلیں.....! یہ تو ایک بات ہوئی، دوسری بات کیا ہے؟''

''ہاں دوسری بات.....!'' زوہیب نے قدرے خوش ہوتے ہوئے کہا جیسے یہی اس کی پسندیدہ توجیہہ ہے۔ اس لئے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں نے پوری شدت سے مہوش فاطمہ کو چاہا ہے۔ اس کے خیالات اور افکار کو خلوص سے سمجھنے اور اپنانے کی کوشش کی ہے۔ شاید یہ میرے خلوص اور توجہ کا ثمر ہے جو فائزہ کے روپ میں مہوش میرے سامنے موجود ہے۔ شاید یہ کوئی روحانی رابطہ ہے یا پھر خلوص طلب کا نتیجہ۔''

''زوہیب۔! اس توجیہہ کو تو آپ نے مسٹری سا بنا دیا ہے اور میں اس سے انکار بھی نہیں کر سکتی۔ اب اس روحانی واردات کے بارے میں آپ ہی اچھی طرح جانتے ہیں روحانی رابطہ، خلوص طلب سوری، زوہیب میں ایسے معاملات کو نہیں سمجھتی اور نہ ہی میرا کوئی ایسا روحانی مقام ہے کہ میں ان معاملات کو سمجھ سکوں۔''

''فائزہ۔! آپ تو میری ان توجیہات سے یوں انکار کر رہی ہیں جیسے آپ اس موضوع سے فرار حاصل کر رہی ہوں، حالانکہ پہلے کبھی کسی موضوع پر بات کرتے ہوئے آپ کا رویہ ایسا نہیں رہا'' وہ حیرت سے بولا۔

''دیکھیں.....! ایک بات میں سمجھتی ہی نہیں.....! میں اس پر کیا کہہ سکتی ہوں.....''

''تو آپ کو اس موضوع پر بات کرنا پسند نہیں آ رہی ہیں..... ویسے میں نے ایک صورتحال آپ کے سامنے رکھی تھی۔ ممکن تھا کہ آپ کے تبصرے سے کوئی نئی بات سامنے آ جائے۔'' زوہیب نے مایوسانہ انداز میں کہا اور پھر ان کے درمیان باتوں کا موضوع ہی بدل گیا تھا۔

زوہیب اس وقت چاچے عاشق کے ہوٹل پر بیٹھا ہوا تھا۔ علی اصغر ابھی تک نہیں پہنچا تھا اور وہ تنہا اپنے ہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ چھوٹے نے آ کر اسے ان خیالوں کی دنیا سے نکالا۔

''صاحب.....! چائے لاؤں؟'' چھوٹا اس کی طرف دیکھ کر معصومانہ انداز میں مسکرا رہا تھا۔

''نہیں یار.....! ابھی نہیں' وہ میرا دوست ابھی تک نہیں آیا' وہ آتا ہے تو پھر پیتے ہیں۔'' زوہیب نے کہا تو چھوٹا الٹے قدموں واپس چلا گیا۔

چند دنوں سے ان دونوں دوستوں کا یہ معمول بن چکا تھا کہ وہ یہیں اکٹھے ہوتے کچھ دیر باتیں کرتے اور پھر اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے۔ ایسا صرف اس لئے تھا کہ علی اصغر کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا تھا۔ پہلے وہ بہت زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزار لیتے تھے لیکن پھر دھیرے دھیرے علی اصغر دنیا کے معاملات میں الجھتا گیا۔ وہ بہت کم وقت دینے لگا تھا جس کا اسے شدت سے احساس بھی تھا۔ پھر اس نے ہی یہ فیصلہ کیا کہ وہ روزانہ چاچے عاشق کے ہوٹل پر آ جایا کرے گا اور وہیں تھوڑی دیر گپ شپ لگا لیا کریں گے۔ زوہیب بھی سمجھتا تھا کہ وہ ایک کاروباری آدمی ہے۔ کب تک اس کا ساتھ دے پائے گا۔ دوستی اور جذبات اپنی جگہ لیکن ذمے داریاں سب کچھ بھلا دیتی ہیں۔ اس دن زوہیب نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ علی اصغر سے صاف کہہ دے گا کہ اگر اسے یہاں آنے میں مشکل درپیش ہے تو مت آیا کرے۔ کیونکہ اس کے خیال میں دوستی جیسے پیارے رشتے میں بوجھ کا احساس نہیں ہونا چاہئے۔ یہ نہ صرف دوستی کی توہین ہے بلکہ اس خلوص کی بھی جو اس جذبے میں کارفرما ہوتا ہے۔ اس نے اپنی قیمتی گھڑی پر وقت دیکھا۔ یہی وہ وقت ہوتا تھا جب انہیں واپس جانا ہوتا تھا زوہیب مایوس ہو چکا تھا۔ وہ ان لمحوں میں چھوٹے کو چائے کا کہنے والا تھا کہ علی اصغر کی کار وہیں آ رکی..... سب نے پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ سوٹ میں ملبوس ٹائی لگائے کار سے اترا اور سیدھا اس کی طرف آیا۔

''سوری یار.....! آئی ایم رئیلی سوری.....! میں ایک میٹنگ میں ایسا پھنسا کہ نکل نہیں سکا۔ اب سیدھے وہاں سے یہاں آ رہا ہوں۔ مجھے احساس تھا کہ تم یہاں پر میرا انتظار کر رہے ہو گے اور وہی ہوا.....'' یہ کہہ کر علی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ تبھی چھوٹا کسی ہمزاد کی طرح ان کے پاس آن موجود ہوا۔ زوہیب نے اس کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔

''اب جاؤ اور دو چائے لے کر آؤ.....! ملائی مار کے.....''

''ابھی لایا صاحب.....!'' چھوٹا پھرکی کی مانند گھوم گیا اور تیزی سے کاؤنٹر کی جانب چل دیا۔ تبھی زوہیب بولا۔

''علی.....! اگر تم برا نہ مناؤ تو ایک بات کہوں؟''

''یہ مت کہنا کہ اگر مجھے کوئی مشکل پیش آتی ہے تو ہم یہاں نہیں آیا کریں گے۔ یہی کہنے والے تھے نا تم؟'' علی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا تو زوہیب نے ایک لمبا سانس لیا۔

''ہاں.....! یہی کہنے والا تھا۔'' اس نے اعتراف کرلیا۔

''نا یار.....! ایسا کبھی نہیں کہنا..... مانا اس وقت میرے پاس دولت ہے' اس شہر کے کاروباری حلقے میں میری عزت ہے پہچان ہے۔ یہ جو وقت میں تمہارے ساتھ اور خصوصاً یہاں بیٹھ کے گزارتا ہوں۔ یہ میں اپنی ساری دولت خرچ کرکے بھی حاصل نہیں کرسکتا۔ یہ سارا دورانیہ بے ریا ہے' خلوص ہے اس میں۔ کم از کم یہ مُنہ سے مت چھینو۔''

''میں تو تمہارے لئے کہہ رہا تھا۔'' زوہیب نے کہا تو علی بولا

''میں سمجھتا ہوں..... اسی لئے میں نے اس ذرا سے وقت کو ایڈجسٹ کیا ہے۔ جب تک تم ہو' اسے چلتے رہنے دو..... اور ہاں.....! میں یہ بھی جانتا ہوں کہ تمہارے پاس بہت زیادہ وقت ہوتا ہے۔ آہستہ آہستہ تم اکتاہٹ کا شکار ہو جاؤ گے اور واپس دوبئی چلے جانے کا سوچو گے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو.....! لیکن ابھی میں اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوا۔ جب بوریت محسوس کروں گا تو بلاشبہ واپس جانے کا ہی سوچوں گا۔'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔'' علی نے ایک دم کہا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''یار.....! تم ایک کام کیوں نہیں کرتے ہو۔''

''مطلب کون سا کام.....؟'' اس نے تجسس سے پوچھا۔

''تم ایسا کرو..... شادی کرلو.....! دیکھنا پھر وقت تمہیں کتنا اچھا لگا کرے گا۔ زندگی اک نئی ڈگر.....''

''فضول بکواس مت کرو..... اب بھی زندگی کون سا بوجھ ہے۔ مجھ پر۔ تم تو ایسا کہہ رہے ہو جیسے میں دنیا کا تنہا ترین آدمی ہوں اور مجھے دوسرے لوگوں کی ضرورت ہے تاکہ میں زندگی اچھے طریقے سے گزار سکوں۔''

''میں نے کب کہا ہے کہ زندگی تم پر بوجھ ہے۔ ماشاءاللہ تم ایک کامیاب بزنسمین ہو..... اللہ کا دیا ہوا سب کچھ تمہارے پاس ہے تم تنہا نہیں ہو.....! لیکن میں تمہاری اس بات سے اتفاق نہیں کروں گا کہ زندگی میں دوسرے لوگوں کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

''یار تم تو بحث برائے بحث کر رہے ہو یا پھر ذرا سی بات کا افسانہ بنا کر بات کو الجھا رہے ہو..... سیدھی سی بات ہے کہ میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا۔''

''کیوں..... وجہ بیان کی جائے؟'' علی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو زوہیب ایک دم سنجیدہ ہو گیا۔

''ہاں.....! وجہ ہے میرے پاس، دیکھو.....! ہر انسان کے پاس اپنی پسند اور ناپسند کا حق تو ہے نا.....

جس کے ساتھ اس نے زندگی گزارنی ہے اس کے بارے میں ایک خاص طرح کی پسند اس کے ذہن میں ہوتی ہے۔تو سمجھ لو کہ مجھے میری پسند کی کوئی ایسی لڑکی دکھائی نہیں دی جس سے میں شادی کی خواہش کروں۔''

''ممکن ہے جو تمہیں پسند آ جائے ،وہ تجھے ناپسند کر دے۔'' علی نے جھٹ سے کہا تو زوہیب ہنس دیا۔

''بہت کچھ ممکن ہے میری جان..... اس لئے میں اس کھیل میں نہیں پڑتا۔ میں جہاں ہوں' خوش ہوں۔ ہاں اگر مجھے میری پسند کی کوئی لڑکی مل گئی تو میں ضرور شادی کروں گا.....'' زوہیب نے کہا تو علی ایک دم سے خاموش ہو گیا۔ کتنے ہی لمحے خاموشی نے نگل ئے۔ اس دوران چھوٹا اس کے سامنے چائے رکھ کر چلا گیا۔ ایک لمحے کیلئے وہ بھی حیران ہوا کہ یہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے خاموش کیوں ہیں.....! علی نے اپنے سامنے کپ سیدھا کیا اور بولا۔

''اچھا یار.....! اک بات بتاؤ، تمہارا آئیڈیل کیا ہے۔ مطلب تم اپنے جیون ساتھی کے بارے میں کس طرح کا سوچتے ہو، وہ کیسی ہونی چاہئے۔''

''ہاں.....! یہ تو کوئی بات ہوئی نا، جس پر بات کی جا سکے۔'' زوہیب نے چائے کا سپ لے کر کہا۔ پھر ایک اور سپ لے کر بولا۔''دیکھو.....! میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں نے مہوش فاطمہ.....''

''او یار.....!'' علی ایک دم سے چڑ گیا۔''مجھے تو یہ تمہاری مہوش فاطمہ زہر لگنے لگی ہے۔ ہر بات میں اسی کا حوالہ' وہ کوئی لکھاری نہ ہو گئی' آسمانی صحیفہ ہو گئی۔ میرا دل کرتا ہے کہ اگر وہ میرے سامنے آ جائے تو میں اس کا گلا ہی دبا دوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ جیسے واقع میں وہ اس ارادے میں سنجیدہ ہو۔

''اچھا تم میری بات سننا چاہو گے یا نہیں۔'' زوہیب نے اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کہا۔

''سننا تو پڑے گی اب۔ میری غلطی ہے کہ میں نے اس بارے میں تم سے بات کر لی۔ مجھے تو احساس ہی نہیں تھا کہ زندگی کے اس اہم ترین فیصلے میں تم مہوش فاطمہ کو کیسے نظر انداز کر سکتے ہو۔ اب جو اس ان دیکھی بے چاری لڑکی کے خدوخال واضح ہوں گے تو محترم مہوش کے اقوال زریں کی روشنی میں ہوں گے اور ظاہر ہے جو اقوال زریں ہوں گے ان میں اس جہاں کی کسی لڑکی کا ہیولا نہیں کسی اپسرا کے نقش و نگار واضح ہوں گے۔ میں سمجھ چکا ہوں کہ آخر میں تم کیا کہو گے لیکن میں پھر بھی تیری بکواس سنوں گا۔''

''کہہ چکے.....! اب میری سنو۔'' زوہیب نے اس کی بات کا برا نہ مناتے ہوئے آرام سے کہا تو علی نے اس کی بات نہ سنتے ہوئے ایک لمبا سا گھونٹ لیا۔ پھر اس کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے کوئی جبراً بات سنتا ہے۔ زوہیب مسکرا دیا اور بولا۔''دیکھو.....! جس طرح مہوش فاطمہ نے مجھ پر اثر کیا ہے اور میں نے خود کو اس کی پسند اور ناپسند کے مطابق ڈھالا ہے۔ بالکل اسی طرح کوئی لڑکی بھی تو اس کے اثر میں ہو گی..... اس نے بھی تو خود کو ڈھالا ہو گا..... ایسی لڑکی اگر مجھے مل جائے۔ تو بلاشبہ میری زندگی اس کے ساتھ بہت اچھے انداز میں گزرے گی۔''

''یہاں مہوش فاطمہ کا پتہ نہیں چل رہا ہے کہ وہ محترمہ کون ہے۔ اب اس کے زیر اثر لڑکی کس طرح

تلاش کریں۔ یہ تو ناممکن سی بات ہے نا۔''

''نہیں' میں اسے ناممکن نہیں سمجھتا' ایسا ہوگا۔ ضرور کہیں پر ایسا ہوگا۔ ایسی لڑکی اگر مجھے نہیں ملتی تو یہ ایک الگ بات ہے۔''

''چلو.....! انتظار کرتے ہیں۔ اگر ایسی کوئی مل گئی تو۔'' یہ کہتے ہوئے علی نے چائے کے کپ کی طرف دیکھا اور کہا ''چائے پی لی ہے نا تم نے تو آؤ چلیں.....''

اس کے یوں کہنے پر زوہیب ہنس دیا۔ پھر ایک نوٹ نکال کر کپ کے نیچے رکھا اور اٹھ گیا۔

علی اپنی کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا تو زوہیب پسنجر سیٹ پر آن بیٹھا۔ تبھی علی نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے اگر وہ مہوش فاطمہ کہیں مل جائے نا تو میں اس سے پوچھو کہ تم نے کس کس کا دماغ خراب کر رکھا ہے یا کم از کم اسے یہ مشورہ ہی دوں کہ تم جیسے لوگوں کو صحیح راستے پر چلنے کی تلقین کرے۔ مجھے اس سے ملنے کی زبردست خواہش ہے۔''

''لیکن مجھے نہیں۔'' زوہیب نے دھیرے سے کہا۔ یہ کہتے ہوئے اس کے ذہن پر فائزہ اپنے پورے وجود کے ساتھ چھا گئی تھی۔

☆☆☆

اس وقت فائزہ عصر کی نماز سے فارغ ہو چکی تھی۔ یہی وہ لمحات ہوتے تھے جب وہ لکھنے کے موڈ میں ہوا کرتی تھی۔ اس نے جائے نماز کو تہہ کیا اور ایک جانب رکھ کر اپنی کرسی پر آ بیٹھی اس نے کلپ بورڈ سیدھا کیا۔ تبھی اس نے میز پر کمی محسوس کی۔ ابھی تک اس کی چائے نہیں آئی۔ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ نماز پڑھ رہی ہو اور اس دوران چائے اس کی میز پر نہ رکھ دی گئی ہو۔ وہ اس بابت ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ بھابی اس کے کمرے میں آ گئی۔ اس کے ہاتھ میں ٹرے تھی جس میں دو مگ رکھے ہوئے تھے۔

''سوری.....! تمہاری چائے کیلئے دیر ہو گئی۔'' بھابی نے ٹرے میز پر رکھتے ہوئے کہا اور پھر دوسری کرسی پر بیٹھ گئی۔

''بھابی۔! آپ یوں کیوں کہہ رہی ہیں۔ کیوں شرمندہ کر رہی ہیں آپ؟'' فائزہ نے حیرت سے کہا۔

''وہ ثناء تمہارے لئے چائے لا رہی تھی مگر میں نے خود ہی منع کر دیا۔ میں آج تم سے کچھ باتیں کرنا چاہ رہی تھی۔'' بھابی نے قدرے احتیاط سے کہا۔ وہ فائزہ کا موڈ دیکھنا چاہ رہی تھی۔

''بھابی۔! آج آپ کیا تکلفات میں پڑی ہوئی ہیں، آپ مجھے بلوا لیتیں۔ اب یہ کام اتنا بھی ضروری نہیں تھا کہ میں آپ کی بات نہ سن سکوں.....''

''وہ بات یہیں پر کرنے والی تھی، یہاں تمہارے کمرے میں کوئی نہیں آتا نا اس لئے۔'' وہ قدرے مسکراتے ہوئے بولی۔

''بھابی۔! ایسی بھی کیا بات ہو گئی ہے جو آپ اتنے اہتمام سے مجھ کم عقل کے ساتھ کوئی بات کرنا چاہ

رہی ہیں.....'' فائزہ نے سیدھی ہوتے ہوئے کہا۔

''بات اہم ہے نا اور کس قدر ضروری ہے اس کا اندازہ تم کر سکتی ہو..... اس لئے میری بات بہت ٹھنڈے دل سے اور پوری سنجیدگی سے سننا۔'' بھابی اب بھی احتیاط کا دامن پکڑے ہوئے تھی۔ سو فائزہ نے کہا۔

''بھابی اب بات کہہ بھی دیں نا..... کیوں اتنا سسپنس پھیلا رہی ہیں۔''

''دیکھو فائزہ.....! میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی بیٹی خیال کیا ہے۔ اس کا اندازہ ہے بھی تمہیں۔'' یہ کہہ وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوگئی۔ فائزہ کو چپ دیکھ کر وہ کہنے لگی۔ ''کوئی بھی اپنے جگر گوشے کو خود سے الگ نہیں کرنا چاہتا لیکن یہ رسم دنیا ہے اور والدین پر فرض کہ وہ اپنی بیٹیوں کو.....''

''میں سمجھ گئی آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔ آپ بلا تمہید وہ بات کریں جو کہنا چاہتی ہیں۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس سے بھابی کو قدرے حوصلہ ہوا۔ اس نے بڑے مان سے کہا۔

''فائزہ.....! میں ساری زندگی تمہیں اپنی جان کے ساتھ لگا کر رکھ سکتی ہوں۔ لیکن کیا کروں اب دنیا سے کہنے کیلئے میرے پاس کوئی بہانہ نہیں ہے۔ پہلے تم پڑھ رہی تھی۔ لیکن اب تمہیں جاب کرتے ہوئے بھی ایک سال سے زیادہ ہوگیا ہے۔ اس لئے میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں۔''

''آپ کو تو پتہ ہے کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔ پچھلے دو سال سے آپ نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا تو اب اچانک ایسا کیا ہوگیا ہے؟'' اس نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''ہوا کچھ نہیں ہے..... میں بس تمہاری طرف سے کسی ایسے عندیے کا اظہار چاہتی تھی۔ یہ میرا فرض ہے میری جان.....! تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تمہارے بھائی نے یہ ذمہ داری مجھ پر ڈال رکھی ہے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے..... میں اس ذمہ داری کو سمجھتی ہوں..... آپ کے جذبات اور فرض کو بھی..... لیکن جہاں تک میرے عندیے کی بات ہے۔ وہ پہلے بھی وہی تھا اب بھی وہی ہے کہ میں شادی نہیں کرنا چاہتی۔'' فائزہ نے بات سمجھنے کی خاطر کہا۔

''دیکھو چندا۔! لڑکی کی ایک خاص حد ہوتی ہے عمر کی' تب تک اس کے رشتے آتے ہیں۔ پھر اس مقصد کیلئے کوئی بھی گھر کی چوکھٹ پر قدم نہیں رکھتا۔ اب وقت ہے۔'' بھابی نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

''آپ کے کہنے کا مطلب ہے کہ ان دنوں میرے لئے کوئی رشتہ آ گیا ہے اور آپ اس کیلئے یوں تمہید باندھ کر اپنا مدعا بیان کرنا چاہتی ہیں۔'' فائزہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ اسے اپنی بھابی پر ترس آ رہا تھا۔

''ہاں.....! ایک رشتہ آیا ہے۔ لیکن کسی بھی طرح انکار سے پہلے اس پر غور ضرور کرنا۔ ایسا رشتہ نہ اب تک آیا ہے اور میرے خیال میں ایسا آئے گا بھی نہیں..... کہو تو میں تمہیں بتا دیتی ہوں۔''

''نہیں بھابی، آپ مجھے مت بتائیے پلیز..... میں شادی کرنا ہی نہیں چاہتی اور اگر میری شادی ہو بھی گئی تو وہ برقرار نہیں رہ پائے گی..... اس لئے آپ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔''

''لیکن فائزہ..... ہم دنیا والوں کو.....'' بھابی نے کہنا چاہا تو اس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''دنیا والوں کو ماریں گولی..... مجھے ان کی پرواہ نہیں ہے۔ اگر کسی کے پاس اتنا وقت ہے کہ وہ باتیں

بنائے تو بناتا رہے۔ مجھے آپ کی' بھائی جان کی پرواہ ہے۔ آپ مجھے یہ بتائیں..... آج تک میرے کردار کے بارے میں آپ کو شک تک ہوا ہے؟''

''نہیں فائزہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہمیں تم پر فخر ہے۔'' بھابی نے پیار سے کہا۔

''تو انشاء اللہ، آپ کا یہ فخر آئندہ بھی قائم رہے گا۔ میں کچھ ایسا کر ہی نہیں سکتی' جس سے آپ کی نگاہیں کسی کے سامنے جھک سکیں۔ جس دن میں نے خود کو کمزور سمجھا' وہی میری زندگی کا آخری دن ہوگا۔''

''تم اس قدر سخت انداز میں کیوں سوچتی ہوں۔ میرے خیال میں اگر تم اس رشتے کے بارے میں سن لو تو شاید تم اپنے خیالات پر نظر ثانی کر سکو۔''

''ایسا کون سا رشتہ ہے؟'' فائزہ نے عام سے انداز میں کہا اور چائے کیلئے سپ بھرا۔ تو بھابی نے بہت خلوص سے کہا۔

''زوہیب کیلئے ان لوگوں نے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے۔''

''واؤ.....!'' فائزہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''وہ بھی عام لوگوں میں سے ایک نکلا۔ میں تو سمجھتی تھی کہ وہ میرے اس طرح ملنے جلنے کو غلط رنگ میں نہیں دیکھے گا۔ میری محنت اکارت گئی۔'' اس نے انتہائی مایوسانہ انداز میں کہا تھا۔ اس کے لہجے میں دکھ چھلک اٹھا تھا۔

''کیا کہا تم نے؟'' بھابی حیرت زدہ رہ گئی۔ ''کون سی محنت..... کیسا عام آدمی؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''بھابی یہ آپ کے سمجھنے کی باتیں نہیں ہیں پلیز۔'' اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا اور پھر چونکتے ہوئے بولی۔ ''اور ہاں.....! اگر آپ نے میرے اور اس کے ملنے جلنے سے کوئی ایسا نتیجہ اخذ کیا ہے تو بہت غلط ہے آپ سب کو ایسا تاثر نہیں لینا چاہئے تھا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک لمحہ کو خاموش ہوئی اور پھر بولی ''شاید اس میں میرا بھی قصور ہے۔ مجھے یوں اس سے نہیں ملنا چاہئے تھا۔ نہیں بھابی.....! ایسا کچھ نہیں ہے اور آئندہ آپ کو یہ تاثر نہیں ملے گا۔ پلیز آپ نے جو سوچا' ویسا نہیں ہے۔ اس بات کو آپ یہیں ختم کر دیں۔''

''فائزہ۔! میری جان بات کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ یہ خواہش اس کی بھابی نے مجھ سے کی ہے۔''

''ہاں۔! اس نے بھی ایسا ہی تاثر لیا ہوگا نا۔ وہ یہی سمجھی ہوگی۔'' یہ کہہ کر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے بھابی کی طرف دیکھا اور بہت پیار سے کہا۔ ''بھابی پلیز' آپ اس بات کو بھول جائیں۔ میرے بھائی تک یہ بات پہنچا دیں کہ اس کی بہن اپنے کردار میں اتنی مضبوط ہے کہ اس کی عزت پر کبھی آنچ نہیں آئے گی۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''لیکن اگر.....'' بھابی نے کہنا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔

''کچھ بھی نہیں بھابی..... ایسا تو ممکن ہی نہیں ہے۔ میری ذات کے حوالے سے رائی سے پہاڑ کے بارے اگر سوچا گیا ہے تو بلاشبہ اس میں میری کوتاہی ہے۔ بھابی، اب آپ مزید اس موضوع پر بات نہ کریں ورنہ میں خود کو خطاوار سمجھنے پر مجبور ہو جاؤں گی۔'' فائزہ یہ کہتے ہوئے روہانسی ہوگئی۔

''نہ..... نہ میری بیٹی..... ایسا مت سوچ' وہ تو فقط انہوں نے خواہش کی تھی۔ خیر.....! تم کچھ مت سوچو۔ میں خود انہیں منع کر دوں گی۔'' بھابی نے کہا اور جانے کیلئے اٹھ گئی اور وہ سوچوں کے بھنور میں آن پڑی۔

یہ زندگی بھی کیا عجیب تماشے دکھاتی ہے۔ کبھی کبھی انسان خود کو کتنا بے بس تصور کرتا ہے۔ اس کے ذہن میں زوہیب کے متعلق ایسی کوئی بات نہیں تھی جس کا تاثر بھابی نے اس سے کہا۔ انہوں نے تو شاید بلاشبہ یہی سمجھا تھا کہ شاید کوئی محبت کی کہانی شروع ہوگئی ہے۔ وہ تو اسے اپنی کہانی کا ایک کردار سمجھ کر اس کے تجزیئے میں لگی ہوئی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ اس کے خیالات و افکار نے کسی انسان پر کیا اثرات مرتب کئے ہیں۔ اس کے خیالات کو بغور پڑھنے والا اپنی سوچ کو کس نہج پر ڈالتا ہے۔ تبدیلی کا عمل کس حد تک ہے اور نجانے ایسے کئی سوال تھے جن کے جواب جاننے کا اسے بے حد تجسس تھا لیکن.....! یہ کیا ہوا.....؟ اس کی ذات کو زوہیب کے ساتھ اک ایسے حوالے کے ساتھ جوڑا جا رہا ہے۔ جو اس کے خیال و گمان میں بھی نہیں۔ اسے اس قدر زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ دو ہی آپشن تھے۔ جو ان دونوں کی ملاقاتوں کو دوسروں نے کسی اور ہی رنگ میں دیکھا تھا۔ جو انہوں نے تاثر لیا وہ اس کے سامنے آ گیا یا پھر زوہیب نے اس کے اچھے رویے کو ایک خاص انداز سے دیکھا اور اس نے اس انداز میں بات کو بڑھانے کیلئے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔ اب اسے سوچنا یہی تھا کہ ان دونوں آپشن میں سے کون سا درست ہے؟ وہ یونہی بدگمانی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے صحیح وجہ تک پہنچنا تھا۔

فائزہ کے خیال میں تو وہ طوفان آ کر ٹل گیا تھا۔ دو سال پہلے بھابی نے کس قدر زور لگایا تھا کہ وہ شادی کر لے مگر..... وہ شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کی ایک اپنی وجہ تھی۔ وہ شخص جس کا اس نے چہرہ تک نہیں دیکھا تھا' اس کی آواز کا اک تعلق تھا۔ بس اس شخص کا احسان فائزہ نے اپنی ذات میں اتار لیا۔ وہ اس کی تلاش چاہتی تھی۔ اس کی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی تھی کہ وہ اس شخص سے ملے اسے دیکھے' اس سے اظہار کرے کہ اس نے کتنا بڑا احسان کیا ہے اس کی ذات پر۔ وہ ان دیکھا شخص دھیرے دھیرے اس کی ذات کا حصہ بن گیا تو اس کی ساری سوچوں کا محور وہی شخص بن گیا۔ اس کی کہی ہوئی اک بات تو جیسے اس کی زندگی کا نصب العین بن گئی تھی۔ اس کے کانوں میں ہمیشہ اس کی بات گونجتی رہتی۔ ''اپنی عزت کا خیال رکھنا' یہی متاع زندگی ہے۔'' یہ بات تو جیسے کنکر تھا جو اس کی ٹھہری ہوئی زندگی کے تالاب میں سوچ کے دائروں کا باعث بن گیا۔ اس نے سوچ لیا کہ وہ اس متاع کو کبھی ضائع نہیں کرے گی۔ احسان مند ہونے کا احساس دھیرے دھیرے اپنا روپ بدلنے لگا۔ جب اس کی دعاؤں میں وہ شخص رہنے لگا۔ وہ اپنی محبت میں منفرد ہوگئی۔ وہ اک ایسے ان دیکھے شخص سے محبت کرنے لگی' جسے دوبارہ دیکھنے کی تمنا اس میں شدت اختیار کرنے لگی۔ اس کی دعاؤں میں زیادہ خلوص آنے لگا۔ وہ محبت کی اس راہ پر چل نکلی جس کی منزل عشق سے بھی آگے تک جاتی تھی۔ جس وقت اس نے کہانی لکھی تھی' تب اس کے ذہن میں یہ احساس تک نہیں تھا کہ یہ بھی کسی تک پیغام پہنچانے کا وسیلہ بن سکتی ہے۔ وہ تو اندر کی ایک جولانی تھی' کچھ کہنے کا احساس تھا۔ اس دھویں کے اخراج کا ایک ذریعہ تھا جو کبھی کبھی اس کی آنکھوں کو جل تھل کر دیا کرتا تھا۔ لیکن پھر اسے یہ سمجھ آنے لگی کہ وہ اس شخص تک اپنی بات تو پہنچا دیتی ہے۔ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ ممکن ہے اس کے لکھے ہوئے لفظ اس تک پہنچ ہی نہ سکیں' وہ پڑھے ہی..... مگر وہ ایک یقین کے ساتھ لکھتی چلی جا رہی تھی۔ جس طرح اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ وہ کون ہے؟

کہاں رہتا ہے؟ کیا ہے؟ اسی طرح وہ ہواؤں میں اپنا پیغام چھوڑ رہی تھی۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس کی دعائیں رنگ لائیں گی..... ایک دن وہ اس کے سامنے ضرور آئے گا۔ اسی یقین اور محبت میں سرشار اپنے وجود میں کھوئی ہوئی تھی۔ اسے ہوش ہی نہیں تھا کہ دنیا کہاں بس رہی ہے..... اور بھابی اسے معاشرے کے بارے میں بتانے آ گئی تھی۔ رسم دنیا کی دلیل دے کر پورے وجود کو توڑ پھوڑ دینے کا کہہ رہی تھی۔ کیا وہ ایسا کر سکتی تھی؟ جب اس نے اپنے آپ سے سوال کیا تو جواب یہی آیا کہ بہت مشکل ہے بلکہ ناممکن۔

اسے اپنی بے بسی پر ترس آنے لگا۔ وہ کسی کو یہ بتا بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ زوہیب سے کیوں ملتی ہے۔ وہ تو اسے صرف اپنی کہانی کا ایک کردار سمجھتی ہے۔ لیکن کون مانے گا؟ کیا وہ فائزہ حسن بن کر یہ بات کہہ سکتی ہے؟ وہ زوہیب جو اسے مہوش فاطمہ کا دوسرا روپ ماننے کا دعویٰ کر رہا تھا کیا وہ اس کی اس دلیل کو مان لے گا' کیا وہ اس سے ہتک محسوس نہیں کرے گا کہ فائزہ نے اسے محض ایک ایسی شے تصور کر لیا ہے جس پر تجربہ کیا جا سکے' کیا زوہیب کی سوچ اس کے بارے میں ایسی ہے جس کا اظہار بھابی نے کیا؟ یہ سوچتے ہوئے وہ لرز گئی۔ اسے یہ افسوس نہیں تھا کہ زوہیب ایسا کیوں ہے' بلکہ اسے اپنی محبت' ریاضت اور یقین کے ٹوٹ جانے کا دکھ ہو رہا تھا۔ کیا اس کی ساری محنت' ساری ریاضت اور سارا یقین رائیگاں گیا۔ اس کی کہانیوں کا لفظ لفظ بے اثر تھا۔ ان کہانیوں کو سوچنے' ان کو لکھنے اور کہانیوں کے کرداروں کو لکھتے ہوئے اپنے اندر جذبات کی ہلچل' سب اکارت گیا۔ وہ راتیں جو آنکھوں میں کٹیں تھیں بے فیض گئیں؟ وہ خود کو دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں محسوس کرنے لگی۔

ان لمحات میں اس نے خود کو بہت بے بس محسوس کیا..... اس نے یہ سب کچھ اپنے اندر سمایا ہوا تھا۔ کسی کو ہوا تک نہیں لگنے دی۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ راز بھی قوت ہوتا ہے۔ جب تک وجود میں سمایا رہے اک بے کراں قوت کی طرح انسان کو مضبوط رکھتا ہے لیکن جیسے ہی وہ راز اپنے وجود سے باہر نکال دیا تو پھر اس کی ذرا سی بھی اہمیت نہیں رہتی' انسان ناتواں ہو جاتا ہے۔ وہ خود کو بہت مضبوط خیال کرتی آئی تھی اور اس نے خود کو مضبوط ثابت بھی کیا تھا..... لیکن' انسان ہے اپنا دکھ دوسرے سے کہنے کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہے۔ ان لمحات میں فائزہ کی یہ خواہش شدت سے تھی کہ وہ آ جائے اور وہ اس کے کاندھے پر سر رکھ کر اپنا سارا دکھ اس سے کہہ دے۔ اسے احساس دلائے کہ وہ اس کی خاطر کچھ کرتی رہی ہے۔ وہ اس کے لوٹ آنے کی آس میں کس قدر پرخلوص تھی۔ یہی سوچتے ہوئے اچانک اسے خیال آیا، نہیں..... وہ خود کو نہیں گرائے گی۔ بے بسی کے یہ لمحات اس کا امتحان تھے۔ وہ کسی سے اپنا دکھ کہے بغیر اس امتحان میں سرخرو ہو گی۔ اس نے کہیں پڑھا تھا کہ انسان اس وقت ہارتا ہے جب وہ اندر سے بے بس ہو جائے۔ ورنہ باہر سے آنے والے طوفان اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ اچانک ہی اس بے بسی کے حصار سے نکل آئی۔ اسے اپنے اردگرد کا ماحول دھندلا دکھائی دے رہا تھا۔ تب اسے احساس ہوا کہ اس کی آنکھیں بھیگ چکی ہیں۔ اس نے دھیرے سے پلکوں پر اٹکے ہوئے اشکوں کو اپنی ہتھیلی کی پشت سے صاف کیا۔ وہ پھر سے ایک مضبوط فائزہ حسن بن چکی تھی' جو اپنی محبت میں منفرد تھی۔

☆☆☆

وہ ایک روشن صبح تھی۔ زوہیب ناشتہ کر چکا تھا اور چائے پیتے ہوئے اس کا دھیان علی اصغر کی ان

باتوں کی طرف تھا جو اس نے رات بہت شدت سے کہی تھیں۔ اگرچہ اس نے کوئی نئی بات نہیں کہی تھی۔ پچھلے ایک ہفتے سے جو وہ بات کر رہا تھا اسی کا تسلسل تھا لیکن شدت بہرحال نئی تھی۔ وہ حیران تھا کہ علی اصغر اس کی شادی کروا دینے پر کیوں تلا ہوا ہے۔ اس وقت علی اصغر کی کہی ہوئی باتیں اور شدتیں کہیں پس منظر میں تھیں مگر ایک بات اس کی سوچوں کا در کھولنے کیلئے بے تاب تھی۔ اس نے کہا تھا کہ جس طرح تم مہوش فاطمہ کے خیالات و افکار کے زیر اثر ہو۔ تو یہ ممکن ہے کہ کوئی لڑکی بھی ایسے ہی تمہاری طرح اس سے متاثر ہو..... اس نے بھی خود کو مہوش فاطمہ کی پسند و ناپسند کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہو؟ پہلی بات تو یہ تھی کہ کیا ایسا ممکن ہے؟ دوسری بات یہ تھی کہ اگر ایسا ممکن ہے تو پھر اس تک کیسے پہنچا جائے؟ یہ تو بعد کی بات تھی نا کہ اس سے مل کر امید بر آتی ہے یا مایوسی سے سامنا ہوتا ہے۔ وہ اس پر سوچنا چاہتا تھا۔ یہی سوچیں اس کے اندر تجسس کا ایک جہاں بیدار کر رہی تھی۔ وہ خود کو بھرا بھرا محسوس کر رہا تھا۔ یوں جیسے اک نئی توانائی اس کے اندر آ گئی ہو اور اسے کچھ نہ کچھ کرنے پر آمادہ کرتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ اسی نہج پر سوچتا چلا جا رہا تھا۔ جس قدر یہ سوچ اس کے دماغ میں اٹھان بھر رہی تھی' ویسے ہی وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ یوں جیسے انسان اپنی پسندیدہ شے کو پانے کیلئے پرجوش ہوتا ہے اور اس کا دوران خون تیز سے تیز تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ پسندیدہ شے کے حصول بارے سوچنا ہی لطف اندوزی کا بہانہ بن جاتا ہے۔ انہی لمحات میں جب کہ لطف اندوزی کی ابتدائی مرحلے میں ہی تھا' ابھی وہ سوچوں کے سفر پر چند قدم ہی چلا تھا کہ بھابی کی آواز پر چونک گیا۔

''زوہیب۔! خیریت تو ہے نا تم یوں بت بنے ہوئے بیٹھے ہو.....'' مسز شعیب اس کے سامنے بیٹھی اسے حیرت سے دیکھ رہی تھی۔ وہ لمحے میں سوچوں کی دنیا سے نکل کر حقیقت کے جہاں میں آ گیا۔ تبھی وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''کچھ نہیں بھابی..... بس یونہی.....''

''بندہ اتنا کھو جاتا ہے..... تمہیں تو یہ ہوش بھی نہیں ہے کہ تم خالی کپ ہی میز پر رکھ دو.....'' اس نے زوہیب کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے خالی کپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ جھینپ گیا۔ منہ سے ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ بس مسکرا کر رہ گیا۔ اس پر بھابی ہنستے ہوئے بولی۔ ''اب میں تمہیں یہ تو نہیں کہوں گی کہ تم یہ بھاری بھاری کتابیں' رسالے اور اخبار پڑھنا چھوڑ دو..... ظاہر ہے جب بندے کے پاس کرنے کیلئے کچھ نہ ہو تو اس نے کہیں نہ کہیں تو اپنا مغز کھپانا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔'' اس نے بھابی کے کہنے کی وضاحت چاہیے

''صاف بات ہے میرے بھائی.....! تمہاری شادی ہو گئی ہوتی نا' تب پھر میں دیکھتی کہ تم اتنا کیسے پڑھتے۔ زندگی بدل کر رہ جاتی ہے۔''

''بھابی۔! میں آپ سے بحث تو نہیں کر سکتا نا۔ شادی زندگی نہیں ہے ہاں مگر زندگی کا ایک حصہ ضرور ہے اور وہ لوگ جو اپنی توجہ کسی اور جانب لگائے ہوئے ہیں۔ وہ اگر ضرورت محسوس نہیں کرتے تو میرا خیال ہے.....''

''تمہارا خیال غلط ہے.....'' بھابی نے اس کی بات ٹوکتے ہوئے کہا۔'' مجھے نہ بحث کرنا آتی ہے اور نہ ہی میں تیری طرح دلائل دے سکتی ہوں۔ میں تو سیدھی بات جانتی ہوں کہ جس معاشرے میں ہم سانس لے رہے ہیں ہمیں اس کے مطابق چلنا ہوگا۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں.....لیکن میں سمجھتا ہوں کہ غلط میں بھی نہیں ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے بات کو سمیٹ لینا چاہا تاکہ بھابی کے ساتھ بحث کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ اس کی اسی نرمی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھابی نے بہت پیار سے کہا۔

''زوہیب.....! اگر تم چاہو.....اور ہماری بات مان جاؤ تو ہم تمہاری شادی کر دیں ایک فقط تمہاری ہاں کی ضرورت ہے۔ باقی سب میں دیکھ لوں گی۔ میں نے تو..... میں نے تو.....لڑکی بھی دیکھ لی.....'' بھابی نے یوں کہا۔ جیسے ایک بہت بڑا معرکہ سر کر لیا ہو۔ زوہیب اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتا رہا تو بھابی اپنی رو میں کہتی چلی گئی.....''یقین جانو.....! تم اس کے ساتھ اور وہ تمہارے ساتھ بہت خوش رہے گی۔ بالکل تیرے جیسا مزاج رکھتی ہے۔''

''کون ہے وہ.....؟'' زوہیب نے یونہی تجسس سے پوچھا تو بھابی نے بتانے سے پہلے ایک لمحے کیلئے سوچا اور پھر بولی۔

''نہیں.....! یونہی کسی کا نام لینا اچھا نہیں۔ ہم بھی بیٹیوں والے ہیں اور وہ بھی کسی کی بیٹی ہے۔ تم ہاں کرو تو میں وہ نام لے دیتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ چونکی۔ پھر دھیرے سے بولی.....''زوہیب.....اگر کوئی تمہاری پسند ہے تو وہ بتا دو..... میں اس لڑکی کو بھول جاؤں گی' جسے میں نے تمہارے لئے پسند کیا ہے۔ کیونکہ یہ میری خواہش ابھی مجھ تک ہی محدود ہے۔''

''آپ نے تو بہت دور تک سوچ لیا ہے اور میں.....'' زوہیب نے یاسیت بھرے لہجے میں کہا اور پھر کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا اور بھابی اِس کے کچھ کہنے کے انتظار میں اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ تب اس نے کہا۔''بھابی۔! میں شادی کروں گا' لیکن پہلے میں خود مطمئن ہو جاؤں.....''

''تمہیں کس شے سے اطمینان چاہئے؟ تم ڈسٹرب ہو' یہ تو میں بھی جانتی ہوں.....اسی لئے تو کہتی ہوں کہ جب تم شادی کر لو گے نا تو زندگی میں سکون آ جائے گا۔''

''بھابی.....! آپ کے گمان میں بھی نہیں ہے کہ میں کس قدر پرسکون ہوں۔ میں کچھ اور سوچ رہا ہوں۔ خیر.....! آپ اطمینان رکھیں آپ کی خواہش پوری ہوگی۔ لیکن مجھے تھوڑا وقت دیں۔''

''سچ.....! مگر کب تک زوہیب.....؟'' بھابی نے اچانک بہت زیادہ خوش ہوتے ہوئے پوچھا

''سمجھ لیں کہ میں آپ کو خوشخبری بہت جلد سنا دوں گا..... بلکہ اس بار دوبئی واپس جانے سے پہلے میں آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گا اور ہاں.....! وہ لڑکی جسے آپ نے پسند کیا ہے' میں نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ آپ ان سے کوئی ایسا وعدہ مت کر لیجئے گا کہ بعد میں کوئی مشکل پیش آ جائے۔'' زوہیب نے اشارے کنائے میں اپنی بات سمجھاتے ہوئے کہا۔

''زوہیب.....! میں تمہاری خوشی میں خوش ہوں..... جیسا تم چاہو' ویسا ہی ہوگا' میں تم پر اپنی کوئی مرضی نہیں ٹھونسوں گی..... میرے لئے اتنی ہی بڑی خوشی ہے کہ تمہارا گھر آباد ہو جائے..... میں تمہارے فیصلے اور پسند کا انتظار کروں گی۔ مگر خدارا.....! زیادہ دیر کر کے ہمارا امتحان مت لیا۔'' بھابی کے لہجے میں خوشی ٹپک رہی تھی اور پھر کپ اٹھائے ہوئے اٹھ گئی۔

زوہیب اپنے خیالوں میں کھو گیا۔ انہی لمحوں میں اس پر یہ انکشاف ہوا تھا کہ بھابی نے اپنی کوئی بات حکم دے کر نہیں منوائی اور نہ ہی کبھی اپنی انا کو درمیان میں لائی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر بھابی اسے یہ حکم دے دے تو کیا وہ انکار کرنے کی جرأت رکھتا ہے؟ جواب میں اسے نہیں سنائی دیا۔ یہ بھابی کا بڑا پن تھا کہ اس نے کوئی بات یوں نہیں منوائی تھی۔ اسے اپنی بھابی کیلئے اپنے دل میں اور زیادہ احترام محسوس ہونے لگا۔ تبھی زوہیب کی سوچ ایک اور راہ پر چل نکلی۔ جب بھی علی اصغر ایسی کوئی بات کرتا تھا تو اس کی نگاہوں میں فائزہ کا سراپا گھوم جایا کرتا تھا اور اب بھائی نے بات کی تو لاشعوری طور پر فائزہ کا وجود ہی اس کی نگاہوں میں تھا۔ اس نے سوچا کہ فائزہ حسن کہیں اس کی زندگی میں انقلاب تو برپا نہیں کر دے گی؟

اس نے فائزہ حسن کے بارے میں کبھی ایسا کوئی تجزیہ ہی نہیں کیا تھا۔ یہ اچانک اس کی زندگی میں آنے والی لڑکی اس کیلئے بہت محترم تھی..... احترام یا تعلق تو مہوش فاطمہ کے حوالے سے تھا کہ اس میں سے مہوش فاطمہ کا احساس ہوتا تھا۔ وہ لفظ جو خوشبو بن کر اس کی سوچوں کو معطر کر جایا کرتے تھے۔ وہی خوشبو' اسے فائزہ حسن کی باتوں سے محسوس ہوتی تھی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب اس نے یہ تعلق محسوس کیا تھا تو اس کی کیا کیفیت تھی.....

ایک شام یونہی مہوش فاطمہ کے حوالے سے بہت دیر تک بحث ہوتی رہی تھی۔ اس دن محبت جیسا حساس موضوع ان کے درمیان زیر بحث تھا۔ محبت کے وہ نایاب پہلو جسے فقط مہوش فاطمہ ہی بیان کرتی تھی' ان کے حق میں' ان کی تشریح میں اور ان کی وضاحت میں فائزہ حسن نے بھرپور دلیلیں دی تھیں۔ انہی لمحات میں اسے یوں لگا تھا جیسے اس کے سامنے فائزہ حسن نہیں مہوش فاطمہ بیٹھی ہے۔ پورے وجود کے ساتھ اپنا بھرپور احساس لئے۔ ایک بھرپور گفتگو کی نشست کے بعد جب رات کے وقت اسے تنہائی میسر آئی تو اسے یوں لگا جیسے وہ اب بھی فائزہ حسن کی گفتگو کے زیر اثر ہے۔ تب وہ اک انکشاف پر چونک گیا۔ وہ جب بھی مہوش فاطمہ کی کہانی پڑھتا تھا۔ ایک مبہم سا ہیولا اس کو اپنے حصار میں لے لیا کرتا تھا اور یہ ایک ایسا حصار ہوا کرتا تھا جس کو نہ تو وہ پوری طرح سمجھ پاتا تھا اور نہ ہی اسکے اثر سے خود کو جدا پاتا..... اس رات وہ ہیولا اچانک اس پر واضح ہو گیا۔ وہ روپ فائزہ حسن ہی کا تھا۔ اس نے پرانی کہانیوں میں پڑھا تھا کہ جب کسی کو پورے خلوص سے یاد کیا جائے تو وہ اس کے سامنے کسی شے کی روپ میں آ جاتا ہے۔ پہلے پہل اس نے یہ سب فرضی قصے کہانیوں میں گھڑی باتوں کو اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن اچانک اس کا وہم جب حقیقت کا احساس دے گیا تو وہ چونک اٹھا۔ شاید کالج دور والا زوہیب یہ باتیں نہ سمجھ سکتا لیکن آج کا زوہیب ان باتوں پر یقین کرنے لگا تھا..... ایک اور الجھن اس کے سامنے درپیش تھی۔ لیکن یہ الجھن کسی پریشانی کا باعث نہیں تھی بلکہ اس میں تجسس کی ایک کسک'

جولانی اور جوش کارفرما تھا اس وقت اس نے خود کو ایسا جوگی محسوس کیا جس کی تپسیا رنگ لانے والی تھی۔ اچانک ہی اس کیلئے فائزہ حسن کی شخصیت اہمیت اختیار کر گئی ہے۔ جس سے وہ فرار نہیں لے سکتا تھا۔

فائزہ حسن کی شخصیت اس کے سامنے دو طرح سے موجود تھی..... ایک پہلو تو یہ تھا کہ جس میں مہوش فاطمہ کی جھلک تھی۔ اس میں سوائے عقیدت اور احترام کے اور کچھ نہیں تھا۔ دوسرا پہلو.....! ابھی مبہم تھا' علی اصغر اور بھابی نے جس نئے رشتے کی بات کی تھی۔ وہ جب لاشعوری طور پر فائزہ کو اس میں دیکھتا تو اسے قربت محسوس تو ہوتی لیکن ایک حد تک جا کر اس کی اپنی سوچ سلب ہو جاتی' وہ اس بارے میں مزید سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے اپنے طور پر یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ فائزہ حسن کو کہاں رکھے؟ من مندر کے استھان پر وہاں رکھے جہاں مہوش فاطمہ ایک دیوی کے روپ میں موجود ہے جس کا احساس ہے' وجود نہیں' ۔کیا وہ مہوش فاطمہ کے احساس کو فائزہ حسن کا روپ دے دے؟ یا پھر فائزہ حسن اس مقام کے لائق ہی نہیں ہے۔ وہ بھی مہوش فاطمہ کی ایک عقیدت مند ہے اور اس کا منصب بھی اس کے ساتھ کھڑا ہونا ہے۔ وہ بھی اسی کی طرح مہوش فاطمہ کو اسی اونچے استھان پر دیکھ رہی ہے۔ جس پر وہ دیکھ رہا ہے۔ پہلے یہ فیصلہ ہونا ہے اور باقی باتیں بعد کی تھیں..... دور تک سوچنے میں انسان فقط اپنی فرض کی ہوئی باتوں کو ہی ترتیب دیتا ہے۔ یہ درست ہے کہ اس پلان کی ترتیب میں تجربہ کارفرما ہوتا ہے لیکن انسان یہ بھول جاتا ہے کہ حالات اس کے بس میں نہیں ہوتے' وہ ان پر کوئی دسترس نہیں رکھتا۔ اس لئے بہت خوبصورتی اور مہارت سے ترتیب دیئے گئے پلان' حالات کی ہوا میں لمحوں میں بے ترتیب کر دیا کرتی ہیں۔ اگرچہ اس میں پلان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ اس وقت ہوتا ہے جب فیصلہ درست اور انصاف پر مبنی ہو..... زوہیب کے پاس فیصلہ کرنے کیلئے ابھی کچھ بھی نہیں تھا۔ یہاں تک کہ کوئی مضبوط دلیل بھی نہیں تھی۔ اسے سب سے پہلے یہی فیصلہ کرنا تھا کہ فائزہ حسن کا مقام کیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک پجارن کے روپ میں یا پھر دیوی کے اونچے استھان پر؟ اس سے آگے اندھیرا تھا وہ کچھ بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔ اب زوہیب کیلئے یہی مرحلہ تھا کہ وہ اس راہ پر قدم بڑھائے یا نہیں..... اس کیلئے بہت بڑا حوصلہ چاہئے تھا جس کی اس میں کمی نہیں تھی۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس نے اس راہ پر چلنے کا فیصلہ کیا۔

☆☆☆

اس وقت رات کا آخری پہر ختم ہونے کو تھا جب فائزہ نے اپنی تازہ کہانی کے آخری لفظ لکھ کر کہانی مکمل کی اور قلم رکھ دیا..... اس نے اپنی تھکی ہوئی آنکھوں کو زور سے بند کیا اور پھر دھیرے دھیرے کھول دیں تو اسے رت جگے کی تھکن کا احساس ہوا..... اس کی آنکھوں میں نیند کا شائبہ نہیں تھا لیکن لفظ لفظ سفر میں جو اعصاب کی تھکن ہوتی ہے وہ تو سوچوں کو بھی ادھ موا کر کے رکھ دیتی ہے۔ فائزہ نے دیوار پر لگے ہوئے کلاک کو دیکھا۔ اب سونے کا وقت نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد موذن نے صدائے تکبیر بلند کر دینا تھی۔ اس نے کرسی کے ساتھ ٹیک لگائی اور لاخیال سی ہو کر اپنے تھکے ہوئے اعصاب کو سکون دینے لگی۔ وہ دھواں جو اس کے اندر پھیلا تھا۔ جس کی تلخی نے اس کی آنکھیں بھگو دی تھیں۔ وہ قلم کے رستے کاغذ پر پھیل چکا تھا۔ یہ ہنر بھی کسی نعمت سے کم نہیں تھا۔ من کے سمندر میں جب بھی طغیانی آتی' خیالات کے طوفان جب بھی اس کی سوچوں کو منتشر کرتے اور

جب بھی کبھی مایوسی کی دیمک اس کے اعتماد کی دیوار کو گرانے کی کوشش کرتی ' وہ اسی ہنر کا سہارا لیتی۔ تب پھر من شانت ہو جاتا۔ سوچوں میں یکسوئی آ جاتی اور اس کا اعتماد یونہی بحال رہتا۔ وہ اپنی ساری باتیں اسی اجنبی سے کہتی تھی۔ جس کا ہیولا ہی اس کی ذات کا محور بن چکا تھا۔ نجانے کتنے ہی کردار اس نے تخلیق کیے تھے۔ لیکن ایک کردار ایسا تھا' وہی ہیولا' جو سبھی کرداروں کی روح تھا۔ کاغذ پر چلتے پھرتے اور بولتے کردار اسی اک ہیولے کے صدقے تھے اور وہی ہیولا نجانے اس کی ذات کے سفر میں کہاں سے کہاں تک لے گیا تھا۔ وہ اتنا سفر طے کر چکی تھی کہ واپسی کا راستہ ہی بھول گئی تھی اور منزل.....! منزل کا کہیں نشاں بھی نہیں تھا۔ وہ بس چلتی چلی جا رہی تھی۔ وہ جہاں بھی قدم رکھتی' وہیں روشنی ہو جاتی۔ بس یہی روشنی اس کا حوصلہ بن چکی تھی۔ اسی روشنی نے اسے اعتماد بخشا تھا کہ اس کا سفر رائیگاں نہیں جا رہا۔ شاید وہ بنی ہی اس لئے ہے کہ سفر ہی کرتی رہی۔ شاید قدرت نے اس کی تخلیق ہی اسی لئے کی ہے کہ وہ سفر میں رہے یا شاید سفر کرنا ہی اس کا مقدر بن چکا ہے۔ ورنہ اسے روشنی عطا نہ ہوتی۔

وہ اس روشنی کے بارے میں بھی ہمیشہ تذبذب کا شکار رہی تھی۔ کبھی وہ سوچتی کہ وہ ایک سالک ہے اور روحانی منزلیں طے کرتی چلی جا رہی ہے۔ مقام رضا سے چل کر مقام فنا تک پہنچنے میں یہی روشنی اس کی رہنما ہے۔ پتہ نہیں وہ کس کس مقام سے گزری تھی۔ لیکن اسے یہ احساس ضرور تھا کہ اس کی روح بے حد توانا ہے۔ جب اس نے یہ سوچا تھا کہ اس کے خیالات و افکار کہیں تاثر رکھتے بھی ہیں یا نہیں تو زوہیب کی صورت میں ایک شخص اس کے سامنے آ گیا۔ جس نے اعتراف کیا تھا کہ وہ مہوش فاطمہ کے افکار میں خود کو بدل رہا ہے۔ کبھی وہ سوچتی کہ وہ شناسائی کی زمین سے اٹھ کر عشق کی معراج تک جا رہی ہے۔ معراج عشق جو لامکاں کی وسعتوں میں پھیل جانے کا نام ہے۔ جہاں من و تو کا امتیاز مٹ جاتا ہے۔ وہ ہیولا بھی تو اک لامکاں کی صورت میں تھا۔ جس کا وجود تھا لیکن نہ وہ اسے چھو سکتی تھی اور نہ ہی اسے مجسم دیکھ سکتی تھی۔ بدھ کا نروان ہو یا جوگی کا دھیان' اس میں حاصل کوئی وجود نہیں ہوتا بلکہ احساس ہوتا ہے' جس سے وہ کچھ پا لینے یا اپنی رفعتوں تک پہنچ جانے کا یقین کرتے ہیں۔ اسے بھی کچھ ایسے احساس کا یقین تھا۔ وہ جب لفظ لفظ کہانی بنتی تھی تو اک قوت آن موجود ہوتی تھی جو ان لفظوں کو حسن آفرینی سے مزین کر دیتی تھی۔ اس کی اپنی ذات جب محو ہو جاتی اور اس کی جگہ اس کا وجدان اپنی کارفرمائیاں دکھاتا تو عمل اس کی محبت کا وہ اظہار تھا جو وہ ہیولے سے کرتی تھی۔ شناسائی سے معراج عشق کے اس سفر میں وجدان کا اس کی دسترس میں آ جانا اس کے یقین و اعتماد کو اور زیادہ مضبوط بنا دیا کرتا تھا۔ یہ نروان تھا' گیان تھا یا دھیان تھا جو بھی تھا، اس کی اپنی ذات سے ماورا تھا۔ شاید کائنات کا تعلق بھی انسان سے اسی صورت میں ہوتا ہے جب انسان کی اپنی ذات میں کچھ ہو۔ قدرت نے کشش یونہی اس کائنات میں نہیں رکھی۔ زمین اس وقت تک بنجر رہتی ہے جب تک اس میں بیج نہ آ جائے۔ جیسے ہی بیج زمین کی گود میں آتا ہے' زمین میکانکی انداز میں اپنا فرض ادا کرنا شروع کر دیتی ہے۔ کوئی اسے کچھ نہیں کہتا' وہ خود بخود بیج کی آبیاری شروع کر دیتی ہے۔ زمین اور بیج کے اس تعلق کو پانی کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔ بالکل اسی طرح جب انسان کے دل میں کسی بھی جذبے کا بیج آ جاتا ہے تو من اپنا فرض ادا کرتا ہے' ماحول کسی پانی کی طرح اس کی پرورش

میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ یہاں یہ بحث نہیں کہ زمین کیسی ہے۔ فائزہ کے من میں جب محبت آن پڑی تو وہ پورے وجود کے ساتھ اس محبت کی پرورش میں لگ گئی۔ محبت کا اظہار تو ہونا تھا' مگر اس کے اندر کی پاکیزگی نے حیوانی خواہشات کا جھاڑ جھنکاڑ نہیں اُگنے دیا۔ یوں لفظ کی بُنت اسے عطا ہوگئی۔ لفظوں کی یہ بُنت اس کیلئے وہ کوک ثابت ہوئی جو ساون سے پہلے کوئل گاتی ہے۔

وہ سالک تھی یا عاشق.....! جو بھی تھی' الجھن رکھنے کے باوجود کبھی ڈسٹرب نہیں ہوئی تھی۔ پاکیزگی اس کی سب سے بڑی قوت تھی۔ جو اسے ثابت قدم رکھے ہوئے تھی۔ یہی سوچتے سوچتے اس کا دھیان زوہیب کی طرف چلا گیا..... اگر یہ سب کچھ ہے تو پھر زوہیب کا چند ملاقاتوں کے بعد ایک عام بندے کی سوچ..... یہ کیسا اظہار ہے۔ اس کی صرف دو ہی وجوہات ہوسکتی ہیں' اس کے اپنے خیالات و افکار میں کہیں کوئی گڑ بڑ تھی یا پھر زوہیب پر اثر انداز نہیں ہوئے' جس طرح ہونے چاہیں تھے یا پھر ممکن ہے کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو..... اچانک آنے والے اس خیال نے اسے چونکا دیا۔ وہ اس نہج پر سوچنے لگی۔ کیا وہ بدگمانی کا شکار تو نہیں ہو رہی ہے؟ ممکن ہے زوہیب ایسا نہ ہو؟ اگر وہ اسے سمجھ نہیں سکی تو وہ اس کی اپنی کمزوری ہے' کہاں گیا اس کا تجزیہ' کہاں گئی اس کی جائزہ لینے کی مہارت؟ کیا اس کی ذات نے یہ فیصلہ صادر کر دیا ہے؟ کوئی دلیل ہے اس کے پاس جس پر وہ فیصلہ کرتی.....؟ بلاشبہ وہ بدگمانی کا شکار ہوئی ہے۔ بدگمانی ایسا منفی جذبہ ہے جو یقین کو کھا جاتا ہے۔ اس منفی جذبے نے اسے اس کے اندر تلخی پیدا کر دی اور وہ ڈسٹرب ہوگئی۔ یہ سوچتے سوچتے سکون کی لہر اس کے پورے وجود میں پھیل گئی۔ اسے یوں لگا جیسے کوئی آلودگی اس کے وجود سے ڈھل گئی ہو..... بے چینی کا وہ احساس جس نے اس کو ڈسٹرب کر کے رکھ دیا' نجانے کہاں تحلیل ہوگیا۔ وہ اس لمحے اپنے رب کے حضور سر بہ سجود ہوگئی' جس نے اس کی رہنمائی کی تھی۔ تبھی موذن نے صدائے تکبیر بلند کی تو وہ اپنی کرسی سے اٹھ گئی۔ وہ اپنے خدا کے آگے جھکنا چاہتی تھی جس نے اسے بدگمانی جیسے زہر آلود احساس سے بچا لیا تھا۔

☆☆☆

علی اصغر نے گاڑی چائنیز ہوٹل کے سامنے روکی اور زوہیب سے پوچھا۔ ''کیوں کیا خیال آج ڈنر یہیں ہو جائے۔''

''میرا نہیں خیال کہ یہاں سے ہمیں ویسا کھانا ملے' جو ایک اچھے چائنیز ریستوران سے توقع کی جا سکتی ہے۔''

زوہیب نے روشنیوں سے سجے ہوئے اس ریستوران کو دیکھا' جو اس شہر کا واحد چائنیز تھا اور حال ہی میں اس کا افتتاح ہوا تھا۔

''یار ٹرائی کر لینے میں کیا حرج ہے۔'' علی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے لیکن چائے ہم نے چاچے عاشق کے ہوٹل سے ہی پینی ہے۔'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چلو ایسے ہی سہی۔ وہیں سے پی لیں گے۔ چلو اترو..... میں گاڑی پارکنگ میں لگا کر آتا ہوں۔''

علی نے ایک دم سے مانتے ہوئے کہا تو زوہیب ہنس دیا۔ اس کا خیال تھا کہ علی اس پر تبصرہ کرے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔ زوہیب اترا اور اس چائنیز ریستوران میں داخل ہو گیا۔

ریستوران میں اتنا رش نہیں تھا۔ بہت پرسکون ماحول تھا۔ وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ دھرے میز کی جانب بڑھ گیا۔ ابھی وہ پوری طرح اطمینان سے بھی نہیں بیٹھا تھا کہ اس کی نگاہ بالکل سامنے ایک میز پر پڑی جہاں بہترین تراش کے سوٹ میں ملبوس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا۔ وہ چہرہ اسے جانا پہچانا لگا۔ فرق صرف یہی تھا کہ اس کا چہرہ کچھ وقت گزر جانے کا احساس دے رہا تھا' کھچڑی بالوں کے ساتھ چہرے کی وہ سرخی ناپید تھی جو اس شخص کی وجاہت کا خاصہ ہوا کرتی تھی۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا اور اسے یقین تھا کہ یہ مظہر حسین ہے۔ یہ شخص بہت کم وقت اس زندگی کی میں آیا تھا۔ اس کے ساتھ اتنا تعلق بھی نہیں تھا مگر ایک نسبت تھی۔ مظہر بھی انہی لوگوں میں شامل تھا جو بابا جی سے متعلق تھے۔ کبھی کبھار وہ بابا جی کے ساتھ دکھائی دے جاتا تھا یا پھر چند ملاقاتوں میں وہ ان کے ساتھ تھا۔ زوہیب اچانک ہی اس دور میں چلا گیا' جب بابا جی اس کی زندگی میں آئے تھے اور اس کے اندر تبدیلی کا ایک عمل شروع ہو گیا تھا۔ وہ کس قدر بے یقین سا دور تھا۔ ماضی میں کوئی فخر نہیں تھا ' حال میں اس وقت بے یقینی تھی اور مستقبل اندھیرے میں تھا۔ ایسے حالات میں انسان کس قدر بے بس ہوتا ہے۔ اتنی بڑی دنیا میں انسان خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔ یوں جیسے اس کا کوئی بھی نہ ہو۔ وہ اس دور کی ایسی کیفیت کو یاد کرتے ہوئے دھیرے سے مسکرا دیا۔ ایسی کیفیت کے ہونے میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا حالات نے ہی اسے اس نہج پر پہنچا دیا تھا جہاں سوچیں تک سلب ہو جاتی ہیں۔ اس وقت جب وہ اپنے پرانے دور کو یاد کر رہا تھا' تب اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ بہت اونچائی پر کھڑا ہے اور اس کے سامنے بہت نیچے وہ دور اسی طرح چل رہا ہے۔ جیسے کوئی پہاڑ پر کھڑا ہو کر نیچے وادی میں جھانکے' تب اسے ہر شے بے ضرر اور چھوٹی دکھائی دیتی ہے۔ اب اس کیلئے وہ حالات اور کیفیت ایک احمقانہ دور سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتی تھی۔ اس وقت جو وہ اپنے حالات کو سمجھ نہیں سکتا تھا۔ اب پوری طرح تجزیہ کر سکتا تھا۔ ان لمحات میں وہ اس کمی کو اچھی طرح سمجھ سکتا تھا کہ ایسا کیوں تھا؟ دراصل انسان جب خود کو تنہا سمجھنا شروع کر دے تو وہ اپنے تئیں تنہا ہی ہوتا ہے لیکن حقیقت میں وہ تنہا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا تعلق اس کائنات سے جڑا ہوا ہوتا تھا۔ اسے اتنی ہوا مل رہی ہوتی ہے جس میں جتنا سانس لینا چاہئے۔ موسم اس کی پرورش میں مدد دے رہے ہوتے ہیں۔ پوری کائنات اس کے ساتھ ہوتی ہے مگر وہ خود کو تنہا سمجھے تو یہ اس کی ناسمجھی ہے۔ یہ انسان کی کوتاہ نظری ہے کہ وہ اپنے آپ سے آگے نہیں سوچتا۔ اگر وہ اپنی ہستی اس کائنات میں محسوس کرے تو اسے معلوم ہو گا کہ وہ واقعتاً اس کائنات کا مرکز ہے۔ اس یقین کے بعد اس کا دھیان فطری طور پر اس ذات کی طرف چلا جائے گا جس نے اس کائنات کو بنا کر خود اسے مرکز قرار دے دیا۔ پھر انسان تنہا نہیں ہوتا۔ پوری کائنات اس کے ساتھ رواں دواں ہوتی ہے' ستارے اسے بہت قریب محسوس ہوتے ہیں۔ زمین کی مٹی سے اک انوکھا تعلق اسے سرشار کر دیتا ہے ایک ایسی قوت اس میں در آتی ہے' جس کا تجربہ اسے پہلے نہیں ہوتا۔

''ارے کہاں کھو گئے ہو؟'' علی اصغر کی آواز پر وہ چونکا اور پھر دھیرے سے مسکراتے ہوئے اس کی

طرف دیکھنے لگا۔ تب اس نے کہا۔ ''کچھ کہو گے بھی یا کوئی بات چھپانے والی ہے۔''

''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔'' اس نے دھیرے سے کہا اور پھر مظہر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''علی.....! وہ جو شخص بیٹھا ہوا ہے وہ مظہر حسین ہی ہے نا؟''

تب علی نے گھوم کر اس شخص کو دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔ ''ہاں..... وہی ہے۔''

یہ کہہ کر اس نے چونک کر پوچھا۔ ''کوئی خاص بات؟''

ارے نہیں.....! کوئی خاص بات نہیں ہے' بس یونہی کسی شخص کے حوالے سے مجھے یاد ہے کہ میں اسے مل چکا ہوں ان دنوں یہ کوئی اتنی جاذب نظر شخصیت کا مالک نہیں تھا۔'' زوہیب نے دھیرے سے کہا۔

''ہاں۔ ایسا ہی ہے، یہ شخص اب اس علاقے کی سیاست میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، مگر کچھ سال پہلے یہ کچھ بھی نہیں تھا۔ میں جانتا.....'' اس سے پہلیکہ وہ مزید کچھ کہتا ویٹر نے ان کے پاس آ کر انتہائی شائستگی سے پوچھا

''سر.....! میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

علی اسے آرڈر دینے لگا جس میں چند منٹ صرف ہو گئے۔

''ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے کہ میں جانتا ہوں.....'' زوہیب نے اسے یاد دلایا۔

''یہی کہ مظہر، چند سال پہلے کچھ بھی نہیں تھا۔ ایک معمولی سا انشورنس ایجنٹ تھا۔ اس کے یہ حالات ایسے ہی تھے کہ پھر اچانک ہی تیزی سے ترقی کرنے لگا اور اس کی یہ ترقی حیرت انگیز تھی۔ اب تو یہ علاقے کی سیاست میں بھی بہت اہمیت رکھتا ہے۔'' علی نے ایک عمومی تاثر اس کے سامنے رکھ دیا اور پھر قدرے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''لیکن تم کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''ابھی ہی میں نے بھی اس شخص کو انہی حالات دیکھا ہے اور اب اس کا بدلا ہوا روپ.....'' یہ کہتے کہتے اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا تو فوراً بولا۔ ''نہیں بدلا ہوا روپ نہیں' بلکہ اس کی ترقی یافتہ شخصیت کا اظہار.....''

''اچھا یار.....! یہ تم لفظ بڑے ناپ تول کر بولنے لگ گئے ہو.....'' علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''مجھے پتہ ہے اب تم یہی کہو گے کہ یہ مہوش فاطمہ کی تحریروں کا نتیجہ ہے۔''

''ہاں میرے یار، ہے تو ایسا ہی۔'' زوہیب نے کہا تو علی ہنس دیا۔ تب زوہیب نے کہا۔ ''تم ہنس رہے ہو لیکن تمہاری اس بات میں ایک بہت بڑی حقیقت پوشیدہ ہے۔ جس کا تمہیں احساس بھی نہیں۔''

''ارے مجھے بھی پتہ ہے کہ میں کیا کیا حقیقتیں چھپائے پھرتا ہوں اپنی باتوں میں۔'' علی نے طنزیہ انداز میں کہا تو زوہیب چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔

''دیکھو.....! تم یہ تو مانتے ہو نا کہ انسان اس زمین پر خدا کا نائب ہے۔ یہ ایک الگ بحث ہے کہ اسے نیابت کے اہل کیوں سمجھا گیا لیکن.....! یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کی رہنمائی کیلئے خدا نے اپنے پیارے اور برگزیدہ بندوں کو معبوث کیا۔ کس لئے.....؟ انہی انسانوں کی رہنمائی کیلئے..... اب تم یہ کہو گے کہ انسان کی

رہنمائی کیوں؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ وہ نیابت کی ذمہ داری سے جب بھی روگردانی کرتا ہے' اس نکتے سے جب بھی ادھر ادھر ہوتا ہے۔ تب خدا اپنے بندوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اب یہ انسان کا اختیار ہے کہ وہ اس رہنمائی کو قبول کرے یا نہ کرے۔''

''تمہارے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ انسان کیلئے رہنمائی بہت ضروری ہے۔''

''بالکل.....! اور ایسا اس لئے ہے کہ انسان کے اندر اس کی سوچوں کا' خیالات کا اور ارادے کا بہت زیادہ عمل دخل ہے۔ انسان کا عمل اس کی سوچوں کا مظہر ہوتا ہے۔ سوچ کی تبدیلی سے ہی انسان تبدیل ہوتا ہے۔ یہی سوچ انسان کو اوج ثریا پر لے جائے یا پھر ذلالت کی گہرائیوں میں پھینک دے۔ دنیا کی مختلف قوموں کے درمیان فرق کس لئے ہے' مشرق و مغرب کی تقسیم کیا ہے۔ یہی سوچ کا فرق تو ہے۔''

''بالکل.....! سوچوں کا فرق ہی ایک قوم کو دوسری قوم سے جدا کرتا ہے۔ لیکن اس وقت جبکہ دنیا گلوبل ویلیج بن رہی ہے' اتنی انفارمیشن ہے۔ میرے خیال میں پوری دنیا ایک قوم بننے کی طرف جا رہی ہے۔'' علی نے اس کی بات کو پوری سنجیدگی سے لیتے ہوئے کہا۔

''میں جو کہنا چاہ رہا تھا' علی تم نے وہی کہہ دیا۔ اس گلوبل ویلیج کے بننے میں رہنمائی ہی تو ہے' ایک طاقتور قوم اپنی سوچ کمزور قوم کی سوچ پر حاوی کر رہی ہے۔ جس میں سب سے زیادہ نقصان کسی بھی قوم کے کلچر کا ہے۔ وہ ختم ہو رہی ہے اور ایک نئی ثقافت دھیرے دھیرے اپنا وجود بنا رہی ہے۔ مطلب..... اس رہنمائی کو ایک بڑے ہتھیار کے طور پر بھی لیا جا رہا ہے۔ وہی پرانی جنگ ہے ذہنی غلام بنانے کی' اب اس کا روپ نیا ہے۔ یہ تو اب حقیقت ہے نا کہ ذہنی طور پر غلام قوم پر گولی ضائع نہیں کی جاتی۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو..... اس وقت ہمارا حال بھی کچھ ایسا ہی ہے۔''

''اس سے پہلے کہ ہم اپنی قوم کے بارے میں بات کریں..... میں تمہیں بتاؤں کہ اس رہنمائی کو ایک اور طرح سے بھی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے۔ دوسری قوموں میں انتشار پیدا کر کے.....''

''میں سمجھا نہیں.....؟'' علی نے تذبذب سے کہا۔

''وہ قومیں.....! جو اپنی سوچوں' اپنے نظریات اور افکار میں بہت مضبوط ہوتی ہیں' جن کی سوچ یکسر بدل نہیں سکتی۔ اس قوم میں انتشار پیدا کر دیا جاتا ہے۔ شک کا بیج بو کر اس قوم کے رہنماؤں کے افکار کو بوسیدہ قرار دینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ تب قوم گروہوں اور فرقوں میں تقسیم در تقسیم ہوتی چلی جاتی ہے۔ بہ ظاہر وہ اپنے نظریات و افکار پر قائم دکھائی دیتی ہے۔ لیکن اندر سے وہ نظریاتی طور پر کھوکھلی ہو چکی ہوتی ہے۔'' زوہیب نے انتہائی دکھ سے کہا۔ شاید اس کے پیچھے کوئی بہت بڑا المیہ تھا۔

''ہاں یار.....! اب ہماری قوم کا ہی حال دیکھ لو.....! ہم کدھر جا رہے ہیں' ہماری سوچ کیا ہے؟''

''ہاں علی یہی المیہ ہے۔'' زوہیب نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ ''اب دیکھو.....! پاکستان کا معرض وجود میں آنا ایک بڑی بہت حقیقت ہے..... ایک نظریاتی مملکت دنیا کے نقشے پر ابھری..... افراد کی سوچ ایک نکتے پر مرکوز ہوئی تو وہ قوم بن گئی..... اور اسی قوم نے تحریک چلائی..... اور پھر کیا ہوا' نظریاتی قوم کی

نظریاتی مملکت..... کس طرف جا رہی ہے..... ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس نظریئے کو یہاں پاکستان میں اس طرح پیش کیا جاتا کہ اس کے نئے پہلو سامنے آتے لیکن.....! سب سے پہلے اسی نظریئے پر چوٹ لگائی گئی..... اور قوم.....'' اس نے باقی بات ادھوری چھوڑ دی۔

''یہاں قوم کا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ اس نظریئے کی حفاظت تو ہمارے رہنماؤں نے کرنا تھی' ان دانشوروں نے کرنا تھی جس کا یہ منصب ہے' شاید انہیں اپنے آپ پر یقین نہیں تھا۔'' علی نے کہا۔

''شک اور تذبذب.....! یقین کو دیمک کی مانند چاٹ جاتے ہیں۔ یہی کچھ ہمارے ساتھ ہوا اور ہو رہا ہے۔ ہر قوم میں سوچ کا اختلاف ہوتا ہے لیکن وہ بحیثیت قوم اپنے نظریات و افکار کی ترقی و ترویج پر اپنی قوت صرف کرے۔ اگر سوچ کا اختلاف اپنی قوم کے نظریات کو توڑنے پھوڑنے اور اس پر شک کرنے میں قوت صرف ہو تو قوم ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ پاکستان ایک بہت بڑی نعمت ہے لیکن ہم نے' ہمارے نام نہاد دانشوروں نے اور انتشار کا شکار رہنماؤں نے اس نعمت کی اہمیت کا احساس نہیں کیا۔''

''ایک اور بات بھی ہے زوہیب.....! میں ہوں یا تم..... ہم جیسے لوگ اور ہماری قوم کو اس تجزیئے میں بڑی مہارت ہے کہ قصور کس کا ہے.....؟ یہ نہیں سوچتے کہ ہم اگر الزام دے رہے ہیں تو اس میں ہمارا قصور کتنا بنتا ہے' ہم کتنے ذمے دار ہیں۔'' علی نے بات کا رخ کسی اور جانب موڑتے ہوئے کہا۔

''تمہاری بات ٹھیک ہے علی..... لیکن یہ اس دیمک زدہ معاشرے کی ایک مزید خامی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ ہمیں ایک قوم بننا ہے..... کیا ہم فرقہ بندی میں ایک قوم بن سکتے ہیں؟ کیا نسلی تفاخر اور صوبائی تفاخر ایک قوم بنانے کا اہل ہے..... کیا برادری ازم ایک نکتے پر مرکوز کر سکتی ہے؟ اگر اس کا جواب نہیں میں ہے تو پھر ہم نے کون سی نئی راہیں تلاش کیں.....؟ کیا ہم انہی افکار پر لوٹ کر آئے ہیں جس سے ہمیں پاکستانی ہونے کا اعزاز نصیب ہوا۔ ہم اپنے اندر جتنے مرضی اختلاف رکھیں۔ لیکن بحیثیت قوم ہم ایک نکتے پر مرکوز ہوں تو ملک کا ہر شخص باعزت ہوگا۔ کسی کی عزت نفس مجروح نہیں ہوگی۔''

''یار یہ سارے خیالات تمہاری اس مہوش فاطمہ کے ہیں نا.....! مجھے کیوں سنا رہے ہو؟ میں تھوڑی دیر کیلئے پرسکون ہونا چاہتا ہوں اور تم نے اتنی بڑی گھمبیر قسم کی بحث چھیڑ دی ہے۔'' علی نے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔ شاید اس سے یہ باتیں ہضم نہیں ہو رہی تھیں یا پھر شرمندگی کا احساس اس کے اندر در آیا تھا۔

''یہی تو بات ہے پیارے کہ ہم باتیں برداشت نہیں کر پاتے..... ہمیں کسی دوسری قوم کو الزام نہیں دینا چاہئے کہ وہ اپنے خیالات اور افکار ہم پر مسلط کر رہا ہے۔ یہ شکست خوردگی کا اعلان ہوتا ہے۔ آپ اپنے اندر مضبوط ہوں۔'' زوہیب شاید اس پر مزید بات کرنا چاہتا تھا لیکن علی نے ویٹر کے آنے کا اشارہ کیا جو سلاد وغیرہ لے کر آ رہا تھا۔ زوہیب خاموش ہو گیا۔ ویٹر برتن وغیرہ رکھ چکا اور پھر چلا گیا تو علی نے کہا۔

''میرے پیارے دوست.....! ہم جتنی مرضی بحث کر لیں مگر ہونا وہی ہے جو اس ملک کے بڑے چاہتے ہیں۔ شاید ہم وہ اچھا زمانہ نہیں دیکھ پائیں گے..... تم چھوڑو ان باتوں کو سناؤ..... ہماری مہوش فاطمہ کا کیا حال ہے؟'' اس نے ہنستے ہوئے کہا تو زوہیب چونک گیا۔

''یہ تم آج بار بار مہوش فاطمہ کے بارے میں کیوں پوچھ رہے ہو؟''

''اس لئے کہ موصوفہ نے کوئی ایسی راہ نہیں دکھائی جس پر چلتے ہوئے تیرے جیسے لوگ شادی وادی کر لیں۔'' علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''علی.....! تمہارا یہ مذاق بالکل گھٹیا قسم کا ہے' جس کی ذرا سی بھی اہمیت نہیں ہے..... اور سنو.....! آج کے بعد تم میری شادی یا اس سے متعلق کوئی گفتگو نہیں کرو گے؟''

''یہ کیا بات ہوئی؟ میں یہ تمہاری بھاری بھرکم اور فلسفہ زدہ گفتگو بالکل نہیں سنوں گا..... اگر تم نے میرے پسندیدہ موضوع پر قدغن لگائی تو.....''

''بات یہ نہیں ہے پیارے.....! میں دراصل ان دنوں حقیقت میں اپنی شادی کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ پہلے تو مجھے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ مجھے شادی کرنا بھی چاہئے یا نہیں..... اس کیلئے مجھے پوری یکسوئی چاہئے.....'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا تو علی بھی ہنس دیا.....

''ارے باپ رے.....! ادھر یہ فیصلہ ہی نہیں ہوا اور ہم تمہاری شادی کے چکروں میں ہیں..... ویسے لوگ تو جس موضوع کے بارے میں کوئی فیصلہ کر لینے میں تذبذب کا شکار ہوں' وہ مشورہ کرتے ہیں..... یہاں تم پابندی لگا رہے ہو..... یہ کیا بات ہوئی۔'' علی نے بات بڑھانے کیلئے یونہی بات کہہ دی۔

''یہ فیصلہ میرا ہے اور میرے متعلق ہے..... اسے میں ہی کروں گا۔ جتنے مشورے ہوں گے' میں اتنا ہی منتشر ہو جاؤں گا۔ سو تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو.....'' زوہیب نے اسی کے انداز میں کہا تو علی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''لیکن ایک بات کا خیال نہیں ہے تمہیں.....''

''وہ کیا.....؟'' زوہیب نے پوری دلچسپی سے پوچھا۔

''بقول تمہارے.....! تم یہاں دو تین ماہ کیلئے آئے ہو..... اور اس میں ڈھائی ماہ کا عرصہ بیت چکا ہے..... پندرہ نہیں تو بیس دن مزید یہاں رہو گے تم..... اس کے بعد تم واپس دوبئ چلے جاؤ گے..... اتنے دن اگر فیصلہ کرنے میں گزار دیئے تو کب شادی.....'' اس نے ہنستے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''ارے احمق.....! میں کونسا اوپر چلا جاؤں گا..... پھر واپس آ جاؤں گا..... اور دوسرا اب میں نے یہاں اگر اپنے کاروباری نکتہ نظر کو تبدیل کیا ہے۔ میں یہاں کے لوگوں کو فائدہ دینا چاہتا ہوں..... میں نے دوبئ جانا ہے اور اپنے بزنس پارٹنر سے بات کرنی ہے۔ اگر وہ مجھ سے متفق ہو گیا تو میری جان میں پھر یہاں لمبے عرصے کیلئے آ جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے تم بھی میرے ساتھ بزنس کرو.....'' زوہیب نے اسے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا تو علی ایک دم سے خوش ہو گیا۔

''یہ ہوئی نا بات.....! جو بات میں نے تمہیں شروع شروع میں سمجھانے کی کوشش کی تھی' وہ تم اب سمجھے ہو..... خیر.....! میں تمہارے ساتھ ہر طرح سے شامل ہوں گا اور تم مجھے اپنا سب سے بڑا مددگار پاؤ گے۔''

''یار.....! میں نے اپنے لئے بہت کما لیا ہے..... اب اس سطح پر ہوں کہ دوسروں کے کام آ سکتا

ہوں۔ تو مجھے کام آنا چاہئے نا.....'' زوہیب نے پورے خلوص سے کہا تو علی نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور مسکرا کر آنکھ ماردی تبھی ویٹران کا کھانا لے کر آ گیا۔

☆☆☆

موسم بہار کے آخری دنوں میں شادابی ہر سو دکھائی دیتی ہے' سو مسز شعیب کے لان میں لگے ہوئے پودے اور درخت اپنی بہار دکھا رہے تھے۔ بہار کو بہار اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اپنا اظہار کرتی ہے۔ چونکہ بہار کا نظارہ انہی پودوں اور درخت کی تازہ کونپلوں اور کھلے پھولوں سے ہوتا ہے' اس لئے انہی کو ہی ہمیشہ معیار سمجھا جاتا ہے۔ جیسے گرمیوں میں سورج کی تپش معیار ہوتا ہے۔ مسز شعیب اپنے لان میں بیٹھی ہوئی چائے کا انتظار کرتے ہوئے اخبار دیکھ رہی تھی۔ نادیہ چائے بنانے میں مصروف تھی اور اسے کچن میں گئے کافی دیر ہو گئی تھی۔ انہی لمحات میں بھابی ان کے ہاں آ گئی۔ وہ اکیلی تھی اور اس کے چہرے پر سنجیدگی کا تاثر گہرا تھا۔ جسے مسز شعیب نے دور ہی سے دیکھ لیا۔

''اسلام علیکم.....!'' بھابی نے دور ہی سے کہا تو مسز شعیب اٹھتے ہوئے بولی۔ ان کے لہجے میں خوشی عود آئی تھی۔

''وعلیکم اسلام.....! بہت خوشی ہوئی ہے کہ آج آپ ہمارے گھر کا راستہ بھول گئیں۔''

''دو تین دن سے میں سوچ رہی تھی کہ آپ کے ہاں آؤں لیکن ہمت ہی نہیں پڑ رہی تھی۔ آج میں نے بس جی کڑا کیا اور آپ کے ہاں آ گئی ہوں۔''

''ہمارے ہاں آنے میں سوچنا' ہمت تہ پڑنا اور پھر جی کڑا کر کے آ جانا' میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ خیر آپ پلیز بیٹھیں.....'' مسز شعیب نے الجھتے ہوئے بھابی کو بیٹھنے کیلئے کہا۔ بھابی کرسی پر بیٹھ گئی تو اس کے سامنے والی کرسی پر مسز شعیب نے بیٹھتے ہوئے بھابی کو غور سے دیکھا۔ تب وہ چند لمحوں بعد بولی۔

''بات دراصل یہ ہے کہ مسز شعیب کہ آپ میرے پاس آئیں اور آپ نے بہت اچھی تجویز دی تھی۔''

''اچھا.....اچھا' آپ اس حوالے سے اس طرح سوچ رہی ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں بھی قدرے شرمندگی اتر آئی

''ہاں۔! میں اسی حوالے سے بات کرنا چاہ رہی تھی۔ آپ کو تو پتہ ہے کہ مسز شعیب کہ بیٹیوں کے سر پر ماں ہو تو وہ بہت کچھ کر سکتی ہیں۔ اپنی بات منوا سکتی ہیں۔ لیکن بھابی جس قدر بھی مخلص ہو' جتنا بھی مان رکھے مگر ایک حد ہوتی ہے اس کی۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی۔''

''مطلب، فائزہ نے؟'' مسز شعیب نے انتہائی مایوسی سے کہا اور بات درمیان میں ہی چھوڑ دی۔

''ہاں.....! میں یہی کہنا چاہتی تھی۔ پتہ نہیں اس کے دماغ میں کیا ہے' وہ شادی سے کیوں گھبرا رہی ہے۔ میں نے تو اس سے بات کی تھی۔ اس نے میری بات کو اس لئے رد نہیں کیا کہ اس میں زوہیب کا نام آتا تھا۔ بلکہ وہ سرے سے شادی کرنا ہی نہیں چاہتی اور دوسری بات کہ اسے یہ بہت برا محسوس ہوا ہے کہ زوہیب

سے ملاقاتوں کو غلط تاثر میں لیا گیا ہے۔'' بھابی نے انتہائی تیزی سے اپنی بات کہہ دی۔ جیسے وہ فوراً اپنی بات اگل دینا چاہتی ہو۔ تبھی مسز شعیب نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور دھیرے سے بولی۔

''بہن.....! یہ تو بہت اچھا ہوا کہ آپ آ گئیں' آپ نے حوصلہ کر لیا۔ لیکن مجھ میں تو یہ بھی ہمت نہیں تھی کہ آپ کا سامنا کر سکوں' میں آپ سے بہت زیادہ شرمندہ ہوں۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔'' بھابی نے چونکتے ہوئے کہا۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں.....! میں نے اپنے تئیں آپ سے بات کر لی۔ اس کی وجہ ہی ان دونوں کی ملاقاتیں تھیں۔ بخدا میں انہیں کسی غلط رنگ میں نہیں دیکھ رہی تھی۔ بلکہ مجھے خوشی ہو رہی تھی کہ چلیں' میرے زوہیب کا گھر تو بسے گا۔ لیکن مجھ سے ایک بہت بڑی غلطی یہ ہوئی کہ میں نے زوہیب سے پوچھے بغیر اتنا بڑا قدم اٹھا لیا اور پھر اس کا نتیجہ..... سوائے شرمندگی کے اور کچھ نہیں تھا۔'' مسز شعیب نے دکھی لہجے میں کہا تو بھابی کے چہرے پر حیرت نمودار ہوئی.....

''مطلب..... زوہیب نے بھی انکار کر دیا.....؟''

''میں نے اس کے سامنے فائزہ کا نام نہیں لیا۔ بس یہی کہا کہ میں تمہاری شادی کر رہی ہوں اور اس لیئے میں نے ایک لڑکی تلاش کر لی ہے۔ خیر.....! اس پر بحث ہوئی اور پھر میں ہار گئی..... وہی آپ کی بات کہ والدین بہت کچھ کر سکتے ہیں' اپنی بات منوانے کیلئے اور ہم ایک خاص حد رکھتی ہیں۔''

''بات تو وہی ہے نا کہ زوہیب نے انکار کر دیا.....'' بھابی نے وضاحت چاہی۔

''اس نے پوری طرح انکار نہیں کیا اور نہ ہی اس نے کھل کر ہاں کی ہے۔ اس نے تذبذب میں بات کی ہے جس کا کوئی واضح نتیجہ میں اخذ نہیں کر سکتی۔'' مسز شعیب نے شرمندگی سے کہا تب بھابی کے چہرے پر جو سنجیدگی کا تاثر تھا۔ وہ دھیرے سے تحلیل ہو گیا۔ تبھی وہ مسکرا کر بولی۔

''تو اس کا مطلب ہے کہ ہم دونوں نے جو پورے خلوص سے ایک کوشش کی تھی' وہ رائیگاں گئی..... چلیں کوئی بات نہیں..... میرے خیال میں ہمیں ایک دوسرے سے شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم نے تو کوشش کی' وہ اگر کامیاب نہیں ہو سکی تو کیا ہوا.....''

''لیکن ان دونوں کے مستقبل کی فکر تو ہمیں ہی ہے نا کہ یہ ہماری ذمہ داری میں ہیں۔'' مسز شعیب نے روہانسے انداز میں کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ہماری ذمہ داری ہیں۔ لیکن یہ بھی تو ہے نا کہ وہ اپنی مرضی کے مالک ہیں۔ دکھ تو ہمیں تب ہوتا نا کہ ایک طرف کوئی مان جاتا تو صورتحال مختلف تھی۔ ہاں.....! ہم سے تھوڑی یہ غلطی ہو گئی کہ ان کے ملنے ملانے کو ہم نے ایک خاص زاویے سے دیکھ لیا۔ حالانکہ مجھے فائزہ پر پورا اعتماد ہے' اس پر اتنا ہی بھروسہ ہے جتنا میں اپنی ذات پر کرتی ہوں۔ وہ میچور ہے' اپنا اچھا برا سمجھتی ہے۔ ممکن ہے وہ اپنی حد تک نارمل ہو..... شادی نہ کرنا ہی اس کیلئے اچھا ہو۔'' بھابی نے مسز شعیب کی طرف دیکھتے ہوئے شرمندگی کے تاثر کو ختم کرنے کی کوشش کی..... تو وہ دھیرے سے مسکرا دی اور پھر اشارتاً کہا۔

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں ان کے حال پر چھوڑ سکتے ہیں؟''

''بالکل۔! مجھے فائزہ پر بھرپور اعتماد ہے اور زوہیب کوئی پہلا شخص نہیں ہے کہ جس سے وہ ملتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ہمسائے ہونے کے ناطے ان میں کچھ ملاقاتیں زیادہ ہوئیں' جس کا نوٹس ہم نے لیا ورنہ جس طرح وہ پڑھاتی ہے' یونیورسٹی جاتی ہے اور سب سے بڑی بات کہ آج تک اس نے اپنے بھروسے کو قائم رکھا ہے۔'' بھابی نے پورے جوش سے فائزہ کے بارے میں حقیقت بیان کی۔ اس کے لہجے میں فخر کا تاثر بھی گھلا ہوا تھا۔

''اب صورتحال یہ ہے کہ میں زوہیب کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی۔ اس نے ہلکا سا اشارہ دیا ہے کہ وہ دوبئی جانے سے پہلے ہی مجھے کوئی خوشخبری سنائے گا اب آپ کی بات سن کر تو میں یہی کہوں گی کہ کم از کم اس کا رجحان فائزہ کی طرف نہیں ہے۔ ورنہ اگر ایسا کچھ ہوتا تو فائزہ کی طرف سے بھی ہاں ہوتی۔''

''ہاں.....! آپ ٹھیک سمجھی ہیں۔'' بھابی نے کہا پھر چند لمحے خاموشی کے بعد کہا۔ ''میرے خیال میں اب ہمیں اس بات کو یہیں ختم کر دینا چاہئے۔ دونوں درمیان میں اگر ایسی کوئی بات نہیں ہے تو ہمیں بھی زور زبردستی نہیں کرنی چاہئے۔''

''یہی مناسب رہے گا..... اب دیکھیں.....! زوہیب کسی اور لڑکی کے بارے میں اپنی پسند کا اظہار کرتا ہے تو میں اسی کی پسند کو پسند کرنے پر مجبور ہوں گی۔ وہاں میں اپنی مرضی نہیں ٹھونس سکتی۔ کیونکہ سب سے پہلی بات تو یہی ہے نا کہ وہ شادی کر لے..... اب جس سے بھی کرے' مجھے کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے' زندگی اس نے گزارنی ہے۔'' مسز شعیب نے سنجیدگی سے کہا۔

''جوڑے تو آسمانوں پہ بنتے ہیں نا..... ہم چاہے جتنی مرضی کوشش کر لیں۔'' بھابی نے مسکراتے ہوئے کہا تو مسز شعیب بھی مسکرا دیں اور بولیں۔

''دل کو سمجھانے کیلئے یہ خیال بہت اچھا ہے۔''

اس پر دونوں ہی مسکرا دیں۔ تبھی نادیہ چائے لے کر آ گئی تو دونوں نے موضوع بدل دیا۔

☆☆☆

فائزہ پارک کے مین گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو کافی فاصلے پر اسے زوہیب ایک سنگی بنچ پر بیٹھا دکھائی دیا۔ اس کا رخ گیٹ کی طرف تھا یوں جیسے وہ فائزہ کا شدت سے انتظار کر رہا ہو۔ پارک میں اتنا زیادہ رش نہیں تھا۔ لوگ اپنی اپنی دلچسپیوں میں مصروف تھے۔ شام کا وقت ویسے بھی بہت خوبصورت ہو جاتا ہے۔ لوگ اپنے اپنے گھروں سے نکل کر کھلی فضا میں سانس لینا چاہتے ہیں۔ لیکن زوہیب نے فون کر کے فائزہ سے وقت لیا تھا۔ فائزہ بھی اسی انتظار میں تھی کہ زوہیب کو خود اس سے ملنا چاہیے۔ ورنہ جب سے بھابی نے اسے رشتے کی بابت بتایا تھا' وہ بہت محتاط ہو گئی تھی اور اس کے بعد سے وہ زوہیب کے ساتھ نہیں ملی تھی۔ فائزہ دل سے چاہتی تھی کہ ایک بار وہ اس سے ملے۔ ڈھیر ساری باتیں کرے اور انہی باتوں کے دوران وہ اسے بتا دے جو کچھ وہ سوچ رہا ہے یہ غلط ہے۔ ایسا ممکن نہیں۔ لیکن پھر اس نے سختی سے اپنی سوچ کی خود ہی تردید کر دی تھی۔ اسے خود

سے کچھ نہیں کہنا۔ اس وقت کا انتظار کرنا ہے جب وہ کھل کر اپنے دل کی بات اس سے کہہ دے۔ کچھ بھی کہنے سے پہلے اس کے پاس کچھ ایسی باتیں ہوں جن کی بنیاد پر وہ اپنا مدعا کہہ سکے۔ یہ آپشن تو ابھی موجود تھا کہ ممکن ہے وہ خود کوئی ایسی بات نہ سوچ رہا ہو..... وہ محتاط اس لئے ہوگئی تھی کہ وہ یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ زوہیب کیلئے وہ کس قدر اہمیت رکھتی ہے۔ وہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی اس کی طرف چلتی چلی گئی۔

زوہیب اسے اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ اس نے سفید سوٹ پہنا ہوا تھا۔ ہلکی نیلی شرٹ پر گہرے نیلے رنگ کی ٹائی لگائی ہوئی تھی۔ سلیقے سے بال سنوارے، وہ مونچھوں تلے دھیرے سے مسکرا دیا تھا۔ اس نے فائزہ کو آتے ہوئے دیکھا تو لاشعوری طور پر اس نے لباس کا جائزہ بھی لیا۔ میرون رنگ کی شلوار قمیص پر آف وائٹ چادر سے وہ بالکل ایک گھریلو خاتون دکھائی دے رہی تھی۔ اسے دیکھ کر پہلی نگاہ میں کوئی یہ گمان بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ وہ فائزہ حسن ہے جو اپنے لیکچر کے دوران کلاس روم میں چھا جاتی ہے۔ یہ سوچ کر زوہیب کی مسکراہٹ مزید گہری ہوگئی۔

''جی زوہیب صاحب.....! فرمائیے' کیوں ملنا چاہتے تھے آپ۔'' فائزہ نے دھیرے سے کہا۔ علیک سلیک کے بعد اس کے ساتھ ہی سنگی بنچ پر بیٹھنے کے بعد فائزہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس پر زوہیب نے چند لمحے سوچا اور پھر کہا۔

''فائزہ.....! میں دراصل آپ سے کوئی ایک بات نہیں کرنا چاہتا' بہت ساری باتیں ہیں۔ جس کا تعلق میری اپنی ذات سے ہے۔ کوئی بات ایسی ہے جس سے میں ذہنی طور پر مطمئن ہونا چاہتا ہوں۔ کچھ میرے ذاتی فیصلے ہیں جنہیں میں نے خود ہی کرنا ہیں اور کچھ میرے اندر دھواں ہے' اسے باہر نکال دینا چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں ایک آپ ہی جو میری باتوں کو سمجھ سکتی ہیں۔''

''ممکن ہے آپ کا خیال درست ہو.....! لیکن مجھے اس قابل سمجھنے کی آخر وجہ کیا ہے؟'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں.....! یہ بہرحال ایک دلچسپ پہلو ہے۔ میں نے خود کئی بار اس پر سوچا ہے کہ آپ ہی اس قدر اہم کیوں ہے تو ہر بار میرے سامنے صرف ایک ہی جواب آیا۔'' زوہیب نے پرخیال انداز میں کہا تو فائزہ نے پوچھا۔

''وہ کیا جواب ہے؟''

''یہی کہ آپ میں اور مجھ میں ایک قدر مشترک ہے اور وہ ہے مہوش فاطمہ.....! آپ بھی اسے پڑھتی ہیں اور میں بھی۔ مجھے یہ پتہ ہے کہ آپ اس سے بہت کم اثر قبول کرتی ہے' مگر میں اس کی باتوں' اس کے خیالات اور افکار سے بہت متاثر ہوتا ہوں۔ لیکن بہرحال قدر مشترک ہے۔'' زوہیب نے اتنا کہا اور خاموش ہو گیا۔

''لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے زوہیب صاحب کہ ہم بھی زندگی کو ایک ہی نگاہ سے دیکھیں۔ کسی بھی شے کے بارے میں آپ کا نکتہ نگاہ میرے نکتہ نگاہ سے مختلف ہوسکتا ہے۔ یہ ضروری تو نہیں کہ جس شے کو

میں پسند کرتی ہوں آپ بھی کریں۔ مطلب..... ہمارے درمیان اختلاف کی بہت زیادہ گنجائش ہوسکتی' بالکل اس شخص کی مانند جو مہوش فاطمہ کو نہیں پڑھتا۔'' فائزہ نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو زوہیب مسکرا دیا۔

''بالکل.....! میں سمجھتا ہوں اس بات کو۔ لیکن اب تک ہماری ملاقاتوں میں' جتنی گفتگو ہوتی رہی ہے۔ ویسی گفتگو میں آج تک کسی سے نہیں کر پایا۔ بہت سارے ایسے پہلو میں نے آپ کے ساتھ ڈسکس کئے جو تشنہ تھے۔ کیونکہ میں یہ بات سمجھتا ہوں کہ کسی بھی بات کو سمجھنے کیلئے' اس کے پس منظر کے بارے میں جاننا بہت ضروری ہوتا ہے۔''

''ہاں.....! اس حد تک تو میں آپ سے متفق ہوں.....'' یہ کہتے ہوئے اچانک فائزہ کے ذہن میں آیا کہ وہ اپنا پوائنٹ آف ویو اس پر واضح کر دینے کی بنیاد رکھ دے۔'' آپ کے ساتھ ملاقاتوں میں میری دلچسپی فقط یہی تھی کہ آپ نے زندگی کے بہت سارے پہلو میرے سامنے رکھے' ان پر بات کی۔ آپ کی گفتگو سے میں نے بہت سیکھا ہے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ کسی نکتے پر ہمارا اختلاف ہوا ہے یا اتفاق.....''

''اور آپ یہ بھی تسلیم کریں گی کہ جس سطح پر ہم جا کر بات کرتے ہیں' اس سطح تک جا کر بات کرنے والا ہمارے اردگرد کوئی دوسرا نہیں ہے۔'' زوہیب نے دھیرے سے اپنی بات منوالی۔

''بالکل ایسا ہے۔ خیر.....! آپ بتائیں' آج آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ساری باتیں ایک دن میں نہیں ہو جائیں گی..... میرے دوبئی واپس جانے میں کچھ دن باقی رہتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ جو باتیں میرے ذہن میں ہیں وہ میں آپ سے کرلوں..... کیا آپ مجھے وقت دے پائیں گی۔'' زوہیب نے درخواست کی' اس کے لہجے میں امید جھلک رہی تھی کہ جیسے اسے یقین تھا کہ وہ اس کی بات ضرور مانے گی۔

''بالکل.....! کیوں نہیں' لیکن اس کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ میں آپ کو پارک یا ہوٹل میں ملوں۔ آپ میرے پاس یونیورسٹی آجایا کریں۔ میرے خیال میں ایسی گفتگو کیلئے وہ بہترین جگہ ہے۔'' فائزہ نے لاشعوری طور پر ایک حد میں رہنے کا احساس دلایا۔ جسے وہ فوراً سمجھ گیا اور تیزی سے بولا

''میرے خیال میں وہی ایک بہتر جگہ ہے۔''

''خیر.....! آپ کچھ کہہ رہے تھے۔'' فائزہ نے اسے یاد دلایا۔

''بالکل.....! پہلی بات تو میں آپ سے یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ جس طرح میں مہوش فاطمہ کا بہت بڑا فین ہوں..... کیا کوئی دوسرا بھی اس حد تک ہوسکتا ہے۔'' زوہیب نے بہت دھیرے دھیرے سے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''اب دیکھیں.....! ہمارے پاس کوئی ایسا ثبوت نہیں ہے کہ جس سے ہم کوئی حتمی فیصلہ دے سکیں۔ ہاں، منطقی لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ اس کے خیالات و افکار کے اثرات تو مرتب ہوتے ہوں گے۔ جس کی مثال آپ ہیں۔ ممکن ہے ایسا کوئی اور بھی ہو۔''

''اب اس سوال کو اگر ہم ایک دوسرے زاویہ نگاہ سے دیکھیں کہ مہوش فاطمہ ایک خاتون ہے' اس کے اثرات مجھ پر اس لئے ہیں کہ میں مرد ہوں اور آپ پر اس لئے زیادہ نہیں ہیں کہ آپ صنف نازک سے تعلق رکھتی ہیں۔ اگر منطقی اعتبار سے دیکھا جائے تو کیا مہوش فاطمہ کے خیالات زیادہ مردوں کیلئے ہیں.....'' زوہیب نے کہا تو فائزہ ایک لمحے کیلئے گڑبڑا گئی۔ وہ اس سوال کا جواب بہت اچھی طرح سے دے سکتی تھی لیکن اگر وہ اس پر بات کرتی تو شاید مہوش فاطمہ کا روپ اس کے سامنے آ جاتا۔ اس لئے بہت آسانی کے ساتھ وہ اس بات سے پہلو بچا گئی اور صرف اتنا کہا۔

''میں اس کے متعلق کچھ اتنا نہیں کہہ سکتی۔''

''پھر بھی آپ کوشش تو کریں..... کوئی پہلو تو سامنے آئے گا'' زوہیب نے اصرار کیا تو اس نے چند لمحے سوچا اور پھر کہتی چلی گئی.....

''دیکھیں.....! میرے خیال میں جب بھی کوئی لکھاری کوئی کردار تخلیق کرتا ہے تو لکھاری کی پسند اور ناپسند اس میں ضرور شامل ہوتی ہے کیونکہ وہ کردار پہلے لکھاری کے ذہن میں تخلیق پاتا ہے۔ اب اگر مکالمے یا وہ باتیں جو اس کردار سے لکھاری کہلوانا چاہتا ہے یا اس کردار کے ذریعے اپنا نکتہ نظر واضح کرنا چاہتا ہے تو اس کے مطابق بات کرے گا۔ یوں اس کے بہت سارے کردار تخلیق پاتے ہیں۔ اگر ہماری کسی لکھاری کے اصل مدعا و مقصد تک پہنچنے کی خواہش ہے تو اس کے تخلیق کئے ہوئے بہت سارے کرداروں کا تجزیہ کرنا ہوگا۔ تب جا کر لکھاری کی اصل سوچ تک ہم پہنچیں گے کہ وہ آخر چاہتا کیا ہے..... میری اس بات کو اگر ہم فرض کر لیں یا اسے معیار بنا لیں تو ہم بڑی آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ مہوش فاطمہ ناراض لوگوں کی لکھاری ہے۔ انسان کے اندر جو اچھائی چھپی ہوئی ہے' وہ براہ راست اس پر اثر انداز ہوتی ہے۔ میں نہیں مانتی کہ اس میں کی صنف کا تعین ہوگا۔ وہ کوئی مرد بھی ہو سکتا ہے' کوئی عورت بھی ہو سکتی ہے۔ میرے خیال میں آپ اس کے کرداروں کے زیادہ قریب ہوں گے۔ اس لئے آپ زیادہ متاثر ہو گئے۔''

''آپ نے بہت اچھا تجزیہ کیا..... اس پر ہم یہ فرض کر سکتے ہیں کہ میری طرح کوئی خاتون بھی اس حد تک جا سکتی ہے۔ ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔'' زوہیب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کیوں نہیں ایسا ہو سکتا ہے۔''

''تو کیا یہ بھی ممکن ہے کہ مہوش فاطمہ کا دو فین' مرد اور خاتون' ان کے درمیان ذہنی ہم آہنگی موجود ہو.....؟'' زوہیب نے الجھتے ہوئے کہا۔ ''مطلب.....! وہ زندگی کی ایک شاہراہ پر مسلسل سفر کر سکتے ہیں۔ وہ اگر یکجا ہو جائیں تو.....''

''میں آپ کی بات سمجھ گئی ہوں..... مطلب آپ کو کوئی ایسی بیوی مل جائے جو مہوش فاطمہ کے خیالات سے متاثر ہو تو آپ دونوں کی زندگی اچھی طرح نبھ سکے گی یا نہیں۔'' فائزہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو وہ ایک دم سے کھل گیا۔ جیسے اس کی مشکل حل ہو گئی ہو۔

''بالکل.....! آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔''

''اب دیکھیں.....! میں سماجیات کی لیکچرار تو ہوں نہیں اور نہ ہی نفسیات کی ماہر کہ اس پر کوئی حتمی بات کہہ سکوں۔ ممکن بھی ہے اور ممکن نہیں بھی ہے۔'' یہ کہتے کہتے وہ اچانک خاموش ہو گئی۔ پھر چونکتے ہوئے بولی۔

''زوہیب صاحب.....! آپ نے اتنی الجھی ہوئی گفتگو کی ہے۔ مجھے نہیں پتہ کہ آپ اس ضمن میں مزید کیا کہنا چاہتے ہیں۔ لیکن کیا یہ اچھا نہیں ہوگا کہ آپ اپنا اصل مدعا کہہ دیں تو میرا خیال ہے ہم وقت ضائع کئے بغیر کسی نتیجے پر پہنچ جائیں۔ کیونکہ جو بات میرے ذہن میں آ رہی ہے' اس سے ہم کسی اور ٹریک پر نکل جائیں گے۔''

''ہاں.....! اب میں یہ پوچھنے کا حق تو نہیں رکھتا کہ آپ کے ذہن میں کیا آ رہا ہے لیکن اس سے متفق ضرور ہوں کہ اصل مدعا کہہ دوں؟''

''تو پھر کہئے.....'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''دراصل.....! میں ایک شریک حیات چاہتا ہوں..... میری خواہش ہے کہ وہ بھی ایسی ہو جو مہوش فاطمہ کے خیالات سے متفق ہو..... تاکہ ہم میں ذہنی ہم آہنگی ہو..... اور.....''

''آپ مرد ہیں اور اس لئے ایسا سوچ رہے ہیں..... آپ کسی خاتون کو اپنی سطح پر لانا چاہ رہے ہیں..... اس سے بھی ہٹ کر آپ خواہ مخواہ ایسی باتوں میں پڑ گئے ہیں جن کا اس معاملے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے.....'' فائزہ نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ.....؟''

''میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ دیکھیں.....! ازدواجی زندگی کیلئے کسی ایسی ذہنی ہم آہنگی کی ضرورت نہیں جیسی کہ آپ چاہ رہے ہیں۔ یہ تو بالکل ایسی بات ہے کہ آپ اور آپ کی بیوی کسی ایسے صابن پر متفق ہو جائیں جو دونوں کو پسند آ جائے..... کسی باہر والے کے خیالات پر متفق ہونے والی بات ہے یہ..... اگر اس کے خیالات بدل گئے..... تو کیا ہوگا.....؟ کیا آپ کے ازدواجی حالات ٹھیک رہیں گے.....؟ اصل میں ازدواجی زندگی دو لوگوں کے اندرونی معاملات کا نام ہے اور اس میں صرف اور صرف ایک چیز ہوتی ہے محبت.....! محبت ہی دو لوگوں کو قریب لاتی ہے' ان کے درمیان ذہنی ہم آہنگی لاتی ہے اور پھر باقی معاملات۔''

''محبت.....!'' زوہیب نے بھی ایک لفظ کہا اور خاموش ہو گیا جیسے اس کی ساری سوچیں تحلیل ہو گئی ہوں اور اس کی جگہ صرف یہی ایک لفظ تن گیا ہو..... ایسا تاثر اس پر چھا گیا ہو کہ جس سے وہ دم بخود ہو گیا۔

''جی ہاں محبت.....!'' فائزہ نے کہا اور اس کی طرف بہت غور سے دیکھا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم ہو چکا تھا۔ جیسے اب اس کے پاس کہنے کیلئے کچھ نہ بچا ہو..... تبھی فائزہ نے کہا۔ ''مہوش فاطمہ کے خیالات والی جس ذہنی ہم آہنگی کی بات آپ کر رہے ہیں' یہ تو بس ایسے ہے جیسے کسی مذہبی رہنما کو ماننے والے بہت سارے لوگ ہوں..... ان کا رابطہ تو فقط اس مذہبی رہنما کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی کی وجہ سے وہ اکٹھے ہوتے ہیں۔ وہ کسی کو اپنی ذاتی زندگی میں دخل کی اجازت نہیں دیتے۔ اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ مہوش فاطمہ کے خیالات سے متفق کوئی خاتون آپ کو صرف اس لئے پسند کرے کہ آپ بھی مہوش فاطمہ کے فین ہیں۔ اس کے خیالات سے متاثر ہے۔ وہ کسی حد تک آپ کو اچھی نگاہ سے دیکھے گی لیکن قربت کا باعث کیا شے ہے' اندر دل تک اترنے کی

وجہ کیا ہوسکتی ہیں.....؟ ذہنی ہم آہنگی نہیں صرف محبت۔''

''آپ نے تو میرے خیالات کو بدل کر رکھ دیا۔'' زوہیب نے دھیرے سے کہا۔ تو فائزہ پر اچانک ایک خیال الہام کی طرح وارد ہوا۔ کیا میں اس شخص کے خیال بدلنے کی سکت رکھتی ہوں؟ یہ خیال اس قدر زور آور تھا ایک لمحے کو تو اسے یہ احساس بھی نہ ہوا کہ وہ کہاں بیٹھی ہے اور کس کے سامنے بیٹھی ہے..... یہ خیال کسی ایسے ہیرے کی طرح اس کے ہاتھ لگ یا تھا جسے وہ تراشنا چاہتی تھی۔ اس کے رنگوں سے حیران ہونے کے مواقع حاصل کرنا چاہتی تھی۔

''آپ..... آپ کہاں کھو گئی ہیں۔'' زوہیب نے اس کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

''زوہیب صاحب.....! جہاں تک میرا خیال ہے آپ کے پاس اس موضوع پر کہنے کیلئے کچھ اور نہیں ہے جس سے گفتگو کا سلسلہ آگے بڑھ سکے۔''

''ہاں.....! ہے تو ایسا ہی ہے۔ میری سوچ کا جو ٹریک بدلا ہے آپ نے' مجھے اس پر ابھی مزید سوچنا ہے۔ ویسے آپ کی بات دل کو لگی ہے۔'' زوہیب نے کھلے دل سے اعتراف کیا۔

''تو پھر آپ ایسے کیجئے' اس پر مزید سوچئے..... جب آپ کسی خاص نکتے پر پہنچیں تو پھر ہم اس پر مزید بات کر سکیں گے..... سو اس وقت اجازت.....''

''آں..... ہاں..... اتنی جلدی..... پلیز ابھی آپ..... میرا مطلب ہے کہ ابھی آپ آئی ہیں..... ابھی تو بہت ساری باتیں کرنا باقی ہیں' چلیں باتوں کو چھوڑیں..... وہ تو چلیں گی اب..... آپ کچھ کھا پی تو لیں..... میرا مطلب ہے وہ سامنے ریستوران.....''

''کچھ نہیں.....! میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے..... مجھے اب جانا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے فائزہ اٹھ کھڑی ہوئی..... تبھی زوہیب نے بھی اٹھتے ہوئے کہا۔

''چلیں آئیں..... میں آپ کو ڈراپ.....''

''میں اپنی گاڑی پر آئی ہوں..... اللہ حافظ.....'' فائزہ نے کہا۔ اس کے لہجے میں خشک پن نمایاں تھا..... وہ مڑی اور وہاں سے چلی گئی۔ زوہیب اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ جس وقت وہ پارک میں آیا تھا' اس وقت کیا تھا اور اب اس کی کیفیت کیا ہے۔

فائزہ جس وقت اپنے کمرے میں آ کر بیٹھی تو اس کی اپنی کیفیت اس کے اپنے اختیار سے باہر ہو رہی تھی۔ وہ بہت مشکل سے اپنے گھر تک پہنچی تھی۔ اس خیال نے اسے پوری طرح لرزا کے رکھ دیا تھا کہ وہ زوہیب کی سوچ تبدیل کر سکتی ہے؟ وہ ایسا کر سکتی تھی کہ اس کے پاس دوہری قوت تھی' ایک اس کا اپنا وجود فائزہ حسن کی صورت میں تھا اور دوسرا مہوش فاطمہ کے نام سے.....! یہ خیال پھیلتا چلا جا رہا تھا۔ ممکن ہے کہ فائزہ حسن کی صورت میں اس کے خیالات پر اس قدر حاوی نہ ہو سکے۔ لیکن مہوش فاطمہ کے نام سے وہ اس کے ساتھ جیسا چاہے ویسا اسے بدل سکتی ہے.....؟ کیا یہ بد دیانتی نہیں ہوگی.....؟ پہلا خیال اسے یہی آیا تھا۔ اب تک لکھی گئی کہانیاں صرف اس شخص کیلئے تھی جسے نہ وہ جانتی تھی اور نہ ہی اس کا کوئی حوالہ اس کے پاس موجود

تھا۔ لیکن وہ اس کا اپنا تھا۔ اس کا مخاطب وہی تھا۔ اسی سے ہی اس کو سکون ملتا تھا۔ یوں جیسے وہ اس کے ساتھ رابطے میں ہو۔ وہ جو کچھ بھی اس سے کہنا چاہتی تھی' کہہ لیا کرتی تھی۔ لیکن.....! پہلی بار اس نے زوہیب کیلئے سوچا تھا۔

زندگی کبھی کبھی یوں بھی کسی کو ایسے مقام پر لے آتی ہے جہاں آکر وہ ششدر رہ جاتا ہے' تمام تر سوچیں سلب ہو کر رہ جاتی ہیں کہ وہ کیا کرے، لیکن بعض اوقات ایسے ہی کسی مقام تک پہنچ کر خیالات کی فراوانی اس قدر ہو جاتی ہے کہ کسی ایک خیال کو قابو میں کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ فائزہ کیلئے بھی وہ ایسا مقام تھا۔ ایک کے بعد ایک خیال اس کے ذہن میں آتا چلا جا رہا تھا۔ وہ پوری طرح پرسکون ہونا چاہتی تھی لیکن سوچیں تھیں کہ اس پر حاوی ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ یہ خیال ایسا کنکر نہیں تھا جو پرسکون جھیل میں آگرے تو لہریں نامحسوس انداز میں پھیلتی چلی جائیں۔ یہ تو اس بگولے کی مانند تھا جس میں سوچیں پتوں کی طرح اڑتی چلی جا رہی تھیں۔ تبھی مغرب کی اذان ہوگئی تو وہ ایک دم سے پرسکون ہوگئی۔ صدائے تکبیر بلند ہونے پر ساری سوچیں اس کے ذہن سے نکل گئیں۔ اسے اگر یاد رہا تو صرف سجدہ جو اس نے رب کے حضور کرنا تھا۔ وہ وضو کرنے کیلئے اٹھ گئی۔

اس وقت وہ سونے کیلئے اپنے بستر پر آن لیٹی تھی۔ وہ جب پرسکون ہو کر لیٹ گئی تو انہی لمحوں میں وہ خیال پھر سے اس کے دماغ میں آگیا۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ اس لئے وہ صرف اپنے اندر کی آواز ہی سن سکتی تھی۔ اسے باہر کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس وقت یہ خیال کسی بگولے کی مانند نہیں آیا بلکہ اس قدر نرماہٹ تھی جیسے فضا میں اڑتا ہوا کوئی آنچل دھیرے سے کسی پودے پر آن گرے۔ وہ زوہیب کو بدل سکتی ہے..... کس طرح بدل سکتی ہے؟ یہ ہنر تو اس کے پاس تھا۔ مگر اسے کس نہج پر' اس سمت میں لے جانا ہے' یہ اس کے دماغ میں نہیں تھا۔ وہ اس وقت پرسکون تھی اور اس پر سوچنا چاہتی تھی۔ اچانک اس نے سارے خیالات کو دماغ سے نکال دیا اور مراقباتی کیفیت میں چلی گئی۔ اس کے ذہن میں صرف ایک ہی سوچ تھی کہ میں زوہیب کو کیوں بدلنا چاہتی ہوں؟ وہ بہت دیر تک اس سوال کو لئے بیٹھی رہی۔ مگر کوئی جواب اس کی جھولی میں نہیں گرا۔ اس پر وہ قطعاً حیران نہیں تھی۔ آخر کیا رشتہ ہے اس سے' کیا تعلق ہے' کیوں ایسا چاہ رہی ہے؟ صرف چند دن کی ملاقات اور تھوڑی سی گفتگو؟ نہیں..... اس سے بھی بڑھ کر اس کا تعلق تھا۔ ایک منفرد تعلق جیسا وہ اسی ہیولے سے محسوس کرتی تھی۔ اس کی انفرادیت کو وہ مانتی تھی اور زوہیب سے تعلق میں بھی انفرادیت تھی۔ مہوش فاطمہ..... اسے مہوش فاطمہ بن کے بھی تو سوچنا چاہئے..... کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو اس کے خیالات سے متاثر ہو اور پھر اس کے سامنے بھی آگیا ہو..... زوہیب کی الجھن اپنی جگہ بالکل درست تھی کہ کیا اور بھی اس کی طرح کا شخص ہے جو مہوش فاطمہ سے متاثر ہوگا؟ آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل والی بات تھی۔ کوئی سامنے نہیں تھا تو ایسا ناممکن دکھائی دے رہا تھا۔ جب اس کی بھی خواہش تھی' تب اسے بھی یہ ناممکن ہی دکھائی دے رہا ہے۔ تو یہ طے تھا کہ مہوش فاطمہ ہونے کے ناطے اس کا زوہیب سے ایک منفرد تعلق تھا..... لیکن وہ سوال پھر اپنی جگہ موجود تھا کہ اسے بدلنے کا خیال کیوں آیا؟

اس نے اپنے طور پر سوچا کہ شاید وہ پہلا شخص ہے جو اس کے مداح کی حیثیت سے اس کے سامنے آیا

۔جس کا اسے یقین ہے کہ وہ مہوش فاطمہ کے خیالات سے تبدیل ہوا۔لیکن ایک بات جو درمیان میں آ گئی تھی کہ وہ فائزہ کو پسند کرنے لگا ہے' اس نے شک میں ڈال دیا کہ ہوسکتا ہے وہ یونہی کہہ رہا ہو۔اسی شک کو یقین میں بدلنے کیلئے وہ اپنے خیالات و افکار کے ذریعے اسے بدلنا چاہتی تھی۔وہ اسے اسی راستے پر ڈالنا چاہتی تھی' جس کی وہ خواہش رکھتی۔اگر وہ تبدیل ہوتا' تبھی وہ اس کی بات پر یقین کرنے والی تھی اور پھر.....! شاید وہ اس بارے میں سوچ سکے کہ مہوش فاطمہ کے خیالات میں کچھ جان ہے۔

وہ اس نہج پر سوچتی رہی۔سوچوں ہی سوچوں میں نجانے وہ کہاں تک پہنچی۔مگر اس رات وہ کوئی فیصلہ نہ کرسکی۔اس کے ذہن میں کچھ بھی واضح نہیں ہوا تھا۔ہاں.....! اسے اتنا یقین ہوگیا تھا کہ اسے یہ کرنا ہے..... کیوں کرنا ہے؟ یہ سوچنا اس نے کسی اور وقت کیلئے اٹھا رکھا۔وہ نیند کی وادیوں میں کھو گئی تھی۔

☆☆☆

شاید اس وقت رات کا آخری پہر شروع ہوا تھا' مگر زوہیب کیلئے تو جیسے وقت ٹھہر گیا تھا۔وہ فائزہ سے ہونے والی مختصر سی گفتگو میں ہی الجھا ہوا تھا۔ہر بات کی پرت در پرت میں اک نئی سوچ اس سے ملتی۔اس نے تو چاہا تھا کہ وہ فائزہ سے بہت کچھ کہے گا۔اتنا کچھ کہ وہ ایک ایسے مقام پر آ کر ٹھہر جائے گی جہاں اس کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا۔تب وہ اپنا مدعا بیان کرے گا۔وہ اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ اس میں مہوش فاطمہ کا عکس دیکھتا ہے اور اگر مہوش فاطمہ نہیں ہے تو وہ اس سے مشورہ چاہ رہا تھا کہ اس کی شادی کس سے ہو؟ اسے کس طرح کی لڑکی سے شادی کرنا چاہئے۔مگر اس نے تو سیدھے سیدھے ایک ایسی بات بتا دی.....جس نے اس کی ساری سوچی ہوئی باتوں کو سلیٹ پر لکھے ہوئے لفظوں کی مانند صاف کرکے رکھ دیا۔

محبت.....! یہ اس نے ٹھیک کہا تھا۔ازدواجی زندگی کیلئے محبت بہت ضروری شے ہے' ورنہ پھر دو لوگوں کا ساتھ محض سمجھوتہ ہی ہوتا ہے۔وہ اتنی اہم شے کیوں بھول رہا تھا۔کیا کبھی مہوش فاطمہ نے محبت کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا.....؟ یہی یاد کرتے کرتے ہی اسے یہ وقت آ گیا تھا۔اسے بہت کچھ یاد آیا تھا۔اس کے تخلیق کردہ کرداروں میں تو محبت ایک ثانوی حیثیت رکھتی تھی' پہلے ان کے ہاں فرض ہوتا تھا۔اس کے کردار فرض کیلئے' کسی نہ کسی مقصد سے محبت کرنے والے تھا۔کسی لڑکی یا لڑکے سے محبت اس کی کہانیوں میں ایک ایسا پہلو ہوا کرتا تھا جس سے صرف محسوس ہی کرانا مقصود ہوتا تھا کہ بدن کی محبت سے نکل کر مقصد کی طرف جانا ہی انسانیت کی معراج ہے اور شاید اس نے بھی اسی طرف دھیان دیا تھا۔

اس نے اپنے ماضی کو دیکھا' دور تک گیا' اسے کہیں بھی ایسا کچھ دکھائی نہیں دیا' جہاں کسی کیلئے اس کے جذبات مچلے ہوں۔کسی کو دیکھ کر دل دھڑکا ہو یا پھر کسی کیلئے خود کو تج دینے کا احساس پیدا ہوا ہو۔اس نے ہمیشہ عورت کا احترام کیا تھا۔

وہ کسی دوسری دنیا کا باشندہ نہیں تھا جہاں محبت کا وجود نہیں تھا' وہ اسی دنیا اور اسی معاشرے سے تعلق رکھتا تھا' جہاں ہر طرح کا جذبہ اور احساس موجود ہے مگر اس کی قسمت ہی کچھ اس طرح کی تھی کہ وہ محبت کو صحیح معنوں میں سمجھ ہی نہیں سکا تھا۔اسے تو یہ سارا جہاں نفرتوں کا دیار لگتا تھا۔جب تک اسے بابا جی نہیں ملے اس

کے اندر اپنے تحفظ کا خوف جاگزیں تھا۔ وہ اپنے لئے اور دوسروں کے تحفظ کیلئے ہی لڑا تھا اور پھر جب تبدیلی کا عمل شروع ہوا تو صنف کے تقاضوں سے ماورا ہو کر اس نے انسان کو سمجھنا چاہا اور اسی سمجھ میں وہ ان راستوں پر نکل گیا۔ جہاں محبت تو موجود تھی مگر وہ کوتاہ نگاہ اسے نہیں دیکھ پایا تھا اور پھر اس کی یہ قسمت کہ کسی دوسرے نے بھی اس سے محبت نہ کی' یہ احساس ہی نہیں دیا۔ وہ ہر تعلق کو رشتے کے مضبوط بندھن میں دیکھتا رہا اور اس جذبے سے نابلد رہا جو محض احساس ہوتا ہے اور رشتوں سے بہت ہی ماورا ہوتا ہے۔

اسے یہ دکھ نہیں تھا کہ مہوش فاطمہ نے محبت کے بارے میں کیوں نہیں لکھا؟ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا کہ اس نے محبت کو جاننے اور سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔ مہوش فاطمہ نے تو محبت پر بہت لکھا تھا۔ اس کی کہانیوں میں مقصد کی منزل تک پہنچنے میں محبت تو راہ میں بال کھولے کھڑی ہوتی ہے کبھی اس نے محبت سے اظہار ہمدردی نہیں کیا' بلکہ مہوش فاطمہ کے ساتھ چلتے چلتے اس نے بھی نفرت اور حقارت کی نگاہ ڈالی۔ اس نے آنسوؤں سے تر چہرے کو غور سے نہیں دیکھا' کبھی محبت کی سسکی کو قریب سے نہیں سنا اور نہ ہی محبت کی آہ کو اتنی اہمیت دی کہ اس سے دکھ کا اندازہ ہو جائے۔ بلاشبہ مہوش فاطمہ نے بھی محبت کو اہمیت نہیں دی تھی اور شاید وہ محبت کو اپنی کہانیوں میں جگہ نہ دیتی اگر محبت کا وجود تسلیم نہ ہوتا۔ اس نے محبت کو ہمیشہ ایک پر خار وادی سے تشبیہ دی تھی' جس میں بہت ہی محتاط ہو کر چلنا پڑتا ہے۔ اس لئے ایک ایسا تاثر اس کے ذہن میں تھا کہ بس یہاں سے بچ کر ہی نکلنا ہے۔ اس کی اصل منزل تو اس کا مقصد ہے۔ اسے اس وادی میں تادیر الجھنا نہیں چاہئے۔

اسے یہ غم بھی نہیں تھا کہ مہوش فاطمہ نے محبت کے بارے میں ایسا کیوں لکھا؟ اس کی اپنی سوچ تھی نا کہ وہ جیسا لکھتی اور وہ شعوری اور لاشعوری طور پر اسے پسند کرتا چلا گیا۔ اس کی سوچ میں اسے اپنا عکس دکھائی دیا تھا اور اسی عکس میں وہ خود کو خوبصورت ترین بن کر اس دھن میں مہوش کے ساتھ چلتا چلا گیا۔ وہ جس راہ پر بھی چلی' وہ اسی راستے پر بنا سوچے سمجھے چلتا چلا گیا یہاں تک کہ اب اسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ وہ محبت جیسے انمول خزانے کو سمجھنے سے قاصر تھا کیا مہوش فاطمہ بھی محبت کی حقیقت کو نہیں سمجھتی یا پھر محبت ایسی بے اہمیت شے ہے جس کے بارے میں اس کا نظریہ کچھ اتنا اچھا نہیں ہے؟ یہی سوچتے سوچتے اچانک اسے یہ خیال آیا کہ اگر بابا جی اسے مہوش فاطمہ سے متعارف نہ کراتے تو کیا وہ پھر بھی مہوش فاطمہ تک پہنچ جاتا؟ بابا جی نے اسے مہوش فاطمہ سے متعارف کیوں کروایا یہ سوال اپنی جگہ' لیکن کیا مہوش فاطمہ کا محبت کے بارے میں افسانہ درست ہے' کیا یہی حقیقت ہے؟ کیا مہوش فاطمہ بھی اس کی طرح محبت سے نابلد لکھاری ہے۔ جسے شاید محبت کے اصل مفہوم کا ہی پتہ نہیں..... یہاں تک سوچتے ہوئے اس نے اس حقیقت کا احساس شدت سے کیا کہ لفظوں کی اس بازی گر لکھاری کی شخصیت کو تو اس نے سمجھا ہی نہیں' کہیں مہوش فاطمہ کے خیالات و نظریات کو اپنائے رکھنے میں اس نے وقت تو ضائع نہیں کر دیا؟ وہ اچانک گھبرا گیا۔ یہ خیال تو لرزا دینے والا تھا۔ وہ اٹھا اور اندھیرے کمرے میں چند قدم چلتے ہوئے کھڑکی میں آن کھڑا ہوا۔ جہاں اسے پورا شہر ہی سویا ہوا محسوس ہوا۔ سوئے ہوئے شہر میں اکیلا جاگتا ہوا آدمی کسی کشمکش میں ہے' کسی کو کیا احساس؟ اسے تو اپنا بار خود ہی اٹھانا تھا۔ اسے خود سوچنا تھا۔ اسے خود طے کرنا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔

بابا جی نے مہوش فاطمہ سے متعارف کیوں کروایا تھا؟ بہت عرصے بعد بعد اس کے ذہن میں یہ سوال آیا تھا۔ بلاشبہ بابا جی کا مقصد تو یہی تھا کہ تبدیلی کے وقت انسان کو جہاں قوت ارادی درکار ہوتی ہے' وہاں حوصلہ بھی چاہئے ہوتا ہے۔ ملاقاتوں کا سلسلہ ختم ہوتا ہوا دکھائی دیا تو انہوں نے مہوش فاطمہ سے متعارف کرا دیا۔ جس قوت ارادی اور حوصلہ کی اسے ضرورت تھی' اسے ملتا رہا تو کیا اب اس کی ضرورت نہیں رہی؟ کیا وقتی ضرورت تھی؟ کیا وہ نشہ بن کے اس کی رگوں میں سرائیت کر چکی ہے' جس سے جان چھڑانا اس کیلئے مشکل ہو رہا تھا یا پھر لاشعوری طور پر وہ اس سے اس قدر عادی ہو گیا ہے کہ اب اس سے جدائی کا تصور محال ہے؟

زوہیب کھڑکی سے ہٹ گیا اور دھیرے دھیرے قدموں سے چلتا ہوا صوفے پر آن بیٹھا۔ اسے یہ پوری طرح احساس ہو گیا تھا کہ بنیادی طور پر مہوش فاطمہ' کوئی حیثیت نہیں رکھتی تھی لیکن بابا جی نے جو اسے بتایا تو ان کا احترام اس لکھاری کے ساتھ جڑ گیا۔ احترام کے ہالے میں دکھائی دینے والی وہ لکھاری بھی اسے محترم لگی تھی۔ یوں اس نے اپنے ذہن کے دَر اس لکھاری کیلئے وَا کر دیئے اور پھر وہاں پر وہی کچھ نقش ہوتا چلا گیا جو اس لکھاری نے چاہا۔ یہ سب کچھ ہونے کے باوجود وہ اس لکھاری کو ذرا سا بھی دوش نہیں دے سکتا تھا۔ جو کچھ بھی کیا اس نے خود کیا تھا' جس طرح زیادہ میٹھا' کڑاوہٹ کا باعث بن جاتا ہے' اس طرح احترام کی زیادتی یا تقدیس کی فراوانی انسان کے اپنے وجود کیلئے خطرہ بن جاتی ہے۔ وہ اپنی ذات پر اعتماد کھو دیتا ہے اور دوسروں کے سہارے کا عادی بن جاتا ہے۔ مرشد اپنے اس مرید پر توجہ خاص کرتا ہے جو مرید اس کا اہل ہو۔ جس میں توجہ حاصل کرنے کی صلاحیت ہو..... اُڑان اسے ہی سکھائی جاتی ہے جو اُڑنے کیلئے تیار ہوتا ہے' بہ نسبت اس کے کہ کسی کو اُڑان بھرنے کیلئے تیار کرنے میں وقت صرف کیا جائے۔ یہ سوچتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرا دیا..... اس نے اپنی زندگی میں اک نئی کروٹ لی تھی۔ تقدیس کا ہالہ کسی شیشے کی مانند تھا جو ایک لمحے میں چھناکے کے ساتھ ٹوٹ گیا' اس نے آزادی محسوس کی تھی۔ اب مہوش فاطمہ محض ایک لکھاری کے طور پر اس کے سامنے تھی۔ تبھی اس نے خود سے سوال کیا..... کیا اب میں اسے پڑھوں گا؟ فوری طور پر اس سوال کا جواب اس کے گنبد سر میں نہیں آیا۔ ایک سناٹا تھا جو کئی لمحوں پر محیط ہو گیا۔ وہ اس وقت مراقباتی کیفیت میں تھا' جواب کے انتظار میں کوئی سوچ نہیں تھی۔ محض انتظار تھا..... وہ لاخیال ہو گیا۔ کافی دیر بعد اسے یہی جواب ملا کہ ہاں اسے پڑھنا ہے' یوں میں اچانک اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں..... اب تو بالکل اسے نئے رنگ میں دیکھنا ہوگا۔ اک نیا تناظر ہے' نیا معیار ہے' وہ پھر سے اسے پڑھے گا۔ تقدس اور احترام کے ہالے کے بغیر وہ اپنی نگاہ سے دیکھے گا..... بلاشبہ یہ اک نیا چارم ہوگا۔ وہ لفظوں میں چھپی اس مہوش فاطمہ کو دیکھے گا جو ایک انسان ہے' ایک عام عورت۔ اس معاشرے میں بسنے والی عورت۔ وہ کیوں محبت کے بارے میں ایک خاص قسم کا نظریہ رکھتی ہے۔ اسے پورا یقین تھا کہ اس سے براہ راست بات کرنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں ہوگی۔ اس کے سارے سوالوں کا جواب اس کی اپنی تحریروں میں موجود ہوگا۔ اب وہ اصل مہوش فاطمہ کو پانے کی جستجو کرے گا۔ تب پھر اسے بھی معلوم ہوگا کہ محبت کیا ہے؟ وہ جو مہوش فاطمہ بتاتی ہے یا پھر وہ جس کی طرف فائزہ حسن نے اشارہ کیا تھا۔

فائزہ حسن.....! اس کا نام آتے ہی زوہیب کے سامنے اس کا سراپا گھوم گیا۔ بلاشبہ یہ فائزہ اسے

منفرد لگی تھی۔ اپنی باتوں سے' اپنے رویے سے اور اپنے انداز سے۔ یہ انفرادیت بھلا کیا کم تھی کہ اس نے محض ایک جھٹکے میں اس کی سوچ کو ایک نئے راستے پر ڈال دیا تھا۔ وہ بھی کتنا کوتاہ نظر ہے..... اس فائزہ کو بھی دیکھا تو مہوش فاطمہ کے تناظر میں..... اس طرح تو ممکن ہی نہیں تھا کہ فائزہ اسے اپنے اصل روپ میں دکھائی دیتی شاید اس نے زندگی کے دوسرے رنگوں' جذبات کو یا پھر احساسات کو بھی پوری طرح نہیں دیکھا تھا اور فائزہ کو بھی..... محض مہوش فاطمہ کی ایک قاری سمجھ کر اس سے ملا تو بلاشبہ اسے فائزہ حسن پوری طرح تو دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اسے کسی زیاں کا احساس نہیں ہوا تھا بلکہ اپنے تجربات کیلئے پہلو سوچتے ہوئے بہت اچھا لگ رہا تھا اور یہ رات اس کیلئے خاص طور پر اہم ہوگئی تھی کہ تقدیس کے چکر سے باہر نکل آیا تھا۔ اس نے ذرا سا غیر روایتی انداز میں سوچا تو سوالات کا ڈھیر اس کے سامنے تھا۔ زندگی نئے پہلوؤں کے ساتھ اس پر روشن ہونے لگی تھی۔ وہ ایک عزم سے اٹھ گیا' اب اسے اپنی آنکھوں سے زندگی کو سمجھنا تھا۔ وہ جو سوالوں کا ڈھیر اس کے سامنے تھا' ان کا جواب اسے خود تلاش کرنا تھا اور..... محبت کیا ہے' اسے خود سمجھنا تھا۔ وہ صوفے سے اٹھا اور بیڈ تک چلا گیا۔ اس نے کلاک کو دیکھنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ بیڈ پر لیٹتے ہی وہ اس مراقباتی کیفیت میں چلا گیا جس کا مزہ اس نے تھوڑی دیر پہلے لیا تھا۔ وہ کچھ بھی سوچنا نہیں چاہ رہا تھا۔ اسی لاخیالی میں وہ نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

☆☆☆

وہ ایک روشن صبح تھی۔ فائزہ حسن کی آنکھ تو اپنے معمول کے مطابق ہی کھلی تھی۔ نماز اور تلاوت قرآن کے بعد جب وہ تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آئی تو معمول سے زیادہ خوشگوار تھی۔ سبھی ناشتے کی میز پر تھے۔ سعد اور ثناء اپنے باپ کے ساتھ جانے کیلئے تیار تھے۔ سعد کو سکول اور ثناء کو کالج جانا تھا۔ اس کے بھائی منصور حسن نے اسے غور سے دیکھا اور بڑے پیار سے کہا۔

''فائزہ.....! کیا بات ہے' آج تم بہت خوش دکھائی دے رہی ہو.....''

بھائی کے اس احساس پر خوشی کی ایک لہر اس کے پورے وجود میں سکون بن کر پھیل گئی۔ اس نے اپنے بھائی کی طرف حیرت سے دیکھا اور پھر بولی۔

''بھائی.....! حیرت ہے' آپ نے یہ کیسے محسوس کر لیا؟''

''آج تمہارے چہرے پر وہ تناؤ نہیں ہے جو روزانہ ہوا کرتا ہے اب یہ تناؤ کیوں ہوتا تھا' میں اس کے بارے میں نہیں جانتا' لیکن آج تمہارا چہرہ بہت شاداب ہے' مگر فکر نہ کرو' میں نہیں پوچھتا کہ ایسا کیوں ہے۔ ہاں، یہ خواہش ضرور کروں گا کہ تم اسی طرح خوش رہو'' منصور حسن نے صدق دل سے دعا دیتے ہوئے دھیرے دھیرے کہا تو وہ خود کو دنیا کی خوش قسمت ترین بہن تصور کرنے لگی۔

''بھائی.....! میرے پاس لفظ نہیں ہیں کہ میں آپ کے اس پیار کا شکریہ ادا کر سکوں۔ آپ میرا اتنا خیال رکھتے ہیں۔'' فائزہ کے لہجے میں انتہا درجے کا پیار گھلا ہوا تھا۔

''ارے پاگل.....! میں تمہارا خیال نہیں رکھوں گا تو اور کون رکھے گا۔'' منصور حسن نے کہا تو وہ مسکرا

دی۔ تبھی اس نے چونک کر کہا۔

''آپ سے میں نے کہا تھا کہ ان دونوں کو میں ڈراپ کر دیا کروں گی اور آپ اطمینان سے.....''

''نہیں.....!'' منصور نے جلدی سے کہا۔ ''میں انہیں اس لئے ڈراپ نہیں کرتا کہ یہ میری ذمہ داری ہے بلکہ ان کی وجہ سے میں دفتر پابندی سے اور وقت پر پہنچتا ہوں..... ورنہ میری عادت خراب ہو جائے گی..... تم سناؤ.....! لیکچرار شپ کیسے چل رہی ہے۔''

''بہت اچھی.....! اور اب میں نے فیصلہ کیا ہے کہ مزید پڑھوں گی۔''

''جیسے تمہاری مرضی.....'' منصور حسن نے کہا اور ایک نگاہ ناشتہ کرتے بچوں پر ڈالی۔ جو تیزی سے ناشتہ ختم کر رہے تھے۔ شاید ان کے درمیان کوئی مزید بات چلتی بھابی فرش جوس لے آئی۔ جیسے ہی اس کی نگاہ فائزہ کے چہرے پر پڑی تو وہ قدرے چونکی اور پھر کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''فائزہ.....! آج تم قدرے بدلی بدلی نہیں لگ رہی ہو' کیا بات ہے؟''

''ماما.....! یہ بات پہلے ہو چکی ہے۔ پاپا نے بھی ایسا ہی محسوس کیا تھا۔'' ثناء نے مسکراتے ہوئے کہا تو بھابی نے قدرے حیرت سے کہا۔

''واقعی.....! تو پھر کیا بتایا ہے تمہاری پھوپھو نے.....؟''

''وجہ تو نہیں بتائی۔'' ثناء نے فائزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی اور دھیرے سے بولی۔

''ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ میں خوب جی بھر کے سوئی ہوں۔ یہ گہری نیند تھی جس کا سکون میرے چہرے سے جھلک رہا ہے۔''

اس کے یوں کہنے پر بھابی نے گہری نگاہوں سے فائزہ کو دیکھا ہے۔ جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہی ہوں لیکن کہہ نہیں پا رہی ہوں..... اس نے بھابی کی نگاہوں میں مچلتی اس خواہش کو دیکھ لیا تھا جبکہ بھابی جوس گلاسوں میں انڈیلنے لگی تھی۔ انہی لمحوں میں فائزہ نے سوچا کہ آخر وہ کیا چیز ہے جس نے آج اس کے چہرے پر معمول سے زیادہ شادابی بکھیر دی ہے؟

''ہاں.....! یہ وجہ ہو سکتی ہے..... بس تم اب سکون سے بھرپور نیند لیا کرو..... اور بچوں تم بھی' جلدی سے سو جایا کرو اور صبح جلدی اٹھ جایا کرو.....'' منصور حسن نے کہا تو بھابی نے اپنے شوہر کی طرف دیکھا' اس کے یوں دیکھنے میں ایک شکوہ تھا' فائزہ یہ سب دیکھ رہی تھی۔

ناشتے سے فراغت کے بعد وہ سبھی اٹھے۔ بھابی میز پر ہی رہی۔ اس کا بھائی بچوں کو لے کر اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا تو فائزہ اپنے ذہن پر بھابی کے رویے کا بوجھ لئے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھی۔ وہ اس وقت دو متضاد کیفیات میں تھی۔ ایک وہ خوشگوار کیفیت کہ جس میں وہ آج معمول سے زیادہ خوشگواریت اس کے چہرے سے عیاں تھی اور دوسری وہ بوجھ زدہ کیفیت جس کی وجہ بھابی کا انداز تھا۔ اس نے گاڑی سٹاری کی اور پھر ان متضاد کیفیت کو گیٹ پار کرتے ہوئے گھر کی دہلیز پر ہی چھوڑ دیا۔ وہ اب کوئی بوجھ خود پر نہیں رکھنا چاہتی تھی۔

اس نے ڈیپارٹمنٹ کے سامنے گاڑی پارک کی اور اپنی کتابیں' فائل اور پرس سنبھالتی ہوئی اپنے

کمرے کی جانب بڑھی۔ کاریڈور میں طلبہ و طالبات کا ایک گروپ کھڑا تھا۔ ان میں نادیہ بھی کھڑی تھی۔ وہ جیسے ہی ان کے قریب سے گزری تو انہوں نے علیک سلیک شروع کر دی۔ وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ ان کے سلام کا جواب دیتی رہی۔ جب وہ ان سے ملنے ملانے کے بعد اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تو نادیہ بھی اس کے ساتھ ہو گئی۔ اس نے کمرے میں جا کر میز پر کتابیں' فائل اور پرس رکھا تو نادیہ نے کہا۔

''دیدی.....! اللہ نظر بد سے بچائے' آج آپ بہت اچھی لگ رہی ہیں'' نادیہ کے یوں کہنے پر فائزہ چونک گئی۔ یہ صبح سے تیسری شہادت تھی' جس نے اسے خوشی سے سرشاد کر دیا۔ وہ اپنی اسی سرشاری کو چھپاتے ہوئے لرزتی آواز میں بولی۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے نادیہ کہ پہلے میں اتنی اچھی نہیں لگتی تھی.....''

''ایسا نہیں ہے۔'' نادیہ یکدم ہی گڑبڑا گئی۔ شاید اسے فائزہ کے اس طرح کے رویے کا اندازہ نہیں تھا۔

''تو پھر کیا ہے؟'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو نادیہ دھیرے سے ہنستے ہوئے بولی۔

''دیدی.....! مجھے یہ تو نہیں پتہ کہ کیا ہے یا کیسا ہے' لیکن آج آپ کی طرف دیکھتے ہی بہت اچھا لگا۔ حالانکہ آپ نے ایسا کوئی اہتمام نہیں کیا۔''

''ارے میری جان.....! وہ کہتے ہیں نا کہ حسن کسی شے میں نہیں بلکہ دیکھنے والی آنکھ میں ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح آج تم نے یوں دیکھا ہوگا۔'' فائزہ نے عام سے انداز میں کہا اور کرسی پر بیٹھ کر دراز کھول لیا۔ تو نادیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں دیدی.....ایسا ہی ہوگا۔ میں سوچوں گی کہ آج میں نے ایسے کیوں دیکھا۔''

''اس کے یوں کہنے پر فائزہ نے ایک بار اس کی طرف دیکھا اور بولی۔

''ہاں تم ضرور سوچنا۔''

اس بار شاید اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا کہ نادیہ نے مزید کچھ نہیں کہا اور پلٹ گئی۔ تبھی فائزہ نے بے بس سی ہو کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا لی۔ نادیہ جاتے ہوئے اس سوچنے پر مجبور کر گئی تھی۔ اسے بھی یہ احساس ہو گیا تھا کہ ضرور کوئی بات ہے جس کا اثر اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اسے یقین تھا کہ من کی ساری کیفیت وہ چاہے کیسی بھی ہے چہرے سے ضرور عیاں ہوتی ہے اور چہرے پر موجود آنکھیں تو کچھ بھی نہیں چھپا سکتیں۔ کسی بھی راز کو چھپانے یا عیاں ہونے میں نگاہ کی بہت زیادہ اہمیت ہے اور اسی اہمیت کے پیش نظر راہ سلوک میں مقامِ نگاہ ہی کو اولین درجہ حاصل ہے۔ یہ سوچتے ہوئے بلاشبہ اس کی ذہنی رُو ادھر بہک جاتی مگر ایک اور سوچ اس کے دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگی کہ پہلے میرا احساس کرو..... وہ سوچ ایک سوال بن کر اس کے سامنے عیاں ہو گیا.....ایسی کیا بات ہو گئی ہے کہ اس کے چہرے پر خوشگواریت معمول سے زیادہ ہے؟ کچھ لمحے تو اسے سمجھ ہی نہیں آ سکی کہ اس کا ممکنہ جواب کیا ہو سکتا ہے۔ پھر دھیرے دھیرے دھند چھٹی اور اسے یاد آیا کہ رات اس نے جو سوچا' شاید یہ اسی کا عکس ہے۔

اسے یاد آیا کہ رات اس نے پورے خلوص سے ایک فیصلہ کیا تھا۔ بلاشبہ یہ اس فیصلے کی خوشی ہے جس نے اس کے چہرے کو خوشگواریت کا تحفہ دیا ہے۔ تو کیا وہ درست سمت میں سفر کرنے والی ہے۔ کیا اس کا یہ فیصلہ ٹھیک تھا؟ جس کی تائید اسے مل رہی ہے؟ ان ساری سوچوں نے اس کے اندر خوشی کا ایک اور احساس پیدا کر دیا۔ جیسے سمندر کی تہہ میں چلنے والی روئیں بہت کچھ تہہ و بالا کر دیتی ہیں۔ اس کے اندر بھی اک ہلچل مچ گئی اور سوالوں کا سلسلہ قطار باندھے اس کے سامنے آن موجود ہوا۔ وہ گھبرا گئی۔ یہ جگہ سوچنے کیلئے نہیں تھی۔ اس نے دراز بند کیا' وقت دیکھا اور کلاس لینے کیلئے اٹھ گئی۔

وہ کلاس لے کر واپس آئی تو کمرے میں زوہیب کو بیٹھے ہوئے پایا۔ اگرچہ اس کی آمد غیر متوقع نہیں تھی مگر یوں اچانک آ جانا اور اتنے کم وقفے میں کہ کل شام ملاقات ہوئی۔ اسے عجیب سا لگا۔ اس پر حیرت اسے یہ ہوئی کہ وہ قدرے سست سا تھا۔ وہ چوکنا پن جو اس کی شخصیت کا خاصہ ہوا کرتی تھی اس وقت اس میں نہیں تھا۔ اس کی آمد کا احساس کر کے زوہیب نے گردن گھمائی اور دھیرے سے کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

''اسلام علیکم.....! معذرت خواہ ہوں کہ میں آپ کو یوں ڈسٹرب کرنے آ گیا۔ دراصل.....''

''وعلیکم اسلام.....! تشریف رکھئے زوہیب صاحب۔ کیا سارا کچھ ایک ہی وقت میں کہہ دیں گے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور میز پر نوٹس رکھتے ہوئے وہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی تو وہ بھی اس کے سامنے والی کرسی پر براجمان ہو گیا۔

''وہ دراصل آپ نے کل ایک ایسی بات کہہ دی تھی جو میرے لئے ایک بھنور ہی نہیں کسی قدر آزادی کا باعث بھی بنی ہے۔ میں رات سوچتا رہا ہوں اور.....''

''تو آپ بھی رات سوچتے رہے ہیں۔'' بے اختیار فائزہ نے کہا تو زوہیب چونک گیا۔ پھر دھیرے سے مسکراتا ہوا بولا۔

''آپ تو شاید میرے احمق پن پر سوچتی رہی ہوں گی۔''

تبھی فائزہ نے اپنی بات سنبھالتے ہوئے کہا۔ ''اوہو.....! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔ مگر آپ کیوں اس قدر متضاد سی بات کر رہے ہیں کہ بھنور ہی نہیں بلکہ آزادی کا باعث بھی.....''

''فائزہ.....! آپ کو بھی یقیناً یہ معلوم ہوگا کہ جب چلتے چلتے اچانک کسی بندے کو یہ احساس ہو جائے کہ وہ غلط راستے پر جا رہا ہے' آگے چل کر اسے منزل نہیں بلکہ مزید پیچ در پیچ راستوں سے سامنا ہوگا تو وہ کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بھنور میں نے اس لئے کہا کہ یقین اور بے یقینی کے درمیان چکراتا رہا اور آزادی یہ کہ میں نے ایک فیصلہ کر لیا ہے کہ مہوش فاطمہ کو جس نگاہ سے دیکھتا تھا' اس سے نہیں دیکھوں گا.....'' زوہیب اپنی رُو میں کہتا چلا جا رہا تھا اور جیسے ہی وہ آخری لفظوں پر پہنچا تو فائزہ کو ایک دھچکہ لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا کہ جیسے زوہیب نے اس کی ساری سوچیں پڑھ لیں ہیں اور اسے متنبہ کرنے آیا ہے تم نے غلط سوچا۔

''میں سمجھی نہیں..... مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں کہ پہلے آپ مہوش فاطمہ کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔'' فائزہ نے لرزیدہ آواز میں اعتماد کی ڈور کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا۔

''یہ بہرحال ایک لمبی کہانی ہے۔ انتہائی اختصار سے میں صرف اتنا ہی کہوں گا کہ میں کسی کی نگاہ سے مہوش کو دیکھ رہا تھا۔ جس میں احترام اور تقدس تھا۔ اب میں نے اس سے آزادی حاصل کر لی ہے۔''

''ایسا کیوں کیا آپ نے؟'' فائزہ نے دھیرے سے پوچھا۔

''اس لئے کہ اب میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھوں گا..... خیر.....! یہ تو اک میرا ذاتی فیصلہ تھا۔ آپ کا سوال یہ ہونا چاہئے تھا کہ میں آپ کے پاس کیوں آیا ہوں۔''

''آپ کا آنا کوئی غیر متوقع تو نہیں ہے زوہیب صاحب۔ میں نے خود آپ سے کہا تھا کہ آپ جب چاہیں تشریف لا سکتے ہیں۔ ویسے کہئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتی ہوں۔'' فائزہ نے اعتماد سے کہا۔ لیکن اس کے شعور میں ایک بھونچال آ گیا۔ یوں جیسے پورے چاند کی رات میں ساگر مدوجزر کی کیفیت میں آ جاتا ہے۔

''آپ نے کل ایک لفظ کہا تھا محبت..... میں نے کل اس پر بہت سوچا..... خیر.....! جو میں نے سوچا اس سے آپ کو تو کوئی دلچسپی نہیں ہو گی۔ میں آپ سے ایک بات سمجھنا چاہتا ہوں۔'' اس نے الجھے ہوئے انداز میں انتہائی تذبذب سے کہا۔

''کہئے.....! اگر میں سمجھا سکی تو.....'' فائزہ نے پوری توجہ دیتے ہوئے کہا۔

''دیکھئے.....! میں چونکہ مہوش فاطمہ کے خیالات' نظریات اور افکار کے تحت ہی معاملات کو دیکھتا آیا ہوں اور خود کو اسی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے لیکن.....! میری سمجھ کے مطابق مہوش فاطمہ کے پاس محبت کا وہ نظریہ نہیں ہے جو ہونا چاہئے..... کیا آپ نے بھی ایسا محسوس کیا ہے۔''

''پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ آپ نے اس کے خیالات کو کیسے اور کس انداز سے سمجھا ہے اور آپ کے خیال میں اس کا کیا نظریہ ہے..... دوسری بات کہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق' بلکہ میں تو کہوں گی اپنی صلاحیت کے مطابق جذب کرتا ہے۔ میرے خیال میں تو آپ میں جذب کی بہت زیادہ صلاحیت ہے۔ آپ تو عشق کے معاملات کو بھی بخوبی سمجھتے ہیں۔ بلکہ ایک بار تو آپ نے میرے سوال کا جواب بھی دیا تھا۔ اس سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے۔ پھر آپ کیوں.....''

''ٹھہریئے فائزہ.....! میں شاید اپنا مدعا صحیح طور پر آپ کے سامنے بیان نہیں کر پایا ہوں۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ کیا میں نے بھی ویسا ہی سمجھا ہے جیسے آپ نے سمجھا یا میرے اور آپ کے سمجھنے میں کچھ فرق ہے۔ یہ سوال اپنی جگہ..... لیکن کیا مہوش فاطمہ کا نظریہ محبت..... آپ کے خیال میں ٹھیک ہے؟''

''زوہیب صاحب.....! میں وہی تو پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ آپ کیا سمجھے ہیں۔'' فائزہ نے کہا تو زوہیب چند لمحے بے خیالی کے سے انداز میں اس کی طرف دیکھتا رہا اور پھر جو اس نے سمجھا تھا دھیرے دھیرے بیان کر دیا..... فائزہ پوری توجہ اور دلچسپی سے سنتی رہی۔ جب وہ کہہ کر خاموش ہو گیا تو فائزہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ پھر عام سے انداز میں بولی۔

''آپ نے جو سمجھا وہ ٹھیک سمجھا ہے۔ میں اسے غلط قرار نہیں دے سکتی اور نہ ہی خود مہوش فاطمہ اسے غلط قرار دے سکتی ہے۔''

''یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟'' زوہیب نے قدرے حیرت سے کہا۔

''شہد کی مکھی اور بھنورا دونوں ہی پھول کے پاس جاتے ہیں۔ دونوں ہی اسے چوستے ہیں' لیکن پھر اسے چوسنے کے بعد دونوں کیا کرتے ہیں؟ اصل شے ہے اظہار..... جو بہت بعد کی بات ہے لیکن پہلی بات ہے نیت..... وہ مقصد..... جو شہد کی مکھی کا ہے اور بھنورے کا ہے۔ آپ مہوش فاطمہ کو اپنے انداز' اپنے نکتہ نظر اور اپنے مقصد کیلئے پڑھتے ہیں اور اسی طرح میں پڑھتی ہوں..... آپ اس کی تحریروں میں موجود فلاسفی پر زیادہ توجہ دیتے ہوں گے اور میں محض کہانی کے آغاز و انجام اور کرداروں کے درمیان کشمکش سے لطف لیتی ہوں گی..... جس طرح ایک شعر کی مختلف تشریح بیان کر دی جاتی ہے۔'' فائزہ یہ کہتے ہوئے رکی تو زوہیب جلدی سے بولا۔

''پلیز.....! آپ کہتی رہیں۔ میں سن رہا ہوں۔''

''دیکھیں.....! لکھاری ایک تحریر لکھ دیتا ہے جو قارئین تک پہنچتی ہے۔ تحریر ایک ہے اور قارئین بہت سارے' ہر کوئی اپنی ذہنی سطح' دلچسپی اور اپنے نکتہ نظر سے دیکھتا ہے۔ ایک تحریر سب کو پسند آ جائے یہ ناممکن ہے اور سب ہی اسے ناپسند کریں ایسا بھی نہیں ہوتا۔ تحریر جس قدر اچھی ہو گی' اس سے اختلاف کی گنجائش اس قدر زیادہ ہو گی۔ یہ اختلاف پسند اور ناپسند میں بھی ہو سکتا ہے اور اس کی تشریح کے دوران بھی مختلف پہلو سامنے آ سکتے ہیں۔ اب رہی بات مہوش فاطمہ کے نظریہ محبت کی..... اسے آپ نے جس طرح دیکھا اور سمجھا وہ آپ کا نہ صرف حق ہے بلکہ آپ اسے اپنے معیار پر جانچیں گے۔ یہی آپ کے پسند اور ناپسند کا اختیار ہے۔ یہ سوال تو خود آپ کو اپنے آپ سے کرنا چاہئے تھا کہ مہوش فاطمہ کا نظریہ محبت صحیح ہے یا غلط۔''

''میں کون ہوتا ہوں اس کے نظریہ محبت کو صحیح یا غلط کہنے والا۔'' زوہیب نے جلدی سے کہا۔

''آپ اس کے قاری ہیں اور آپ کو دعویٰ بھی ہے کہ آپ اسے ڈوب کر پڑھتے ہیں۔ مثال وہی خیال بنتا ہے جو قبول عام ہو جائے۔ آپ کے خیال میں اس کے نظریات غلط ہیں تو آپ اسے ریجیکٹ کر دیں۔ لیکن ریجیکٹ کرنے کیلئے آپ کے پاس اس سے بھی اچھا اور قابل نظریہ ہونا چاہئے.....''

''بات تو پھر وہیں آ گئی محترمہ فائزہ.....! کہ ہمارے پاس ایسا کون سا معیار ہے جس پر ہم نظریات کو پرکھ سکیں۔ کون سی ایسی کسوٹی ہے.....'' زوہیب نے اکتاہٹ سے کہا۔

''وہ معیار..... وہ کسوٹی آپ کے اندر ہے' آپ کے من میں۔ دیکھیں.....! سب سے بڑی آسمانی کتاب' جو اس وقت معجزہ سے کم نہیں..... اس میں ایک لفظ ''زیغ'' آیا ہے' جس کا مطب ہے ٹیڑھ پن' مطلب دلوں کا ٹیڑھ پن..... اس پوری آیت مبارکہ کا مفہوم یوں بنتا ہے کہ دلوں کا ٹیڑھ پن جب ہو تو جتنی مرضی اچھی بات کر لیں' اس میں بھی مین میخ نکال لیتے ہیں اسی وجہ سے وہ حقیقت تک نہیں پہنچ سکتے۔''

''من.....!'' زوہیب ایک لفظ کہہ کر خاموش ہو گیا جیسے وہ اس پر سوچ رہا ہو پھر چند لمحے یونہی رہنے کے بعد بولا..... ''خیر.....! اس پر تو ہم بعد میں بات کر لیں گے، آپ کا کیا خیال ہے کہ اس نے ٹھیک لکھا۔''

''میرا خیال ہے کہ میں آپ کو اپنی بات نہیں سمجھا سکی یا پھر آپ کے ساتھ یہ مسئلہ ہو گا کہ آپ کے تعمیر کئے ہوئے خیالات میں کہیں دراڑ پڑتی ہے۔'' فائزہ نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی ہنس دیا۔

''نہیں ابھی میں فلسفی نہیں ہوا..... نہ ہی میرا کوئی ایسا ارادہ ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے چونکتے ہوئے پوچھا۔''کہیں آپ کی کلاس کا وقت.....''

''نہیں ابھی دیر ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے بیل دی۔ جس کی بازگشت میں پیون اندر آ گیا۔ فائزہ نے اس سے اچھی سی چائے لانے کا کہا اور زوہیب کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی۔''جی.....! آپ اپنا اصل مقصد بتائیں.....آپ چاہتے کیا ہیں؟''

''اصل بات تو یہ ہے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی بات' کوئی ایسا حصار میرے ہاتھ لگ جائے جس سے میں مہوش فاطمہ کے افکار کو جانچ سکوں.....''

''کس لئے؟'' فائزہ نے دولفظی جملہ کہا تو زوہیب ٹھٹک گیا۔ تب وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''محترمہ فائزہ.....میرا اصل مسئلہ ہی یہی ہے کہ آخر کس لئے؟ میں سب کیوں کرنا چاہتا ہوں..... ہاں.....! مجھے یہی سوچنا ہوگا، یہی طے کرنا ہوگا۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں کہتا چلا گیا۔

''اصل میں ہمارا المیہ ہی یہی ہے کہ جس طرح ہم بنا سوچے سمجھے نظریات و افکار کی تردید کر دیتے ہیں' بالکل اسی طرح قبول بھی کر لیتے ہیں۔ میں مانتی ہوں کہ کوئی بھی نظریہ یا فکر حرف آخر نہیں ہوتی لیکن.....! ہر نظریہ' ہر فکر کو پرکھنے کی ایک کسوٹی ضرور ہوتی ہے۔ اصل میں اسی کسوٹی کا ٹھیک ہونا ضروری ہے۔ میں تو یہ کہتی ہوں کہ فکر پر قدغن نہیں لگانا چاہئے۔ جیسے روشن سورج کو کسی بھی انداز سے دیکھیں' روشنی اس کی حقیقت ہے۔ اسی طرح کسی بھی نظریہ یا فکر کی حقیقت اس کی سچائی ہے۔ جس طرح آپ نے مجھ سے ایک دفعہ کہا تھا کہ جس طرح مادی چیزوں کو ماپنے تولنے کیلئے مادی اور غیر مادی کو ماپنے تولنے کیلئے غیر مادی ہونا چاہئے۔ اسی طرح الہامی اور غیر الہامی افکار کا معاملہ بھی ہے.....خیر.....! میں اس حد تک نہیں جاؤں گی، میں بہرحال آپ کو ایک مشورہ دوں گی۔''

''کیسا مشورہ.....!'' زوہیب نے پوری دلچسپی سے پوچھا۔

''آپ نے مہوش فاطمہ کو پڑھا اور بقول آپ کے اسے ایک خاص نکتہ نظر یا ایک خاص رنگ میں پڑھا.....اب یہ اچھی بات ہے کہ آپ نے خود کو اس رنگ سے الگ کر لیا ہے۔ تو آپ ایسا کیجئے.....اب جو اس کی کہانیاں آئیں گی سو آئیں گی..... یہ تو مستقبل کی بات ہے نا.....اس میں پتہ نہیں وہ کیا انداز اپناتی ہے۔ لیکن آپ اسے دوبارہ پڑھیں۔ آپ کے پاس اس کی جتنی کہانیاں ہیں.....اسے اپنے معیار اور اپنی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھیں۔ یعنی یہ بھی دیکھیں کہ آپ اسے کس لئے پڑھنا چاہ رہے ہیں.....میرے خیال میں آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا.....''

''میں بھی سمجھتا ہوں کہ ایسا ہوگا.....''

''ہاں.....! پہلے آپ کو یہ سوچنا ہے کہ کس لئے؟'' فائزہ مسکراتے ہوئے بولی۔ اس پر زوہیب بھی مسکرا دیا۔ پھر ایک لمبی سانس لے کر بولا۔

''یہ بات میرے پیش نظر رہے گی' میں اس پر ضرور سوچوں گا اور پھر آپ سے ڈسکس بھی کروں گا۔''

''ضرور.....! مجھے اس موضوع پر بات کر کے خوشی محسوس ہو گی۔'' فائزہ نے کہا تو اتنے میں پیون چائے لے کر آ گیا۔

''ویسے آپ کے ساتھ بات کرتے ہوئے اب مجھے تھوڑا ڈر آنے لگا ہے۔'' زوہیب نے چائے کا سپ لے کر کہا۔

''وہ کیوں.....'' فائزہ نے دلچسپی سے پوچھا اور سپ لینے کیلئے کپ اٹھا لیا۔

''وہ اس لئے کہ میرے خیالات میں بڑی زبردست ہلچل سی مچتی ہے۔ آپ کی پوری بات کو اگر غور سے دیکھوں تو اس میں بہت ساری باتیں ادھوری رہ جاتی ہیں۔ تشنہ.....جن پر بات کرنا چاہتا ہوں میں.....مگر نہیں کر پاتا' اصل بات بھول جاتا ہوں.....آج کی بات میں چند موضوع ایسے ہیں جن پر میں بات کرنا چاہوں گا۔''

''میں یہ نہیں پوچھوں گی کہ وہ کون سے ہیں۔ لیکن ایک بات ہے کیا آپ نے دوسرے لوگوں کو پڑھا.....آپ فقط مہوش فاطمہ پر ہی کیوں اٹکے ہوئے تھے۔''

''شاید اب یہ وقت آ گیا ہے؟'' زوہیب نے سنجیدگی سے کہا۔

''میں سمجھی نہیں۔'' فائزہ نے دھڑکتے ہوئے دل سے پوچھا۔

''پہلے میں اسے احترام اور تقدس کے ہالے میں دیکھتا تھا اور اس کی طرف متوجہ کرنے والا شخص میرے لئے بہت محترم تھا۔ میں دوسروں کو بھی پڑھتا ہوں مگر اس سے ایک خاص طرح کی انسیت تھی۔ لیکن اب وہ ہالہ ٹوٹ چکا ہے۔ آپ کا یہ مشورہ درست ہے کہ میں اسے پھر سے اپنے انداز میں پڑھوں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ میں اپنی ترجیح کا تعین آسانی سے کر لوں.....''

''ٹھیک ہے.....اب تو آپ کے دوبئی جانے میں کچھ ہی دن باقی ہوں گے.....اور اتنے دنوں میں آپ بہر حال مہوش فاطمہ کو نہیں پڑھ سکتے.....کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ کے مطالعہ کے بارے میں مجھے بھی پتہ چلتا۔ ہم اس پر گفتگو کر سکتے۔''

''اس کا بھی سوچ لیں گے۔ میں ہوں نا ابھی کچھ دن یہاں.....ممکن ہے کہ ابھی چند موضوعات پر ہماری کچھ اور باتیں چلیں.....''

''مگر میں ایسا نہیں سمجھتی.....اس طرح آپ الجھن کا شکار ہو جائیں گے۔ آپ پہلے پوری یکسوئی سے مہوش فاطمہ کو پڑھ لیں۔ اس کے بعد ہی.....'' یہ کہتے ہوئے فائزہ نے کپ اٹھا کر سپ لیا.....تب زوہیب نے یوں سر ہلایا جیسے وہ اس کی بات سے پوری طرح متفق ہو۔ وہ چائے کا کپ خالی ہو جانے تک خاموش رہا۔ یوں جیسے فائزہ کی کہی ہوئی بات پر سوچ رہا ہو۔ وہ چند لمحے کھو جانے والی کیفیت میں رہا اور اچانک اٹھ گیا۔

''میں اب چلتا ہوں فائزہ.....امید ہے کہ ہماری دوبارہ ملاقات ہو گی۔''

''کیوں نہیں.....! میں آپ کا انتظار کروں گی۔'' فائزہ نے چہرے پر مسکان لاتے ہوئے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگا' شاید وہ لمحے کا ہزارواں حصہ تھا۔ جس میں فائزہ نے زوہیب کی آنکھوں میں ایک خاص

قسم کی چمک دیکھی۔ اسے لگا جیسے اس کی آنکھوں میں ہزاروں دیپ روشن ہو..... جس کی جھلملاہٹ میں کوئی الوہی روشنی اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی پورش کشش رکھتی ہو..... یوں جیسے کوئی معصوم سا بچہ آسمان پر پھیلی ہوئی بے کراں کہکشاں میں کھو جائے' فائزہ شاید اس کشش میں کہیں کھو جاتی مگر اس نے فوراً نگاہیں جھکا لیں۔ اس نے اس ربط کو لاپرواہی کے ہتھیار سے کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ جسے زوہیب نے پوری طرح محسوس کیا تھا۔ زوہیب نے اسے بھرپور نگاہوں سے دیکھا۔ وہ لاپرواہ سا حسن اس کی آنکھوں میں جذب ہو گیا تھا۔ بے نیازی فائزہ جہاں اسے بہت دور کھڑی ہوئی دکھائی دی' وہاں اس کو وہ ایک خاص بلندی پر بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ چنگاری جس کیلئے وہ سرگرداں تھا' جس کی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی' دھویں میں کوئی راستہ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اچانک وہ لُو اس کی اندر پھوٹ پڑی۔ وہ خود روشن ہو گیا۔ وہ دھیرے سے مسکرایا اور پورے اعتماد سے واپس پلٹ گیا۔ فائزہ نے جب نگاہیں اٹھائیں تو دروازے کا فریم خالی تھا۔ زوہیب موجود نہیں تھا لیکن اس کا احساس پوری طرح موجود تھا۔

☆☆☆

وہ دونوں چاچے عاشق کے ہوٹل پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے چائے کے کپ دھرے ہوئے تھے جس پر موٹی ملائی کی تہہ تھی۔ لیکن اس دن وہ دونوں ہی چائے کی طرف متوجہ نہیں تھے یوں جیسے ان کا مقصد چائے پینا نہیں' محض وہاں بیٹھنا ہے' تبھی علی اصغر بولا۔

''یہ ٹھیک ہے کہ تم نے واپس دوبئی جانا تھا' لیکن اس میں تو ابھی کافی دن پڑے تھے' میرا خیال ہے تقریباً دس دن..... یہ اچانک کیا ہوا کہ تم کل ہی جا رہے ہو؟''

''بس یونہی..... میں اب زیادہ دن یہاں نہیں رہ پاؤں گا.....'' زوہیب افسردگی سے بولا۔

''مگر کیوں یہ اچانک جانے کی وجہ.....'' علی اصغر نے کہا اور پھر چونکتے ہوئے بولا۔ ''کوئی بزنس پرابلم؟''

''نہیں یار.....! کوئی ایسی بات نہیں ہے۔ بس جا رہا ہوں۔ سمجھو دل ڈوب گیا ہے یا بس اب میں تبدیلی چاہ رہا ہوں..... مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی۔'' اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

''یار تمہارا پرابلم کیا ہے؟'' علی نے اسے کریدنا چاہا۔

''کوئی پرابلم نہیں ہے.....'' یہ کہہ کر زوہیب نے چائے کا کپ اٹھایا اور اس سے گہرا سپ لیا۔ پھر اپنے ہی خیالوں میں الجھتے ہوئے بولا۔ ''بعض اوقات زندگی کسی ایسے موڑ پر لا کر کھڑا کر دیتی ہے کہ بندہ تذبذب کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے سمجھائی ہی نہیں دیتا کہ وہ کرنا کیا چاہتا ہے۔ اسے جانا کدھر ہے..... ایک راہ پر چلتے ہوئے جب کافی ساری راہیں سامنے آ جائیں تو بھٹک جانا فطری ہوتا ہے اور پھر..... جب بندہ ایک ہی راہ پر چلتا چلا جا رہا ہو تو زندگی اچانک اس کے سامنے نئی راہ لے آئے تو بھی حیرت تو ہوتی ہے۔ بس کچھ ایسے ہی حالات کہہ لو..... ایسی ہی کیفیات کہہ لو..... جو بھی تم مناسب سمجھو..... ان میں سے گزر رہا ہوں۔''

''اصل میں تمہارا پرابلم میں سمجھتا ہوں.....'' یہ کہہ کر علی نے بھی چائے کا سپ لیا تو زوہیب اس کی

طرف الجھتے ہوئے دیکھتا رہا اور خاموش رہا۔'' تمہارا پرابلم مسلسل تبدیلی ہے۔ تم ایک ہی طرح کے حالات' کیفیات یا وہ کیا کہتے ہیں یکسانیت ہاں تم یکسانیت سے اکتا جاتے ہو۔ یہاں رہتے ہوئے اچانک تمہیں یکسانیت کا احساس ہوا اور تم نے اپنا بوریا بستر باندھ لیا۔ چونکہ یہاں کی زندگی دوبئی کی مانند تیز نہیں ہے' اس لئے تم جلدی اکتا گئے ہو۔''

''تم نے اپنے طور پر ٹھیک سوچا ہے' میں تمہیں غلط نہیں کہوں گا..... لیکن تبدیلی تو رہنی چاہئے نا یار اگر یہ نہ ہو تو پھر زندگی اپنے حقیقی رنگوں میں تمہارے سامنے واضح نہیں ہو گی.....'' زوہیب نے اس کی بات کا مزہ لیتے ہوئے یونہی بات بڑھا دی۔

''زندگی کے حقیقی رنگوں کو دیکھنے' ان سے لطف لینے اور انہیں اپنے اندر اتارنے میں تھوڑا وقت لگتا ہے اور تم تو اس بے صبرے شخص کی مانند ہو کہ جس کے پاس کوئی تصویری البم آ جائے تو وہ تصویر' تصویر دیکھنے کی بجائے فوراً پوری البم دیکھ لینا چاہتا ہو..... جب تم زندگی کو دیکھو گے ہی نہیں' اس سے شناسائی نہیں لو گے' اس وقت تک تمہیں کیسے پتہ چلے گا کہ زندگی کے حقیقی رنگ کیا ہوتے ہیں۔'' علی نے گویا اپنی طرف سے بہت فلسفہ جھاڑا تو وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔

''اگر غور سے دیکھو نا تو زندگی بڑی مختصر سی ہے.....'' زوہیب نے کہنا چاہا تو علی نے ٹوک دیا۔

''میں مانتا ہوں اور یہ بات مجھے اچھی طرح معلوم ہے میری جان.....! لیکن جس قدر بھی ہے' جتنی ہے اسے اچھی طرح سے تو گزارو.....! لوگ تو ایک ہی زندگی میں کئی زندگیاں جی لیتے ہیں۔ تم سے اپنا آپ نہیں سنبھالا جاتا۔ بات کرتے ہو زندگی کو سمجھنے کی اور پھر کہتے ہو کہ مجھے کوئی پرابلم نہیں۔'' علی نے قدرے تلخی سے کہا تو زوہیب کو اس پر بہت ترس آیا۔ وہ دھیرے سے ہنس دیا۔ تو علی انتہائی جذبات میں آ گیا۔ ''تم.....! صرف اس بات کے عادی ہو کہ دوسروں کی آنکھوں سے زندگی کو دیکھو۔ میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ تمہارا اپنا خیال ہی نہیں۔ تم نے سوچا ہی نہیں۔ تم بھینس کی خدمت کر کے دودھ پینے والے نہیں ہو بلکہ بازار میں پڑے ہوئے ڈبے کا دودھ پینے کے عادی بن گئے ہو۔''

''میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو.....؟'' زوہیب نے چونکتے ہوئے کہا۔

''یار چھوڑو.....! جو باتیں چھپی ہوتی ہیں' انہیں تم چھپا ہی رہنے دو..... خواہ مخواہ اذیت ہوتی ہے۔ تم بس جس طرح کی زندگی جی رہے ہو نا' وہ جیتے رہو'' علی نے دامن بچاتے ہوئے کہا اور چائے کا سپ لے لیا۔

''نہیں.....! تمہیں بتانا ہو گا..... وہ کیا راز ہے جو تم اپنے سینے میں لئے پھرتے ہو.....'' زوہیب نے اصرار کیا تو علی نے اس کی طرف بڑے غور سے دیکھا اور پھر کہتا چلا گیا۔

''چند دن پہلے تم میرے ساتھ بات کر رہے تھے نا قوموں کی' ان کے تشخص کی.....! عالمی سطح پر بات کر لینا بہت آسان ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے نا کہ ہم نے آسمانوں کی بات کر لی..... ایک عام آدمی کی کیا رسائی ہے کہ وہ آسمانی باتوں کی تصدیق کرتا پھرے..... جو کہہ دیا سو ٹھیک' مان لیا تو ٹھیک' نہ مانا وہ بھی ٹھیک.....! لیکن کیا ہم نے زمین کے بارے میں اتنا سوچا ہے.....! اس زمین پر جو ریشمی کپڑے میں لپٹے ہوئے کوڑھ ہیں۔

کبھی ہم نے ان کے بارے میں سوچا کہ وہ زندگی کو کس قدر تعفن زدہ کر رہے ہیں..... میں سمجھ رہا ہوں کہ تم میری بات سے کتنا بور ہو رہے ہو گے..... لیکن خدارا تحمل سے سننا اور میری اس بات سے اگر تمہارے جذبات کو ٹھیس پہنچے گی تو میں معافی نہیں مانگوں گا۔ کیونکہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں حقیقت بیان کروں گا..... تم چاہو تو اس کی تصدیق کر لینا۔''

''میں اب بھی نہیں سمجھا؟'' زوہیب نے جلدی سے کہا۔ وہ فوراً پوری بات سن لینا چاہتا تھا۔

''میں نے جب تمہیں بتایا ہی نہیں تو کیا تم خاک سمجھو گے..... میں اتنی لمبی چوڑی تمہید اس لئے باندھ رہا ہوں کہ ممکن ہے تمہیں شاک لگے۔''

''ایسی کیا بات ہے.....؟'' زوہیب نے دھیرے سے کہا۔

''تمہارے بابا جی.....! تمہارے لئے وہ بڑا محترم اور بڑا مقدس شخص رہا ہو گا.....! اور تم اسے آپ کہہ کر یاد کرتے ہو۔ اس لئے میں نے کبھی بات نہیں کی۔ تمہیں یاد ہے ہماری وہ پہلی ملاقات..... جب دوبئی سے واپس آ کر تم مجھے دفتر میں ملے تھے۔''

''ہاں.....! کچھ تھوڑا بہت یاد ہے۔'' زوہیب نے تجسس بھرے لہجے میں کہا۔

''تب اور پھر بعد میں' تم سے میرا یہی سوال رہا کہ یہاں سے کیوں گئے..... میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ تمہارا اپنا ذاتی فیصلہ تھا اور یہاں سے جانا فقط اپنی ذات کیلئے تھا اور میں اپنے طور پر یہ کیوں سوچ رہا تھا کہ تمہارا کوئی گینگ ہو گا جو جرائم کی دنیا میں اپنا نام بنا چکا ہو گا' جس کی دہشت ہو گی..... ان خیالوں کی بھی ایک وجہ تھی..... وہ بابا جی..... تمہارے لئے مقدس اور محترم اس لئے تھا کہ وہ تمہیں ملا ہی اسی بہروپ میں تھا ورنہ اس کی اصلیت کچھ اور تھی.....''

''کیا تھی اس کی اصلیت؟'' زوہیب نے لرزتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''غور سے سننا اور میری بات کو سمجھنا.....! یہ جو ہمارے چھوٹے چھوٹے علاقے ہیں' نظر انداز علاقے جہاں زندگی کی سہولیات میسر نہیں ہوتیں..... یہاں کا نظام کار چلانے والے کون لوگ ہوتے ہیں؟ ظاہر میں تو کچھ اور ہوتے ہیں..... ہم جاگیرداری کو زمین کا کوڑھ سمجھتے ہیں..... لیکن وہاں پر لوگ جبر کا شکار کیوں ہوتے ہیں جہاں جاگیرداری جیسی لعنت بھی نہیں ہوتی۔ وہاں پر چند مفاد پرست لوگ انسانی جذبات کی تجارت کرتے ہیں جس طرح کوئی سوداگر اچھا مال تلاش کرنے کیلئے نگر نگر پھرتا ہے' اسی طرح انسانی جذبات کی تجارت کرنے والا سوداگر وہ تمہارا بابا تھا.....''

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہو گی..... یا تم نے سنی سنائی باتوں پر اعتبار کر لیا ہو گا..... ورنہ میں نے اس شخص کے ساتھ وقت گزارا ہے۔ اس نے مجھ سے تو کوئی مفاد نہیں لیا۔''

''اس نے تم سے مفاد لیا نہیں بلکہ وہ مفاد لے ہی نہیں سکا..... تمہیں شاید احساس نہیں تھا کہ تم کیا چیز تھے۔ طاقت کسے بری لگتی ہے اور جو گھاگ لوگ ہوتے ہیں' وہ اپنے مدمقابل کی طاقت کو ابھرنے نہیں دیتے۔ سب کیلئے ہتھیار کی ایک ہی قسم استعمال نہیں کی جاتی کوئی پیار کے ہتھیار سے مرتا ہے تو کوئی گولی سے..... کسی کو

ذہنی انتشار مار دیتا ہے تو کسی کو خوف میں مبتلا کر کے اسے شخصی طور پر موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ کس کو کس ہتھیار سے ختم کرنا ہے یہی ان لوگوں کا ہنر ہے۔ تمہاری اٹھان کیا تھی..... تم اچھی طرح جانتے ہو..... تمہیں کوئی لالچ نہیں تھا..... تم جبر اور نا انصافی کیلئے لڑ رہے تھے اور یہ ابھی بہت ہی محدود سطح پر تھا۔ یہ لوگ نہیں چاہتے تھے کہ تم ان کے مقابلے پر اتر آؤ..... اس وقت ان لوگوں کا تمہارے مقابلے پر آ جانا ایسا ہی تھا کہ تمہیں تقویت دے دیں۔ تم نے تو مزاحمت کرنا تھی..... جس مزاحمت میں خلوص ہوتا ہے' لالچ نہیں ہوتا وہ ہی تحریک بنا کرتی ہے تم جس راہ پر جا رہے تھے' تمہیں اس راہ سے روحانیت کے لبادے میں ملبوس اس شخص نے بڑے پیار اور بڑی محبت سے واپس لا کر ایسی راہ پر چلا دیا جس کی کوئی منزل ہی نہیں تھی۔ وہ شعلہ جوالا جو کبھی تحریک بن جانے کی صلاحیت رکھتا تھا..... اپنی ذات کے سفر پر چل نکلا..... میں مانتا ہوں کہ ذات کا سفر بھی نصیب والوں کو میسر آتا ہے لیکن تم دھوکہ دینے والوں کو آج بھی محترم اور مقدس سمجھتے ہو.....''

''علی.....! تم جانتے ہو کہ تم کتنی بڑی بات کہہ رہے ہو.....؟'' زوہیب نے انتہائی تحمل اور برداشت کے ساتھ کہا جبکہ اس کے لہجے میں غصہ چھلک رہا تھا۔

''جانتا ہوں..... بہت اچھی طرح جانتا ہوں..... تم نے اس دن ریستوران میں مظہر حسین کو دیکھا جو اس علاقے کی سیاست میں بڑی اہمیت رکھتا ہے..... پتہ نہیں کتنے نوجوانوں کی صلاحیتوں کا خون اس کی کامیابی میں شامل ہے اور یہ ہنر اسی بابا جی نے دیا ہوا ہے۔ تم جو اتنے بڑے معتقد ہو..... کیا تم اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں جانتے ہو؟'' علی نے شدت جذبات میں کہا زوہیب سوچ میں پڑ گیا..... واقعی وہ بابا جی کی ذاتی زندگی کے بارے میں نہیں جانتا تھا..... اسے تو ان کی شخصیت سے غرض تھی.....

''لیکن یار وہ اتنا سب کچھ کیوں کر رہے تھے؟'' زوہیب نے زچ ہوتے ہوئے کہا۔

''میں نے جو اتنی بکواس کی ہے۔ اس کی تمہیں سمجھ نہیں آئی..... سنو.....! اس کا ایک بیٹا..... اسی ملک کی اسٹیبلشمنٹ میں اہم حیثیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنے بیٹے کو ذات کے سفر کا درس کیوں نہیں دیا۔ وہ تو اس کی بہت اچھی تربیت کر سکتا تھا۔ روحانیت کے اعلیٰ درجات پر پہنچا سکتا تھا۔ اس نے تم سے کیوں نہیں کہا کہ تم سی ایس ایس کر لو..... جبکہ اس نے اپنے بیٹے کیلئے کیا کچھ نہیں کیا.....! دوسرا بیٹا.....! بظاہر کچھ بھی نہ ہوتے ہوئے اس پورے علاقے کی سیاست پر یوں چھایا ہوا ہے کہ ایک طرح سے وہ محور بن گیا ہے۔ اسے روحانیت کا درس کیوں نہیں دیا..... اور میں سمجھتا ہوں اگر اس کے مزید بیٹے ہوتے تو وہ بھی..... خیر.....! اگلی نسل کو تم خود غور سے دیکھنا مجھے بک بک کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''یہ سب تم کیسے جانتے ہو؟'' زوہیب نے تحمل سے پوچھا۔

''سب کچھ میرے سامنے ہے یار.....! شاید میں اس شخص پر نظر نہ رکھتا' اس کے بارے میں دلچسپی نہ لیتا..... مگر صرف تمہارے لئے' تمہارا اچانک غائب ہو جانا میرے دل میں وہی وسوسے لا رہا تھا جو میں نے تمہیں بتائے.....''

''تم نے اتنی گہری نگاہ رکھی ان پر.....'' زوہیب نے مزید کریدنا چاہا۔

''ہاں رکھی.....! بہت محتاط ہو کر..... میں بھی تو اسی دنیا کا باشندہ ہوں..... میں صرف تمہارے متعلق معلومات چاہتا تھا..... میں تمہیں سب کچھ نہیں بتانا چاہتا..... وہ اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ میرا بس اشارہ کر دینا ہی کافی ہے۔تم دیکھنا کہ یہاں کیا کچھ ہو رہا ہے۔ عالمی سطح سے لے کر یہاں علاقائی سطح تک غاصب موجود ہیں۔ ان کی غاصبیت کیسے ہوتی ہے.....؟ اس میں کیا خام مال استعمال ہوتا ہے' اس پر غور کرنا..... میں نے تمہارے بڑے فلسفے سنے ہیں۔ اس دن ریستوران میں تم نے بڑی باتیں کی.....لیکن جب دماغ ہی ایسے ہوں گے.....جن میں کسی بات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں ہوگی.....وہاں ایک قوم ہونے یا قومی تشخص کیسے آئے گا..... یہاں جو مفاد پرست ہیں.....ان کا مفاد تو قومی تشخص کے سیلاب میں بہہ جائے گا..... وہ کب چاہتے ہیں..... پہلے انہیں یہ احساس دلاؤ کہ وہ قوم ہیں..... پھر قومی تشخص کی بات کرنا۔ یہ مفاد پرست' جو زمین کے کوڑھ ہیں انہیں ہٹانا ہوگا.....تبھی قومی سوچ کی خوشبو پھیلے گی.....'' علی نے پورے جذبات سے سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا تو زوہیب کو اس پر بہت پیار آیا۔

''تو تم اندر سے ایسے ہو؟'' زوہیب نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔

''میں نے تو پہلے ہی اعتراف کر لیا تھا کہ میں بنیادی طور پر بزدل ہوں..... بڑی جلدی ہار مان جانے والا، مجھے اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں ہے اور میں مانتا ہوں کہ یہ غلط بات ہے۔ خودغرضی ہے لیکن ماحول ہی ایسا بن چکا ہے۔ خودغرضی کی برف نے جذبات کو ٹھنڈا کر دیا ہے۔ ضرورت اس برف کو ہٹانے کی ہے۔'' علی نے کہا تو زوہیب خاموش ہو گیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا۔ بس اس کی جانب دیکھتا رہا..... پھر اچانک اٹھ گیا۔ اسے یوں کھڑا دیکھ کر علی بھی دھیرے دھیرے اٹھ گیا۔ تبھی چھوٹا بھاگتا ہوا ان کے پاس آیا۔ اسے یوں اپنی طرف آتا دیکھ کر زوہیب نے چند بڑے نوٹ نکالے اور اسے دیتے ہوئے بولا۔

''سنو.....! تم یہ کام کرنا چھوڑ دو.....! پڑھو.....! تمہارا خرچ اور جس ضرورت کیلئے تم کام کرتے ہو یہ صاحب پوری کریں گے.....'' اس نے علی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو چھوٹے کا چہرہ ایک دم سے روشن ہو گیا۔

''سچ صاحب.....!'' چھوٹے نے خوشی سے لبریز لہجے میں حیرت سے پوچھا۔

''ہاں.....! یہ اب میری ذمہ داری ہوگی.....'' اس نے چھوٹے کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے کہا تو علی خوشی سے نہال ہو گیا۔ وہ چند لمحے زوہیب کی طرف دیکھتا رہا اور پھر بڑے ہی خلوص سے بولا۔

''زوہیب.....! میری محنت رائیگاں نہیں گئی جو میں نے ان لوگوں کے بارے میں جاننے کیلئے کی تھی۔ یہ ایک چھوٹا ہی ہماری ذمے داری نہیں ہے۔ اس جیسے بہت چھوٹے ہمارے منتظر ہیں۔ میں سمجھ گیا ہوں کہ تم کیا چاہتے ہو آؤ چلیں۔''

تب دونوں نے قریب کھڑی مہنگی کار کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد علی نے گاڑی سٹارٹ کی۔ تب تک زوہیب ساتھ والی نشست پر بیٹھ چکا تھا۔ علی نے گیئر لگایا گاڑی بڑھاتے ہوئے بولا۔

''میرے جیسے بزدل لوگ اگر اور کچھ نہ کرسکیں تو اتنا ضرور کرتے ہیں کہ سوچیں اور اپنی سوچوں میں ہی کڑھ کر رہ جاتے ہیں۔ اندر ہی اندر پلان کرتے ہیں کہ یہ ہو جائے اور وہ ہو جائے.....''

''لیکن کسی بھی مقصد کیلئے رسک تو لینا پڑتا ہے۔ جتنا بڑا مقصد ہوگا اتنا زیادہ رسک ہوگا۔'' زوہیب نے دھیرے سے کہا۔

''بے شک' میں اس سے انکار نہیں نہیں کرتا' اسی لئے تو رسک نہیں لیتا۔ میں سمجھتا ہوں زوہیب..... میرے جیسے لوگ اس لئے کچھ نہیں کر پاتے کہ انہیں اپنی محنت رائیگاں جانے کا خوف لاحق رہتا ہے لیکن آج میں نے یہ بات سمجھ لیا ہے کہ خلوص نیت سے کی گئی کوشش ایسا بیج ہے جو پھل ضرور لاتا ہے۔ چاہے اس میں تھوڑا وقت لگے.....''

''کسی بھی بڑے مقصد کیلئے وقت درکار ہوتا ہے' یہ ایک حقیقت ہے' لیکن بگاڑ کو درست کرنے کیلئے کسی ایک سمت میں بڑے خلوص اور جرأت کی ضرورت ہوتی ہے' اس کو ٹھیک کرنے میں اتنا وقت نہیں لگتا۔ جیسے پاکستان میں بہت سارے بگاڑ پیدا ہو گئے ہیں' ان کی بنیادی وجہ تلاش کرنے کی ضرورت ہے خلوص کے ساتھ اور اسے دور کرنا جرأت کا کام ہے۔'' زوہیب نے اپنی رائے دی۔

''ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو اس کیلئے وقت چاہئے!''

''علی.....! وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے پاس جادو کی چھڑی نہیں ہے کہ ایک دم سے یہ سارا بگاڑ ٹھیک کر دیں۔ ایسے لوگ خود دل سے نہیں چاہتے' ان کے ہاں خلوص نہیں ہے۔ جادو کی چھڑی ہے ہمارے پاس لیکن اسے ہلانے کی کوئی جرأت تو کرے۔''

''کیا ہے وہ جادو کی چھڑی؟'' علی نے انتہائی تجسس سے پوچھا۔

''وہ جادو کی چھڑی ہے انصاف.....! یہاں میں عدل کی بات نہیں کروں گا۔ کیونکہ عدل اور انصاف میں بہت فرق ہے۔ صرف انصاف مہیا کرنے میں جرأت سے کام لیا جائے اور انصاف والی جادو کی چھڑی سے سارے بگاڑ درست کئے جا سکتے ہیں۔'' زوہیب نے بے قراری سے کہا تو علی دھیرے سے مسکرا دیا۔

''اس کا مطلب ہے' ابھی چنگاریاں کہیں راکھ کے ڈھیر میں پڑی ہوئی ہیں۔'' علی نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا اور خاموش ہو گیا۔ یوں ان کے درمیان خاموشی طویل ہو گئی۔ جو زوہیب کے گھر تک برقرار رہی۔ شاید دونوں اپنے اپنے طور پر سوچ رہے تھے۔ زوہیب اترنے لگا تو علی نے کہا۔

''کل مجھے بلا لینا..... میں تمہیں ایئر پورٹ ڈراپ کر دوں گا.....''

''ہاں.....! میں نے کچھ ایسا ہی سوچا ہوا ہے۔ میں تیرے ساتھ ہی ایئر پورٹ تک جاؤں گا۔'' زوہیب نے کہا اور گاڑی سے اتر گیا۔ علی نے ہاتھ ہلاتے ہوئے گاڑی بڑھائی اور وہ گھر کے اندر جانے کیلئے مڑ گیا۔

☆☆☆

سہ پہر کے بعد ہوا جیسے تھم گئی تھی اور گھٹن کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا۔ بہار کے آخری دنوں میں

گرمی بڑھ گئی تھی۔ اس شہر کے چھوٹے سے ایئر پورٹ پر جہاز کراچی جانے کیلئے تیار کھڑا تھا۔ وہاں بین الاقوامی ایئر پورٹ جیسی گہما گہمی نہیں تھی۔ سہ پہر کے وقت اڑنے والے اس جہاز میں اتنی زیادہ سواریوں کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ سو کراچی جانے کیلئے آنے والی سواریوں میں وہ تیزی نہیں تھی۔ فائزہ نے ایئر پورٹ کی پارکنگ میں اپنی گاڑی روکی اور گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ اس نے سکون کا سانس لیا کہ وہ وقت پر یہاں پہنچ گئی ہے۔

فائزہ دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی ہوئی ایئر پورٹ کی عمارت کے اندر آ گئی۔ اس نے پورے ماحول کا جائزہ لیا تو ایک طرف کھڑے زوہیب اور علی اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ ان دونوں کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ فائزہ کے قدم ان کی جانب اٹھے تو وہ بھی آگے بڑھ آئے۔

''مجھے امید تھی کہ آپ ضرور تشریف لائیں گی۔'' زوہیب نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بڑے مان سے کہا۔

''ہاں وہ تو میں نے آنا ہی تھا آپ نے بھی اچانک جانے کا فیصلہ کیا ہے' پتہ تک نہیں چلنے دیا۔'' فائزہ نے حیرت ملے لہجے میں عام سے انداز میں کہا تو زوہیب نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''جانا تو تھا مس فائزہ.....! دس دن بعد نہ سہی آج سہی۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا جیسے بہت ضبط کر رہا ہو پھر علی کی جانب دیکھ کر بولا۔ ''میں نے آپ کو اس لئے زحمت دی ہے مس فائزہ کہ میں نے آپ کو ان سے متعارف کروانا تھا۔ یہ علی اصغر ہے۔ یہاں کے مشہور تاجر ہیں۔ شاید آپ نے پہلے ان کا نام سنا ہو''

''یہ وہ علی اینڈ کمپنی.....؟'' فائزہ نے سوالیہ انداز میں جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں وہی.....! میں نے آپ سے انہیں اس لئے متعارف کروایا ہے کہ یہ کچھ رفاعی کام کرنا چاہتے ہیں جو میرے خیال میں تعلیم ہی سے متعلق ہیں۔ ممکن ہے یہاں اور بہت سے لوگ ہوں جو بہت اچھا مشورہ دے سکتے ہو لیکن.....! میرے ذہن میں آپ ہی کا نام آیا ہے۔ آپ ان کی بہت اچھے انداز میں رہنمائی کر سکتی ہیں..... کیا میں ٹھیک کہہ رہا ہوں؟'' زوہیب نے آخری فقرہ کہتے ہوئے براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکا ۔تبھی فائزہ سرتاپا لرز گئی۔ نجانے کیا کچھ مچل رہا تھا اس کی آنکھوں میں۔ یوں جیسے تجریدی آرٹ کا کوئی ایسا نمونہ جس میں ایک ہی خیال کو کئی پہلوؤں سے نمایاں کیا گیا ہو۔ وہ اس تجسس میں کھو جانا چاہ رہی تھی کہ اسے ہوش آ گیا کہ وہ کہاں اور کس کے سامنے کھڑی ہے۔

''جی.....! مجھ سے جہاں تک ہو سکا' میں مدد کرنے کی کوشش کروں گی.....'' اس نے انتہائی متانت سے کہا تو علی انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

''میرے خیال میں ہم اس وقت تفصیل سے بات تو نہیں کر پائیں گے۔ زوہیب کی فلائٹ جانے والی ہے۔ اس نے مجھے بتایا ہے کہ آپ یونیورسٹی میں پڑھاتی ہیں۔ یہاں میں صرف یہ اطمینان چاہتا ہوں کہ ہماری اگلی ملاقات کہاں اور کیسے ہوگی تاکہ ہم تفصیل سے بات کر سکیں۔''

''آپ میرے ڈیپارٹمنٹ تشریف لے آئیے گا..... کسی بھی دن۔'' فائزہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اعتماد سے کہا تو علی فقط سر ہلا کر رہ گیا۔ پھر یوں بولا جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

''زوہیب..... میں ابھی آیا۔'' یہ کہہ کر وہ وہاں سے چلا گیا۔ وہ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ کتنے ہی لمحے یونہی سناٹے کی نذر ہو گئے۔ تبھی زوہیب بولا۔

''آپ سے رابطہ تو رہے گا نا.....''

''کیوں نہیں..... جب چاہے آپ مجھے فون کر سکتے ہیں۔ میل کر سکتے ہیں۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے لاپروائی کے سے انداز میں کہا ورنہ وہ دل میں بہت خوش ہو رہی تھی کہ زوہیب اس کی اہمیت سمجھ رہا ہے اور وہ اس سے تعلق کی خواہش رکھتا ہے۔۔

''اگر آپ برا محسوس نہ کریں تو اک بات کہوں؟'' اس نے اپنی آنکھوں میں کئی جذبات کو سموتے ہوئے کہا۔

''بولیں.....!'' فائزہ نے اس کی طرف پوری توجہ دیتے ہوئے کہا۔

''میں جو اک رابطہ.....! اک تعلق رکھنا چاہ رہا ہوں آپ کے ساتھ' اس کا کوئی عنوان نہیں ہے میرے پاس؟'' یہ کہہ کر وہ فائزہ کی جانب ایک ٹک دیکھنے لگا جیسے ابھی وہ اس کی قسمت کا فیصلہ کر دے گی۔ فائزہ کیلئے بھی یہ گھڑی بہت بھاری ثابت ہوئی۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ زوہیب کوئی ایسا سوال کر دے گا۔ جس کا جواب دیتے ہوئے انتہائی مختصر وقت میں اسے سو بار سوچنا پڑے گا۔ وہ گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔ شاید اس کے چہرے کا کوئی ایسا تاثر زوہیب نے دیکھا تھا کہ اس نے کہا۔ ''اگر آپ کچھ ایسا محسوس کرتی تو میں آپ سے معذرت.....''

''اونو.....! ایک دوستی کا تعلق تو ہے نا ہمارے درمیان..... کیا آپ اس تعلق کو مضبوط نہیں کرنا چاہیں گے؟'' فائزہ نے بے ساختہ کہا تو زوہیب کے چہرے پر روشنی کے نجانے کتنے دیئے جھلملا اٹھے۔

''تھینک یو فائزہ.....! آپ نے میرا مان رکھ لیا۔ میرے سفر میں اب کانٹے نہیں پھول ہوں گے اور میں ان کی خوشبو سے خود کو تر و تازہ محسوس کروں گا۔''

زوہیب نے بدلے ہوئے لہجے میں کہا جس میں حیرت اور خوشی گھل مل گئی تھی۔

''آپ کو پتہ ہے دوستوں میں یہ تھینک یو وغیرہ نہیں چلتا۔'' فائزہ نے دھیرے سے ہنستے ہوئے کہا۔

''بالکل میں بھول گیا۔ مجھے ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا لیکن آپ بھی تو گواہ ہیں فائزہ کہ مجھے یہ خوشگوار حیرت تو ہونا ہی تھی۔'' زوہیب چہک اٹھا تھا۔

''ہاں.....! شاید ایسا ہی ہے.....'' فائزہ نے کہا اور پھر موضوع بدلتے ہوئے بولی۔

''یہ علی صاحب.....! ان کا کیا معاملہ ہے۔''

''میرے خیال میں وہ خود ہی تفصیل سے بتا دے گا۔ یہ میرا سب سے اچھا دوست ہے۔ یہاں میں نے اگر آپ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ وقت گزارا ہے تو وہ صرف یہی تھا۔'' زوہیب نے تفصیل بتائی۔

''ٹھیک ہے.....'' فائزہ نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔ تبھی فلائٹ کے مسافروں کے بارے اعلان ہونے لگا تو زوہیب چونک گیا۔ اس نے پھر اپنی نگاہوں سے فائزہ کے چہرے کا طواف کیا۔ جیسے وہ اپنا بہت کچھ یہاں

پر چھوڑ کر جا رہا ہو یا پھر نجانے کیا کچھ اپنے ساتھ لے جا رہا ہے۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ شاید ان جذباتی لمحوں میں کوئی فقرہ یا کوئی بات وہ کہہ دیتا لیکن انہی لمحوں میں علی آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں کوک کے ٹن تھے۔ اس نے جلدی سے دونوں کو تھماتے ہوئے کہا۔

''لیں.....! پئیں.....''

''وہ.....! اعلان ہو رہا ہے۔'' زوہیب نے بمشکل کہا۔

''ہونے دو.....! یہ تمہیں لے کر ہی جائیں گے.....'' علی نے لاپرواہی سے کہا اور اپنا ٹن کھول لیا۔ پھر سپ لے کر بولا۔ ''زوہیب.....! میرے خیال میں تم پہنچ کر فون تو نہیں کرو گے.....'' یہ بات اس نے اس قدر سادگی میں کہی کہ فائزہ ہنس دی اور زوہیب شرمندہ سا ہو گیا۔ اس لئے ڈھیٹ پن سے بولا۔

''ممکن ہے ایسا ہی ہو.....''

''وہ مجھے پہلے ہی پتہ تھا.....'' علی نے کہا تو اعلان دوبارہ ہونے لگا۔ اس لئے اس نے اپنا ادھورا ٹن پیک ایک جانب رکھا۔ علی سے گلے مل کر ہاتھ ملایا۔ پھر فائزہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اجازت.....!''

''اللہ آپ کا نگہبان ہو.....'' فائزہ کے دل سے دعا نکلی تو اچانک ہی چل دیا۔ اس کے قدم تیز تھے۔ فائزہ اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ اس کا یوں اچانک تیز قدموں سے چلتے جانے سے فائزہ کو لگا کہ جیسے اس کے دل میں یہی ہے کہ مجھے کوئی آواز نہ دے دے۔ اس طرح شاید وہ جا نہیں پائے گا۔ اس نے واقعی پلٹ کر نہیں دیکھا اور نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ تبھی فائزہ کے سینے سے ایک طویل سانس خارج ہوا جیسے وہ اب تک کسی شکنجے میں کسی ہوئی تھی۔ وہ پلٹی تو اسے احساس ہوا جیسے علی بہت غور سے اسے دیکھ رہا ہے۔ اس نے توجہ نہیں دی۔ تب علی نے کہا۔

''میں آپ کو ڈراپ کر دوں.....''

''نہیں.....! میرے پاس گاڑی ہے۔ میں چلی جاؤں گی۔ ہاں اگر.....''

''نہیں.....! میں چند دنوں میں ہی آپ سے ملوں گا.....'' علی نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا جیسے اسے فائزہ کے اس لہجے کی امید نہ ہو۔

''میں آپ کا انتظار کروں گی۔ اجازت۔'' فائزہ نے کہا تو چونک گئی۔ اس نے بھی بالکل زوہیب کی مانند کہا تھا' وہی لہجہ..... وہی کہنے کا انداز..... پھر اس نے نہیں سنا کہ علی نے کیا کہا تھا۔ وہ دھیرے دھیرے قدموں سے چلتی ہوئی..... پارکنگ میں آ گئی..... اور پھر گھر واپس آنے تک اسی الجھن میں رہی کہ اسے کیا ہو گیا کہ وہ اپنا انداز بھول کر زوہیب کا انداز اپنا بیٹھی۔

☆☆☆

سناٹا جہاں بھی ہو وہ کسی نہ کسی سوچ کا سبب بن جاتا ہے۔ یہ سناٹا ماحول میں ہو یا پھر اپنی ذات کے اندر' اس کی وجہ معلوم کرنا ہی سوچوں کی بنیاد بنتا ہے۔ زوہیب کو گئے ہوئے کافی دن ہو گئے تھے اور ان دنوں

میں فائزہ کو انجانا سناٹا اپنے چاروں جانب محسوس ہوا۔ اگرچہ یہاں رہتے ہوئے اس سے اتنی ملاقاتیں نہیں ہوا کرتی تھیں لیکن اس کے جانے سے چند دن پہلے تک جو ان کی آپس میں گفتگو ہوئی تھی' اس کے اثرات اسے ان دنوں محسوس ہو رہے تھے۔ یہ اس کیلئے بڑا منفرد تجربہ تھا۔ وہ شخص جس سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا' محض تین ماہ سے بھی کم دورانیے میں ہونے والی تھوڑی سی ملاقاتوں میں بات کہاں سے کہاں تک جا پہنچی تھی۔ اس کے باعث بہت ساری تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ اس نے محسوس کیا تھا کہ پہلی تبدیلی اس کی اپنی سوچ میں ہوئی تھی۔ جس کے اثرات اس کے لکھنے پر بھی ہوئے تھے۔ پہلے ایک ہی ڈگر پر سوچتی چلی جا رہی تھی۔ یوں جیسے اس کی سوچ دریا میں موجود پانی ہو۔ بس کناروں میں بہتا چلا جا رہا ہے۔ اسی میں موجیں' اسی میں طغیانی سمیٹے وہ محو سفر تھی۔ اسے احساس تو تھا کہ ایک دن اسے سمندر میں جا گرنا ہے۔ تب وہ اپنا وجود کھو بیٹھے گی۔ اسے دریا سے سمندر ہو جانا تھا۔ وہ اسی سوچ کے تحت لکھتی چلی جا رہی تھی۔ اِس کی ساری کہانیوں کی نسبت اور اس نسبت میں تخلیق ہونے والے کرداروں میں اس سوچ کا عکس تھا۔ لیکن اب وہ خود میں تبدیلی محسوس کر چکی تھی۔ وہ اب خود کو دریا کا پانی نہیں' ہوا کی مانند محسوس کر رہی تھی۔ وہ ہوا جو موسموں کی تبدیلی کا باعث بنتی ہے۔ جسے قید نہیں کیا جاتا جو چاہے تو انسان کے سینے میں اتر جائے اور اسے زندگی بخشے' بادلوں کی روانی میں ان کی مدد کرے جو خشک زمیں کو سیراب کر دیتے ہیں۔ وہ خود کو محدود نہیں لامحدود تصور کر رہی تھی اور یہی تصور اسے خود ایسی تبدیلی کی طرف لے جا رہا تھا' جس کے واضح خدوخال اس کی نگاہ میں نہیں تھے مگر اسے یقین تھا کہ پردہ زیادہ دیر کا نہیں ہے۔ بہت جلدی اس پر راز افشا ہونے والے ہیں۔ یہ اطمینان اسے اس لئے تھا کہ ذات کے انکشافات اس کیلئے نیا تجربہ نہیں تھے۔ ہاں مگر اک سناٹا اس کی اپنی ذات کے اندر بھی تھا' جیسے طوفان سے پہلے حبس چھا جائے.....

اس نے دوسری تبدیلی اپنے زاویہ نظر میں محسوس کی تھی..... پہلے اس کا مشاہدہ قدرے محدود تھا جیسے اس کا وہی کچھ دیکھنا جو اسے دیکھایا جاتا تھا۔ لیکن اب وہ چاہتی تھی کہ جو کچھ وہ دیکھ رہی ہے اس پر اس کی اپنی جو بھی ذاتی رائے ہے' وہ اس کی حقیقت جاننے کی بھی متمنی تھی۔ اسے یہ باور ہو گیا تھا کہ بہت ساری چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کی ماہیت تو کچھ اور ہوتی ہے لیکن دکھائی وہ کسی اور طرح دیتی ہیں۔ ظاہری اشیاء سے کوئی حتمی نتیجہ اخذ نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کہ انسان خود اپنے خیالات کو نہیں سمجھ جاتا۔ اگر وہ اپنے اندر ہی سے خوف کھا جائے تو اس کے اپنے خیال ہی اسے ڈراتے رہتے ہیں۔ اپنے ہی خیالات سے شکست کھا جانا کیسی بات ہے.....؟ لیکن اپنے زاویہ نگاہ سے چیزوں کی ماہیت کو سمجھنا اور ان کی اصل حقیقت تک پہنچنا بھی تو زندگی کا اہم ترین پہلو ہے۔ اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ اب اس انتظار میں نہیں رہے گی کہ چیزیں اور خیالات اس تک پہنچیں' بلکہ وہ اپنی خواہش کے مطابق مشاہدہ کرے گی۔ وہ ان تک پہنچے گی..... رسائی کے احساس نے اس کے اندر تجسس کو بے پناہ قوت دی تھی۔ جس سے وہ خود کو بہت مضبوط تصور کر رہی تھی۔

تیسری تبدیلی اس نے اپنے اعتماد میں محسوس کی تھی۔ وہ اعتماد جو اسے اپنی ذات پر تھا۔ زوہیب سے ملاقات ہو جانے سے پہلے وہ یہی جانتی تھی کہ اپنے اندر کی گھٹن اور کسی تک اپنا پیغام پہنچانے کی لگن ہی اسے مجبور کر دیتی ہے کہ وہ لکھے اور وہ لفظ لفظ بننے کی اس دھن میں کولہو کے بیل کی مانند جتی ہوئی ایک ہی دائرے

میں چکر لگا رہی تھی۔ اسے یہ احساس ہی نہیں تھا کہ اس کے لکھے ہوئے لفظوں کی اہمیت کیا ہے۔ وہ تو بس لکھتی تھی اور انہیں ہوا میں خوشبو کی مانند پھیلا دیتی تھی۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ خوشبو کس کس کے احساس کو معطر کر دیتی ہے۔ اس کی دنیا تو ایک محدود کمرہ تھا اور اس کی دنیا تو وہیں تک محدود تھی۔ اس کمرے سے نکل جانے سے مہوش فاطمہ فاطمہ کی ذات جیسے ختم ہو کر رہ جاتی اور فائزہ حسن تو اس معاشرے کی ایک بے بس سی عورت بن کر رہتی جاتی۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ مہوش فاطمہ کس قدر طاقتور ہے۔ اس کی طاقت اس کے لفظ ہیں۔ جونہی اسے یہ احساس ہوا کہ مہوش فاطمہ کتنی طاقتور ہے تو اس کا اعتماد بحال ہو گیا۔ اسے لگا کہ فائزہ حسن کے اندر چھپی مہوش فاطمہ ہی دراصل اس کی اصل طاقت ہے' جس نے اس کی شخصیت کو زیادہ پر اعتماد کر دیا ہے۔ پہلے تو وہ اس لئے مہوش فاطمہ کے راز کی حفاظت کرتی تھی کہ اس کے بارے میں کوئی غلط تاثر نہ لے لیا جائے۔ کوئی اس کی طرف انگلی نہ اٹھائے۔ لیکن اب اس نے عزم کر لیا تھا کہ وہ مہوش فاطمہ کی حفاظت اس لئے کرے گی کہ) کے دم سے فائزہ حسن کی اہمیت ہے۔ اس کیلئے مہوش فاطمہ ایک ایسے قیمتی راز کی مانند ہو گئی تھی کہ جس کے ؛فشا ہو جانے سے فائزہ حسن کی موت واقع ہو جانا تھا اس کا راز میں ہی رہنا' فائزہ کی پر اعتماد شخصیت کا اصل راز تھا۔ وہ فائزہ حسن کو قتل نہیں کر سکتی تھی اور نہ ہی مہوش فاطمہ کا گلا گھونٹ سکتی تھی۔ اگرچہ بہت سوں کیلئے یہی جبر و قدر والی کیفیت شدید ذہنی بحران کا باعث جایا کرتی ہے لیکن وہ مطمئن تھی کہ اپنے بلا کے اعتماد کی بدولت وہ حفاظت کر سکتی ہے۔

زوہیب سے ملنے کے بعد اسے احساس ہوا تھا کہ پہلے تو وہ دوہری شخصیت کو ایک بوجھ تصور کرتی تھی۔ وہ اکثر اپنے من کی عدالت میں ایک ملزم کی مانند حاضر ہو جایا کرتی تھی کہ یہ کیا منافقت ہے..... مہوش فاطمہ کی حیثیت سے وہ کیا لکھتی ہے جس کا اثر فائزہ حسن کی شخصیت پر کیوں نہیں پڑتا؟ مہوش فاطمہ جو لوگوں کو جرأت عمل کا درس دیتی ہے' مثبت انداز سے معاشرے میں تبدیلی کا احساس اور نجانے کیا کچھ وہ لوگوں کیلئے لکھتی تھی صرف اسی لئے نا کہ وہ ہیولا جس سے فائزہ حسن عشق کرتی تھی ایک وجود کے روپ میں اس کے سامنے آ جائے..... اس کا فائدہ تو فائزہ حسن ہی کو ملنے والا تھا' پھر مہوش فاطمہ کا مستقبل کیا ہوتا.....؟ ایک مسلسل کنفیوژن تھا جس کا بوجھ وہ محسوس کرتی رہتی تھی۔ لیکن اب وہ بوجھ نہ جانے کہاں کھو گیا تھا..... اس کی جگہ اب خوشگوار احساس تھا جس نے مہوش فاطمہ کو اک نئی زندگی دے دی تھی۔ وہ جس کی کہانیوں کا انداز بڑی حد تک ناصحانہ اور دبی دبی بغاوت تھا' فائزہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اب بہت بولڈ ہو جائے گی۔ اتنی بولڈ کے لفظوں کی موجودگی کے باعث کاغذ تک پھڑ پھڑانے لگیں گے۔

فائزہ کیلئے ایک بڑی تبدیلی یہ بھی تھی کہ اب اس کی دعاؤں میں جہاں زیادہ خشوع و خضوع تھا' عبادت میں جہاں بندگی کا زیادہ احساس تھا اور اپنی استقامت کیلئے مدد میں شدت طلب زیادہ تھی۔ اب اس کی جگہ اپنے رب پر' اپنے پروردگار پر ایسا مان بھی شامل ہو گیا تھا کہ جس نے اسے زندگی کی انوکھی نوید بخشی تھی۔ ایک منفرد عشق دیا تھا۔ وہ خدا کے سامنے سربسجود تھی کہ محض چند لوگوں کی محدود دنیا سے نکل کر اب وہ لامحدود انسانوں کیلئے پیغام کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ اس کے پروردگار کی طرف سے بخشی ہوئی صلاحیت کی جہ سے وہ

نجانے کتنے لوگوں کے جذبات پر اثر انداز ہوسکتی تھی۔ اس ہنر نے کتنے دلوں کو سکون دیا ہوگا..... اس احساس نے جہاں اسے مان دیا تھا وہاں وہ اپنے رب سے اپنی ان دعاؤں میں ان لامحدود لوگوں کو بھی شامل کر چکی تھی۔ وہ ان کی خاطر دعا میں جب خشوع وخضوع میں ہوتی تو اسے روحانی طور پر وہ سکون ملتا جس کا پہلے اس نے تصور بھی نہیں کیا ہوا تھا..... اسے یقین سکون روح کی بالیدگی کا سبب بنتا ہے جو نہ صرف وجود کیلئے بلکہ سوچ اور خیال کیلئے بھی قوت کا باعث بنتا ہے۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ وہ ایک ہی جست میں نجانے کتنی روحانی منزلیں طے کر گئی تھی۔

اس نے بہت دنوں کے بعد کہانی شروع کی تھی۔ جس کا خیال اسے خود منفرد لگا تھا۔ لفظوں میں اک نئی طرح کی جان محسوس کی تھی اور کرداروں میں اک نئی جولانی تھی۔ وہ اتنے دنوں تک صرف اپنی ذات کے سفر پر رہی تھی۔ وہ چاہے خلوت میں تھی یا جلوت میں اپنی ذات کے سفر پر مسلسل گامزن تھی۔ اسے ہر طرف سناٹا سنائی دیتا تھا۔ وہ خود بھی خاموش تھی اور اسی خاموشی میں ایک تماشائی کی مانند اپنے اندر ہونے والی تبدیلیوں کو بڑے غور سے دیکھ رہی ہے۔ یہ تبدیلی اس کی سوچ سے لے کر اس کے وجود تک تھی۔ اس سناٹے کو ایک دن اس کی بھابی نے توڑا۔

اس دن یونیورسٹی سے آف تھا۔ وہ دوپہر کے کھانے تک اپنی بھابی کے ساتھ کام میں جتی رہی۔ یہاں تک کہ کھانا تیار ہوگیا۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی اور پھر خوب نہا کر فریش ہوگئی تو کھانے کی میز پر آئی جہاں سبھی موجود تھے۔ وہ خاموشی سے کھانا کھاتی رہی۔ اس نے یہ محسوس ہی نہیں کیا کہ بھابی اس کو بہت غور سے دیکھ رہی ہے۔ کھانے کے بعد ثناء اور بھابی نے برتن اٹھائے تو وہ خود اپنے لئے چائے بنانے لگی۔ وہ گرما گرم چائے کا کپ لئے جب ڈرائینگ روم میں آ بیٹھی تو بھابی بھی اپنے تمام کاموں سے فارغ ہو کر اس کے پاس آ گئی..... چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بھابی نے بڑے پیار اور خوشگوار انداز میں پوچھا۔

''فائزہ.....! یہ آج کل تم اتنی خاموش کیوں ہو.....؟''

''میں.....؟ خاموش.....؟'' اس نے حیرت سے پوچھا۔ اسے بھابی کے سوال پر واقعی حیرت ہوئی تھی۔ کیونکہ اس کے اندر تو خاموشی نہیں تھی۔ سناٹا تو کہیں باہر تھا۔

''ہاں.....! تم کئی دنوں سے خاموش ہو' نہ پہلے کی طرح چہکتی ہو..... نہ باتیں کرتی ہو..... اور نہ ہی تم پہلے کی طرح اہتمام سے یونیورسٹی جاتی ہو اور آج تو میں نے بہت زیادہ ہی محسوس کیا ہے' صبح سے تم میرے ساتھ کام میں مصروف ہو..... لیکن مطلب کی بات کے سوا تم نے ایک لفظ بھی نہیں کہا؟'' بھابی تو جیسے پھٹ پڑی اور ہونقوں کی مانند اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے سے بولی۔

''ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔''

''کچھ تو ہے فائزہ.....! اب تم بتانا نہیں چاہتی ہو تو یہ الگ بات ہے۔ یہ فقط آج کی بات نہیں ہے میں کئی دنوں سے نوٹ کر رہی ہوں.....'' یہ کہتے ہوئے اس نے چونک کر کہا ''اچھا چلو بتاؤ.....! تم پچھلے ایک ہفتے سے میرے پاس بیٹھی ہو..... چلو میرے ساتھ نہ سہی' جس طرح پہلے تم ثناء اور سعد کے ساتھ تھوڑا بہت

وقت گزارتی ہو۔ ایسا کیا تم نے.....؟ پھر بھی کہتی ہو کہ کوئی بات نہیں ہے؟'' بھابی کے لہجے میں نجانے اتنا شکوہ کہاں سے آ گیا تھا۔ تو وہ پھر بھی نہ سمجھتے ہوئے اس کے چہرے کی طرف دیکھتی رہی۔ جیسے بھابی اسے نہیں کسی اور سے کچھ کہہ رہی ہے۔ لیکن اسے یہ احساس ضرور تھا کہ وہ جو کچھ بھی کہہ رہی ہیں' ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ وہ چند لمحے خاموشی کے بعد بولی۔

''سوری.....! بھابی میں سمجھتی ہوں کہ ایسا ہوا ہے لیکن نجانے کیوں ایسا ہو گیا..... شاید میں.....'' وہ کہتے کہتے خاموش ہو گئی تو بھابی نے جلدی سے کہا۔

''ہاں.....! بولو..... میں وہی وجہ تو جاننا چاہ رہی ہوں.....''

''بھابی.....! آپ یقین کریں' مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ بہرحال ایسا ہو گیا ہے۔ وہ میں مانتی ہوں۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی تو بھابی نے قدرے جھجکتے ہوئے کہا۔

''کہیں اس کی وجہ میں تو نہیں ہوں.....'' یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے بولی۔ ''میرا مطلب ہے کہ میں نے تم سے وہ زوہیب کے بارے میں بات کی تھی۔ کہیں تم نے اس کا.....''

''اوہ نہیں بھابی۔'' وہ ایک دم سے بولی۔ اس کے لبوں پر مسکراہٹ آ گئی تھی۔ وہ جو اک انجانا احساس اس پر چھا گیا تھا لمحوں میں محو ہو گیا۔ تب وہ قدرے خوشگواریت سے بولی۔ ''ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے میرے ساتھ۔'' پھر ادھر ادھر دیکھ کر بولی۔ ''اصل میں وہ میری کہانیوں کی دنیا ہے۔ اس میں تھوڑے مسائل ہیں۔ میں انہی کے بارے میں تھوڑا فکرمند تھی..... بھابی آپ سے مجھے کوئی شکوہ نہیں ہے۔''

''سچی بات پوچھو نا فائزہ.....! یہ کہانیوں نے ہی تیرا دماغ خراب کیا ہوا ہے۔ میں اتنی زیادہ پڑھی لکھی نہ سہی' لیکن اتنا ضرور سمجھتی ہوں میری جان کے جو کہانیوں کی دنیا میں رہنے والے لوگ ہوتے ہیں۔ یہ اس حقیقی دنیا میں خود کو بالکل مِس فٹ تصور کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اس حقیقی دنیا میں سانس لے رہے ہوتے ہیں۔ انہیں اس کے مطابق چلنا چاہئے۔''

''آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں بھابی.....! ایسا مسئلہ ہوتا ہے لیکن کیا یہ اچھا نہیں ہے۔ اگر ہم بہت سی خوشیاں حاصل نہیں کر پاتے' نہ سہی لیکن بہت ساری برائیوں' بہت سارے دکھوں سے تو بچ جاتے ہیں۔ ہم فائدے کا باعث تو بن جاتے ہیں لیکن نقصان بہت کم کرتے ہیں اور وہ بھی انجانے میں ہوتا ہے۔''

''اب اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی زندگی خراب کر لی جائے؟'' بھابی نے انتہائی دکھ سے کہا۔

''نہیں بھابی.....! آپ اپنے نکتہ نظر سے کہہ رہی ہیں کہ زندگی خراب ہو گی' مگر میں ایسا نہیں سمجھتی' ہر شخص کی زندگی میں خلا ہوتے ہیں اور زندگی کے ایک پہلو کو نظر انداز کر دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ زندگی ہی خراب ہو گئی۔ بہت سارے لوگوں کی زندگی میں بے شمار محرومیاں ہوتی ہیں۔ میں کوئی محروم تو نہیں خود دستبردار ہوئی ہوں..... خیر.....! میری زندگی موضوع بحث نہیں ہے۔ کیونکہ آپ اسے کسی اور نکتہ نگاہ سے دیکھ رہی ہیں۔''

''تو پھر کیا ہے تمہارا نکتہ نظر.....؟'' بھابی نے حیرت سے پوچھا۔

''میں آپ سے جتنا بھی کہوں گی، آپ اسے سمجھ نہیں پائیں گی۔ میری بات کو آپ اپنے معیار پر

پرکھیں گی۔ جو یقیناً آپ کو اچھا نہیں لگے گا۔'' فائزہ نے دھیرے سے کہا۔ تو بھابی کافی دیر تک خاموش رہی پھر دکھ سے بولی۔

''ویسے تم نے زوہیب کا رشتہ ٹھکرا کے اچھا نہیں کیا۔''

''بھابی.....! آپ کیوں اتنا دکھ محسوس کرتی ہیں۔ کیا زندگی اسی ایک شخص پر ختم ہو جاتی ہے۔ میں مانتی ہوں وہ بہت اچھا ہے۔ اس کے گھر والے بہت اچھے ہیں۔ لیکن کسی کے اچھے ہونے کی وجہ سے کیا ہم اپنا آپ اس پر وار دیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بہرحال.....! تم ایک دن پچھتاؤ گی.....'' بھابی نے اکتائے ہوئے کہا۔ ''یہاں تو اچھا رشتہ ملنا پہلے ہی بہت دشوار ہے' اب اگر مل گیا ہے تو تمہارے مزاج نہیں مل رہے۔ اب بھی کچھ نہیں ہوا۔ ان کی خواہش اب بھی برقرار ہے۔'' بھابی نے اپنی بات کہہ دی۔

''ٹھیک ہے' میں دوبارہ غور کرلوں گی.....'' فائزہ نے کہا تو بھابی کی آنکھیں چمک اٹھیں۔

''سچ.....! ویسے میرے دل میں ایسا تھا کہ تم زوہیب کے یوں چلے جانے پر۔۔۔ایسا ہے نا۔'' بھابی نے دلچسپی سے پوچھا تو فائزہ اس کا مطلب سمجھ کر کھلکھلا کر ہنس دی۔ پھر تھوڑا مسکراتے ہوئے بولی۔

''او میری بھولی بھابی.....! تم بھی نہ بس.....'' پھر سانس لے کر بولی۔ ''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' فائزہ نے کہا تو بھابی کی تیوریوں پر بل پڑ گئے۔

''میں تو یہ سمجھی تھی کہ تم اس لئے خاموش ہوگئی ہو کہ تمہارے دل میں اس کیلئے کچھ ہے، آخر تم لوگوں نے۔۔۔''

''آپ نجانے کہاں کے قلابے ملا رہی ہیں۔ یہ ضروری تو نہیں کہ جس کے ساتھ اتنی لمبی باتیں ہوں یا گفتگو ہو جائے تو اس کے ساتھ کوئی انوکھا رشتہ بن جاتا ہے۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو بھابی ایک دم سے اٹھ کر چلی گئی۔ شاید وہ ناراض ہوگئی تھی۔ مگر اسے یقین تھا کہ وہ ناراض نہیں ہوئیں محض بات کر رہی ہیں۔ تبھی ان لمحوں میں اس کے ذہن میں خیال آیا..... کیا واقعی ان کے درمیان کچھ ایسا نہیں ہے؟

☆☆☆

کمرے کی فضا خاصی خنک تھی لیکن زوہیب کو احساس ہی نہیں ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں وہ میگزین تھا جس میں مہوش فاطمہ کی تازہ کہانی شائع ہوئی تھی۔ وہ اس وقت آخری سطروں پر تھا۔ جب فون کی بیل بجنے لگی۔ وہ چونک گیا۔ اس نے فون کی طرف دیکھا اور پھر نظر انداز کر دیا۔ وہ تحریر کی آخری سطریں ہر حال میں پڑھ لینا چاہتا تھا۔ فون خاموش ہو چکا تھا۔ اس نے آخری سطریں بھی پڑھ ڈالیں۔ تبھی وہ چونک گیا۔ بالکل آخر میں مدیر میگزین کا ایک نوٹ تھا کہ بہت سارے قارئین مہوش فاطمہ سے رابطہ چاہتے ہیں۔ اگرچہ وہ ہماری وساطت سے خط لکھتے ہیں لیکن براہ راست رابطہ کیلئے ہم ان کا ای میل ایڈریس دے رہے ہیں۔ قارئین مہوش فاطمہ سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

زوہیب اچانک ہی خوشی سے بھر گیا۔ اس کی اس خوشی میں حیرت گھلی ہوئی تھی۔ جو اس سے رابطہ کے

بارے میں سوچتا اور پھر مایوس ہو جایا کرتا تھا' ای میل ایڈریس کی صورت میں ایک نوید اس کے سامنے موجود تھی۔فون پھر بجنے لگا' مگر اس نے پھر توجہ نہیں دی۔ وہ اس خوشگوار حیرت کا مزہ لینا چاہتا تھا۔اس نے آنکھیں بند کیں اور سوچنے لگا تو اچانک اسے خیال آیا کہ اس بار اس کی کہانی بالکل منفرد تھی۔ وہ اگر اس کا باقاعدہ قاری نہ ہوتا اور اس تحریر پر مہوش فاطمہ کا نام نہ جگمگا رہا ہوتا تو شاید وہ دھوکا کھا جاتا..... اس کہانی میں دیا گیا تصور بالکل نرالا تھا۔ یوں جیسے وہ فضاؤں میں اڑتے ہوئے اس نے کچھ رنگ اکٹھے کئے اور پھر اپنی مرضی سے سجا کر انہیں ترتیب دے کر صفحات پر لفظوں کا روپ دے دیا ہو۔اس نے ایسے جذبوں کی کہانی لکھی تھی جذبات کی محرومیاں بیان کی تھیں۔ اس نے یہ پیغام دیا تھا کہ ہم جذبات سے محرومی کو یکسر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ بے اہمیت اشیاء جن پر کوئی قیمت نہیں درج ہوتی۔ ہم اس سے بھی دوسروں کو محروم رکھتے ہیں۔ ہم اور ہمارا معاشرہ ایسی چھوٹی چھوٹی خوشیوں سے اس طرح محروم ہو گیا ہے کہ یہ برتاؤ ہم اپنے ساتھ بھی کرنے لگے ہیں ہم دوسروں کو اپنا خیال رکھنے کیلئے کہتے ہیں لیکن کیا ہم اپنا خیال رکھتے ہیں۔ ہم اگر کسی کو مسکراہٹ نہیں دے سکتے تو ہمیں کسی کی مسکراہٹ سے خوش ہونے کا کوئی حق نہیں ہے۔ ہم میں یہ رویہ کیوں سرائیت کرتا چلا جا رہا ہے۔ کیا یہ کہیں احساس کی محرومی ہے؟

پہلی بار مہوش فاطمہ نے مثبت بغاوت اور نا انصافی کے دائرے سے نکل کر انسان کے اندر جھانکنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن مرکز اس کا وہی تھا کہ قدرت نے انسان کی تخلیق میں بنیادی عنصر اچھائی رکھا ہے۔ اس نے اس اچھائی کو چھونے کی کوشش کی تھی۔ اپنے احساسات کو فضاؤں میں سے پکڑے ہوئے رنگوں میں اس طرح بیان کیا تھا کہ پڑھنے والا اپنے احساسات میں بھی رنگینی محسوس کرنے لگا تھا۔ زوہیب نے خود کو ٹٹولا' وہ خود کو رنگین محسوس کر رہا ہے۔ وہ ہوا کی نزاکت اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔ فون کی گھنٹی پھر بج اٹھی۔ وہ جھنجھنا اٹھا۔ اسے خود پر غصہ آنے لگا کہ کہانی پڑھنے سے قبل اس نے فون بند کیوں نہیں کر دیا تھا۔ اس نے پھر ای میل ایڈریس پر نگاہ ڈالی..... میگزین کو احتیاط سے رکھا اور سائیڈ ٹیبل پر موجود فون کو اٹھا لیا۔ اس نے سکرین پر نگاہ ڈالی تو اس کا بزنس پارٹنر بلال کا نام جگمگا رہا تھا۔ اس نے فون رسیو کر لیا۔

''اوئے کیا ہو گیا ہے تمہیں' خیریت تو ہے نا.....؟'' بلال نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''اتنی رات گئے تم فون کر رہے ہو' تمہیں کیا تکلیف ہے؟'' زوہیب نے الٹا سوال کر دیا۔

''مجھے نیند نہیں آ رہی ہے یار.....! آؤ تھوڑی دیر باتیں کرتے ہیں۔'' بلال نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم اگر خواب میں بھی روپے یا درہم گنو گے تو ایسے ہی ہو گا تمہارے ساتھ۔ زندگی دولت جمع کرنے کا نام نہیں ہے پیارے..... آج تم بات کرنے کیلئے ترس رہے ہو' کل تم اپنے آپ کو بھی ترسو گے.....! بچو اس وقت سے۔'' زوہیب نے دھیرے سے کہا اور چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آ گیا۔ اس کا فلیٹ ساتویں منزل پر تھا' جہاں سے شہر کی روشن عمارتیں اسے دکھائی دے رہی تھیں۔

''یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے یار، ایسی فلسفہ زدہ باتیں کیوں کر رہے ہو؟'' بلال نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''کاش میں کوئی فلسفہ کہہ سکتا۔ ہم جیسے لوگ جو خود سوچنے کے عادی نہیں ہیں نا' ان ذرا ذرا سی باتوں

کو فلسفہ کہہ دیتے ہیں۔ ہر وہ بات جو سمجھ میں نہ آئے فلسفہ نہیں ہوتا' ہماری نا سمجھی ہوتی ہے۔ کیا اس بات کا تمہیں پتہ ہے۔'' زوہیب نے دور سمندر میں ایک بجرے کی روشنیاں دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ تم کیا اوٹ پٹانگ باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو، میں نے تو سوچا تھا کہ تم آؤ گے تو میرا بوجھ کم ہوگا۔ میں بھی تھوڑے عرصے کیلئے پاکستان جا سکوں گا..... لیکن جب سے تم آئے ہو کوئی دلچسپی ہی نہیں لے رہے ہو۔ اوپر سے تم نے کہہ دیا کہ پاکستان میں بھی بزنس کرنا ہے' میری راتوں کی نیند نہیں اڑے گی تو اور کیا ہوگا میری جان.....'' بلال نے قدرے دھیمے لہجے میں دھیرے دھیرے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''کیا تم صرف میری وجہ سے جاگ رہے ہو.....؟'' زوہیب نے پوچھا۔

''ہاں.....! سچی بات یہی ہے۔'' بلال نے صرف لفظوں میں حقیقت کہہ دی۔

''کیا ڈر ہے تمہیں.....؟'' زوہیب نے اطمینان سے پوچھا۔

''دیکھو.....! تمہارے یہاں سے چلے جانے کے بعد میں نے تین ماہ کیسے گزارے' یہ مجھے پتہ ہے۔ میں اکیلے کام کرنے کا عادی نہیں ہوں۔ میں ان تین مہینوں میں بری طرح تھک گیا ہوں۔ میں تھوڑا آرام چاہتا ہوں میری جان..... اور تم ہو کہ واپس پاکستان جانے کی بات کر رہے ہو اور وہ بھی اک نئے بزنس کے ساتھ''

''نیا نہیں' وہی گارمنٹس کا ہی ہوگا؟'' زوہیب نے اطمینان سے کہا اور پھر قدرے اطمینان سے بولا۔

''دیکھو پیارے.....! میں جب یہاں سے گیا تھا' اس وقت مجھے قطعاً یہ خیال نہیں تھا۔ ہاں مگر وہاں جا کر مجھے یہ خیال آیا کہ تم نے اگر تین ماہ میں یہاں کے بزنس کو سنبھال لیا تو میں پاکستان میں سیٹ اپ شروع کر دوں گا..... اس وقت کاروبار میں دلچسپی نہ لینے کی وجہ بھی یہی ہے کہ تم بہت اچھے انداز میں.....''

''بھاڑ میں گیا تمہارا اچھا انداز.....! سارا دن تم اپنے فلیٹ میں گزارتے ہو اور رات بھی فون سننے کی زحمت نہیں کرتے.....! آفس تو جیسے تم بھول گئے ہو.....'' بلال پھٹ پڑا۔ تو زوہیب نے کہا۔

''میں صبح آفس آؤں گا اور پھر وہاں سے کہیں چلیں گے۔ پھر میری جان بہت آرام سے بات کر لیں گے تم اب سو جاؤ۔''

''لیکن پہلے تم وعدہ کرو کہ یہاں سے جاؤ گے نہیں.....'' بلال نے جیسے ضد کر لی۔

''میں نے کہا نا صبح بات کریں گے پھر جو اچھا ہوگا' ہم وہی کریں گے۔ پلیز اب تم سو جاؤ.....''

زوہیب نے پچکارتے ہوئے کہا تو بلال نے فون بند کر دیا۔ تب اس نے گہری سانس لی اور فون واپس سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

بلال کی باتیں اپنے لہجے کی شدت سمیت اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ ایسا ہونا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اپنے فلیٹ میں نہیں بیٹھا ہوا تھا۔ اسے احساس تھا کہ بلال کا ردعمل کیا ہوگا اور آج تو وہ جیسے پھٹ پڑا تھا۔ اسے یہی امید تھی اس لئے وہ مطمئن تھا کہ اس نے بہت کچھ سوچ لیا تھا۔ لیکن یہ کیسا اتفاق تھا کہ جونہی وہ مہوش فاطمہ کی کہانی کی آخری سطروں پر تھا کہ بلال کا فون آنا شروع ہو گیا۔ وہ کن نازک خیالات کی بلندیوں پر تھا کہ اچانک سنگلاخ پتھر پر آن گرا تھا۔ جیسے گلاب کی خوشبو اور نرماہٹ کو محسوس کرتے ہوئے اچانک کانٹا ہاتھ

میں پیوست ہو جائے۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس نے ساری سوچوں کو ایک طرف رکھا اور پھر سے میکزین اٹھا لیا۔ مہوش فاطمہ کا ایڈریس اس کے سامنے تھا۔ وہ اپنے کمپیوٹر کے سامنے جا بیٹھا' اسے آن کیا اور انتظار کرنے لگا کہ کب سکرین پر پروگرام واضح ہوتے ہیں۔ اتنی دیر میں وہ آنکھیں بند کر کے سوچتا رہا کہ وہ اپنے کس طرح کے جذبات اس کو بھیجے گا۔ یہی سوچتے ہوئے وہ اک عجیب طرح کی کیفیت میں چلا گیا۔ یوں جیسے وہ کسی گیان کیلئے دھیان میں ہو۔ وہ کافی دیر یونہی مراقباتی حالت میں رہا اور پھر آنکھیں کھول دیں۔ اس کی انگلیاں ایک انجانے جذبے کے تحت کی بورڈ پر چلنے لگیں۔ وہ لکھتا چلا گیا اور پھر اس نے وہ ای میل مہوش فاطمہ کو بھیج دی۔ جیسے ہی اسے اطمینان ہو گیا کہ ای میل چلی گئی ہے۔ وہ اٹھا اور خوشگوار کیفیت میں آ کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ اسے پورا یقین تھا کہ ایک خوشگوار نیند اس کی منتظر ہے۔ وہ دھیرے دھیرے دنیا و مافیہا سے غافل ہو گیا۔

اگلی صبح جب وہ سیف روڈ پر موجود اپنے آفس کیلئے نکلا تو بہت خوشگوار تھا۔ آفس پہنچنے میں اتنا زیادہ وقت نہیں چاہئے تھا۔ اس لئے وہ مناسب رفتار سے آفس پہنچ گیا۔ جہاں بلال اس کا منتظر تھا۔ وہ اس سے ہاتھ ملا کر سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تو بلال بولا۔

''کہیں چلیں یا پھر یہیں بیٹھ کر بات کریں۔''

''جیسے تمہاری مرضی.....! میرے خیال میں یہ کوئی اتنا گھمبیر مسئلہ نہیں ہے جو ہم سے حل نہیں ہو پائے گا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے بلال کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''دھیرج رکھو یار تمہارے چہرے پر اتنی پریشانی کیوں ہے؟''

''اونہیں یار.....! تم پتہ نہیں کیا سوچ رہے ہو اور میں.....'' اس نے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔ تو زوہیب نے انٹر کام کا رسیور اٹھا کر کہا۔

''کافی تو پلوا دیں۔''

دوسری طرف سے جواب سن کر اس نے رسیور رکھ دیا اور پھر بولا۔ ''دیکھو بلال.....! ہم نے یہ بزنس کس پوزیشن میں اور کن حالات میں شروع کیا تھا۔ یہ تم جانتے ہو..... میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا کہ اس بزنس کو اس سطح پر لانے میں کس کی زیادہ محنت ہے.....''

''بلاشبہ تمہاری.....! مجھے اس کا اعتراف ہے۔'' بلال نے تیزی سے کہا۔

''میں شاید اس بزنس کو اکیلا اس سطح پر نہ لا سکتا۔ لیکن تمہاری مدد سے ہی میں یہاں تک پہنچا ہوں۔ یہ بات اپنی جگہ۔ اب یہ دیکھو کہ تمہاری فیملی ہے' تمہارے بچے ہیں' جو پاکستان میں تمہاری راہ دیکھتے ہیں اور تم بمشکل ان کیلئے وقت نہیں نکال پاتے ہو۔ ان کا کیا قصور ہے؟'' زوہیب نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا تو زوہیب نے اپنی بات جاری رکھی۔ یہ ہم پر اللہ کا کرم ہے کہ ہم اس سطح پر آ گئے ہیں۔ تمہیں ان پر توجہ دینی چاہئے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں یہاں پر رہوں اور تم پاکستان چلے جاؤ۔ لیکن وہاں تم اپنی فیملی اور بچوں پر توجہ دو گے یا نیا بزنس شروع کرنے پر۔ وہ اگر یہاں آ جائیں گے تو میرے خیال میں یہاں کا کام تمہارے لئے معمول کے مطابق ہو گا۔''

''لیکن پاکستان میں بزنس شروع کرنے کی وجہ کیا ہے؟'' بلال نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

''میرے خیال میں تمہیں یہ سوال کرنا ہی نہیں چاہئے تھا۔ لیکن تمہارے اطمینان کیلئے میں تمہیں بتا دیتا ہوں کہ وہ ہمارا وطن ہے..... ہماری جڑیں ہیں وہاں پر۔ ہمیں بہرحال لوٹ کے وہیں جانا ہے۔'' زوہیب نے خیالوں میں کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔

''دنیا کہاں سے کہاں چلی گئی ہے یار..... ہم.....''

''کہیں نہیں گئی' ابھی وہیں کی وہیں ہے..... کوئی بھی ملک اپنے افراد سے بنتا ہے اور ہم نے اپنے ملک کو کیا دیا ہے۔ ہم اتنے بے حس ہیں یار کہ ہم اپنے اردگرد نہیں دیکھتے..... ہمارے ملک میں ابھی تک بچے مزدوری کرنے پر مجبور ہیں۔ ''چھوٹا'' بننے پر مجبور ہے۔ ذرا تصور کرو..... ایک بچہ جس کے کاندھے پر صافی اور ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑا ہوا ہے۔ اس کی کتنی خواہشوں کا قتل ہوتا ہوگا۔ وہ بھی کھیلنا چاہتا ہے' وہ بھی پڑھنا چاہتا ہے اور وہ بھی سرِشام اپنی ماں کے سینے سے لگ کر سونا چاہتا ہے۔ لیکن ہمارے ظالم معاشرے نے اس سے یہ سب کچھ چھین لیا۔ کیا اسے بھاری ٹپ دے کر ہم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے ہیں..... نہیں..... ہمیں اس کو اس کا حق دینا ہے..... اس کیلئے سوچنا ہے۔'' زوہیب نے دکھی لہجے میں کہا۔

''تمہیں کیا ہو گیا ہے زوہیب؟ اچھے بھلے تم پاکستان گئے تھے۔''

''ہم ترقی کا موازنہ دوسروں ملکوں کے ساتھ کرتے ہیں..... کوئی نیا فیشن ہم بہت جلدی اپنا لیتے ہیں' لیکن یہ کبھی کسی ترقی یافتہ ملک کے ساتھ موازانہ کیا ہے کہ ہمارے بچے' ہمارا مستقبل کس حالت میں ہے۔ کتنے ''چھوٹے'' ہیں وہاں پر اور ہمارے ہاں کیا صورتحال ہے۔'' اس نے بلال کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

''ہمارے ملک کی بنیادی ضرورت تعلیم ہے۔ ایسی تعلیم جس میں انسانیت کی فلاح کا شعور ہو۔ لیکن ہمارے ملک میں تو یہ بنیادی حق بھی طبقات میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔''

''تم اصل بات بتاؤ' تم کرنا کیا چاہتے ہو.....'' بلال نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''میں یہ چاہتا ہوں کہ میں پاکستان جاؤں' میں وہاں جا کر بزنس کروں' تم یہاں رہو اور یہاں رہ کر بزنس کرو۔ تمہارے ذہن میں جو تصور ہے نا کہ شاید میں تمہارے ساتھ پارٹنرشپ ختم کرنے والا ہوں۔ ایسا نہیں ہے' میں وہاں سے تمہارے ساتھ پوری طرح شریک ہوں گا۔''

''تو اس کا مطلب ہے کہ ہمارا کاروبار زیادہ پھیلے گا۔'' بلال نے وضاحت چاہی۔

''بالکل! اور میں اس کا سارا فائدہ اپنے لوگوں کو دینا چاہتا ہوں۔ پاکستانی مصنوعات کو دینا چاہتا ہوں۔''

''میں اب سمجھا.....!'' بلال نے سکون کا سانس لیتے ہوئے کہا۔

''دیکھو.....! یہ مجھے ہی نہیں ہر پاکستانی کو سوچنا چاہئے۔ اگر میں پاکستان کو کچھ نہیں دے پا رہا تو مجھے اس پر تنقید کا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر مجھے یہ کہنے کا ذرا سا بھی اختیار نہیں کہ ملک کی حالت کیا ہے۔ ہاں..... جب میں اپنے وطن کیلئے کچھ کروں گا تو اس کا مطلب ہے میں اپنے دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے مل کو سنوانے

کی کوشش کر رہا ہوں۔ میری وجہ سے اگر میرے وطن کا ایک بندہ بھی خوشحال ہو جائے تو سمجھو میں نے پاکستان کی خدمت کی۔''

''تم اکیلے کیا کر سکو گے میری جان..... کوئی اتنا بڑا قدم' کوئی اتنی بڑی تبدیلی..... میرے خیال میں ممکن ہے تم اپنا وقت اور پیسہ برباد کر دو.....'' بلال نے انتہائی مایوسی سے کہا۔

''نہیں میری جان ایسا نہیں ہے..... اگر انسان کی نیت میں خلوص ہے نا تو اس کی محنت رائیگاں نہیں جاتی۔ چراغ سے چراغ جلتے رہیں نا تو بہت کچھ ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے ابھی تم میرے خیالات سے متفق نہ ہو۔ اس لئے تم محض بزنس کی بات کرو.....''

''میں تو فی الحال پاکستان جاؤں گا۔ اس کے بعد ہی آ کر اس موضوع پر بات ہو گی۔'' بلال نے تیزی سے کہا۔

''ٹھیک ہے' لیکن یہ ذہن میں ضرور رکھنا کہ تم اپنے بچوں کو یہاں لے کر آؤ گے..... ان کے ساتھ پورا وقت گزاروں گے۔'' زوہیب نے حتمی انداز میں کہا۔

''او کے باس.....! جیسا تم چاہو۔ پہلے بھی میں نے تمہاری رہنمائی میں سب کچھ کیا ہے۔ اب بھی میں اسی طرح چلوں گا اب یہ ذمہ داری تمہاری ہے کہ تم کیا کرتے ہو.....'' بلال نے اپنی جان چھڑاتے ہوئے کہا تو زوہیب دھیرے سے ہنس دیا اور پھر بولا۔

''تو پھر کب جا رہے ہو تم پاکستان؟''

''بس چند دنوں میں..... آؤ کہیں اچھے سے ریستوران میں چلتے ہیں۔ وہاں ہم آئندہ کیلئے باتیں کر لیں گے۔'' بلال نے کہا تو زوہیب بولا۔

''وہ کافی ابھی تک نہیں آئی، ابھی وہ پیتے ہیں۔ تھوڑا کام کرتے ہیں۔ پھر لنچ کیلئے نکلیں گے۔''

''او کے باس.....!'' بلال نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنی کرسی سے اٹھ کر فائل اٹھانے لگا' جس میں پچھلے دنوں کا بزنس ریکارڈ تھا۔ اسی دوران کافی آ گئی۔ تبھی دونوں کافی پیتے ہوئے بزنس کی باتیں کرنے لگے۔

☆☆☆

یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنی تعریف سننا بہت پسند کرتا ہے۔ لیکن وہ لوگ جو تعریف اور تنقید سے ماورا ہو جاتے ہیں' وہ اپنے مقاصد میں بہت بلندیوں پر ہوتے ہیں۔ اس دن فائزہ جب یونیورسٹی سے واپس آئی تو اپنے معمول سے ہٹ کر اس نے کمپیوٹر آن کر لیا۔ جیسے ہی نیٹ کا رابطہ ہوا تو اس نے اپنا ای میل باکس کھولا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے لاشعور میں فقط ایک ہی بات تھی کہ اس نے جو اپنے مزاج اور معمول سے ہٹ کر کہانی دی تھی' لوگوں کو' اس کے قارئین کا کیا ردعمل ہو گا؟..... کیا انہوں نے اس تبدیلی کو قبول بھی کیا ہے یا نہیں.....؟ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ جب اس نے اپنا میل بکس کھولا تو وہ حیران رہ گئی۔ اتنے سارے لوگوں نے اسے میل کی تھی۔ اس کے تو ذہن میں بھی نہیں تھا کہ لوگ اس سے اس قدر رابطہ کے خواہش مند ہیں۔ اس نے تو سب کچھ زوہیب کیلئے سوچا تھا۔ اسے تو صرف زوہیب سے غرض تھی۔ وہ فائزہ کے طور پر تو اس

سے بہت کچھ سنتی رہی تھی لیکن وہ اس اظہار کو سننے سے قاصر تھی جو زوہیب' مہوش فاطمہ سے کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بہت سوچ کر یہ راہ اپنائی تھی' زوہیب کو ایک راستہ دیا تھا کہ وہ اپنی بات کہہ سکے.....! یہی سوچتے ہوئے اس کے دل سے ایک آہ نکلی.....کاش.....وہ ہیولا بھی اسے پڑھتا ہو..... وہ بھی اس سے رابطہ کرلے..... اس نے ایک لمحے کو آنکھیں بند کیں اور اپنی اس کیفیت پر قابو پایا جو اس ہیولے کو سوچتے ہوئے پورے وجود پر طاری ہوگئی تھی۔ کافی دیر تک وہ یونہی بیٹھی رہی۔ پھر جب اس نے تھوڑا سکون محسوس کیا تو کمپیوٹر سکرین کی طرف توجہ ہوئی۔ اس نے فہرست پر سرسری سی نگاہ ڈالی۔ خیال یہی تھا کہ کہیں زوہیب کی کوئی میل ہو، تبھی دوسرے صفحے پر زوہیب کا نام تھا۔ اس نے فوراً ہی میل کھولی تو سامنے زوہیب کی وہ رائے تھی۔ جو وہ مہوش سے کہنا چاہتا تھا۔

شستہ انگریزی زبان میں وہ رائے تقریباً دو سو لفظوں سے زیادہ تھی۔ فائزہ نے بہت ٹھہر ٹھہر کر وہ میل پڑھی۔ وہ لفظوں میں اتر جانا چاہتی تھی۔ وہ دھیرے دھیرے پڑھتی چلی گئی یہاں تک کہ آخر تک پہنچ گئی..... وہ تبصرہ اسے اک نئے جہان میں لے گیا تھا۔ زوہیب نے سب سے پہلے اس کی کہانی پر تبصرہ کرتے ہوئے تعریف کی تھی' پھر اس کے انداز پر تھوڑا کہا اور آخر میں ساری بات وہی تھی جو وہ فائزہ سے اکثر مہوش فاطمہ کے بارے میں کرتا تھا۔ بالکل آخری چند سطروں میں اس نے درخواست کی تھی کہ وہ بہت ساری باتیں کرنا چاہتا ہے اور اپنے بارے میں اسے بتانا چاہتا ہے اور اس سے کچھ پوچھنا چاہتا ہے۔ اس سے رابطہ رکھنا چاہتا ہے۔ اس نے اجازت چاہی تھی..... اگرچہ زوہیب کی میل میں کوئی ایسی بات نہیں تھی جسے بہت منفرد کہا جاتا لیکن اتنا ہی بہت تھا کہ اس نے میل تو کی..... وہ چند لمحے اپنے خیالات کو مجتمع کرتی رہی اور پھر اس کی میل کا جواب دینے لگی۔ انتہائی اختصار کے ساتھ اس نے خود رابطہ رکھنے کی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔ میل بھیج کر' اس نے کمپیوٹر آف کر دیا۔ وہ بعد میں پوری یکسوئی کے ساتھ باقی لوگوں کو جواب دینا چاہ رہی تھی۔ وہ اٹھی اور اپنے معمولات میں مشغول ہوگئی۔

وہ رات کا آخری پہر تھا' جب وہ نماز کیلئے اٹھی تھی۔ اس نے ارادہ کیا تھا کہ جب وہ سو کر اٹھے گی اور نماز پڑھ چکے گی تب تلاوت کے بعد وہ آئی ہوئی ای میل کو پڑھے گی۔ وہ اٹھی اور وضو کر کے رب کے حضور کھڑی ہوگئی۔ نجانے کیوں اسے زوہیب بہت یاد آ رہا تھا۔ وہ یہاں تھا تو اس کے دل میں کوئی اتنی بے چینی نہیں تھی' جس قدر اس کے جانے کے بعد وہ محسوس کر رہی تھی۔ نماز پڑھ لینے کے بعد اس نے صدق دل سے اس کی صحت و سلامتی کیلئے دعا مانگی تھی۔ پھر جب دل کو تھوڑا سکون ہوا تو اٹھ کر تلاوت کرنے لگی۔ وہ ایک مخصوص منزل کر چکی تو قرآن پاک الماری میں رکھا اور کھڑکی کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ گہرے نیلے آسمان پر نارنجی شعاعیں پھیل جانے چاہتی تھیں۔ کس قدر سہانی صبح تھی وہ خود کو بہت پرسکون محسوس کر رہی تھی۔ آسمان کو دیکھنے' درختوں پر پرندوں پر نگاہ ڈالنے اور دور تک گھروں کو تکنے کے بعد' اس نے زوہیب کے لان میں دیکھا' جہاں کوئی نہیں تھا۔ مگر وہ چشم تصور سے دیکھ سکتی تھی کہ زوہیب اگر یہاں ہوتا تو اس وقت کیا کر رہا ہوتا۔ وہ چند لمحے اسی تصور میں کھوئی رہی اور پھر پلٹ کر اپنی اس میز کے پاس آ گئی جہاں اس نے تھوڑے دن قبل ہی کمپیوٹر رکھوایا تھا۔ اس نے کمپیوٹر آن کیا اور پھر آنے والی سبھی ای میل پڑھ ڈالیں۔ ان سب میں تقریباً ایک جیسا ہی تاثر تھا۔

جس سے اسے اندازہ ہو گیا کہ لوگ اس سے رابطہ چاہتے ہیں۔ یہ ان کیلئے خوشگوار حیرت تھی کہ اس نے ای میل ایڈریس دے دیا۔ اب وہ اس سے باتیں کر سکیں گے۔ کہانیوں پر رائے دے سکیں گے اور کوئی الجھن ہوئی تو وہ بھی بتا سکیں گے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کہانی پر تبصرہ کیا تھا۔ جس میں ملی جلی رائے تھی۔ کسی نے اس کے نئے انداز کو بہت پسند کیا تھا اور کسی نے ابھی اسے قبول نہیں کیا تھا۔ اسے خود یہ جان کر بہت اچھا لگا تھا کہ لوگ اسے کس قدر چاہتے ہیں۔ اس نے ایک اچھا سا میل لکھا اور پھر سب کو بھیج دیا۔ اس وقت تک سورج کی کرنیں اس کے کمرے میں آ کر اپنا احساس دلا چکی تھی۔

اسی دن وہ اپنا لیکچر دے کر کلاس سے باہر آئی تو سامنے ہی کاریڈور میں اسے علی اصغر کھڑا دکھائی دیا۔ وہ بڑی دلچسپی سے نوٹس بورڈ پڑھ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ بلاشبہ وہ اسی کیلئے آیا تھا۔ وہ جب اس کے پاس گئی تو اس نے جلدی سے گھوم کر دیکھا اور بڑے ہی اعتماد سے سلام کیا۔ سلام کا جواب دیتے ہوئے فائزہ نے کہا۔

''آپ کب سے آئے ہیں.....؟''

''بس چند منٹ ہوئے۔ آپ کے بارے میں پوچھا تو پتہ چلا کہ کلاس میں ہیں۔ سو میں نے یہیں انتظار کرنا مناسب سمجھا.....''

''آیئے.....! آفس میں بیٹھتے ہیں.....'' فائزہ نے یہ کہتے ہوئے قدم بڑھائے تو وہ جلدی سے بولا۔

''دیکھیں مس فائزہ.....! میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا میں آپ سے فقط طے کرنے آیا تھا کہ آپ مجھے کب وقت دیں گی جب میں آپ سے تفصیلی بات کر سکوں۔''

''جب آپ چاہیں.....'' فائزہ نے بھی اسی تکلف سے کام لیتے ہوئے کہا۔

''تو کل آپ.....'' اس نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑا۔ تاکہ وہ خود ہی جگہ بتا دے۔

''ٹھیک ہے.....'' فائزہ نے بھی اس کی بات کو سمجھتے ہوئے یہ معاملہ اسی پر چھوڑ دیا۔

''کل آپ میرے آفس آ جائیں تو کیا یہ بہتر نہیں ہوگا۔ وہاں آسانی رہے گی۔ وہاں میں آپ کو اپنا بنیادی کام بھی دکھا سکوں گا۔'' علی نے اعتماد سے کہا۔

''ٹھیک ہے' میں کل اسی وقت کلاس لینے کے بعد آپ کے پاس آ جاؤں گی.....'' فائزہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو علی نے واپسی کیلئے قدم بڑھا دیئے۔

''میں کل آپ کا انتظار کروں گا۔ اچھا خدا حافظ۔''

''خدا حافظ.....!'' فائزہ نے کہا تو وہ پلٹ گیا۔ وہ اسے دور تک جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ جب وہ نگاہوں سے اوجھل ہوا تو فائزہ اپنے کمرے کی جانب چل دی۔ اس کے ذہن میں اس دن ایئر پورٹ سے ملاقات کے بعد یہ رہا ہی نہیں تھا کہ علی اس سے دوبارہ ملنے کی خواہش کرے گا۔ چند دن لاشعوری طور پر اس نے انتظار کیا تھا۔ پھر بھول گئی۔ آج وہ اچانک آیا اور وہ بھی انتہائی تکلف سے گفتگو کی تو اسے بہت سارے خیال ایک کے بعد ایک کر کے آتے چلے گئے۔ آخر وہ کیسی گفتگو کرنا چاہتا ہے؟ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا' سو

اس سے زیادہ وہ کچھ نہ سوچ سکی۔

اسی شام وہ مغرب کے بعد نماز پڑھ چکی تھی اور ڈنر کیلئے اوپر والی منزل سے نیچے ڈرائینگ روم میں جانے کیلئے تیار تھی کہ اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے فون کی سکرین دیکھی' زوہیب کا نام جگمگا رہا تھا۔ دو بج جانے کے بعد اس کا یہ پہلا فون تھا ورنہ تو اس نے پہنچ جانے کی بھی اطلاع نہیں دی۔ یہ بھی اسے نادیہ نے بتایا تھا۔ اس نے فون ریسیو کرلیا۔ دھیرے سے سلام کیا تو جواباً اس نے پوچھا۔

''جی فائزہ کیسی ہیں آپ؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں آپ سنائیں.....'' فائزہ نے انتہائی اختصار سے کہا۔

''میں بھی اچھا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کو رکا اور پھر بولا ''وہ آج علی آیا تھا آپ کے پاس؟''

''جی' آیا تھا اور کل کیلئے وقت لیا ہے اس نے ویسے کیا آپ کو معلوم ہے کہ وہ کیا بات کرنا چاہتا ہے؟ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کوئی رفاعی یا تعلیمی کام.....'' اس نے کہنا چاہا تو زوہیب نے جلدی سے کہا۔

''ہاں ایسا ہی ہے..... لیکن بہرحال وہ تفصیل سے بتائے گا۔ اصل میں یہ فون بھی میں نے اسی لئے کیا ہے کہ آپ کو بتا سکوں۔ وہ پراجیکٹ صرف اسی کا نہیں' بلکہ میرا ہے۔ خیال اس نے دیا تھا اور اب اسے وہی عملی صورت دے گا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی دلچسپی اس پراجیکٹ میں فقط اس لئے نہ ہو کہ یہ رفاعی کام ہے' بلکہ آپ میرا ہاتھ بھی بٹائیں گی.....'' زوہیب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے زوہیب صاحب.....! لیکن یہ تو کل تفصیل معلوم کرنے پر ہی پتہ چلے گا نا کہ وہ پراجیکٹ میرے لئے ممکن بھی ہوگا یا نہیں۔'' فائزہ نے حفظِ ماتقدم کے طور پر کہا۔

''اس کی آپ فکر نہ کرو..... میں نے وہ سب علی کو سمجھا دیا ہے۔ وہ آپ کے ساتھ بہت زیادہ تعاون کرے گا.....'' زوہیب نے تیزی سے کہا۔

''چلیں ٹھیک ہے۔ میں کل دیکھوں گی اور آپ ٹھیک ہیں۔'' فائزہ نے گویا اپنی طرف سے بات ختم کر دی۔

''ہاں' میں ٹھیک ہوں..... میں کل اس وقت پھر آپ سے بات کروں گا۔ کوئی بھی حتمی فیصلہ کرنے سے قبل مجھ سے بات ضرور کر لیجئے گا۔ اچھا اب اجازت..... زوہیب نے کہا اور فون بند کر دیا۔ فائزہ نے فون کو ایک نظر سے دیکھا اور پھر میز پر رکھ دیا۔ اسے بالکل بھی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ زوہیب کیا چاہتا ہے۔ وہ چند لمحے اسی غائب دماغی کی سی کیفیت میں رہی۔ پھر اپنا سر جھٹک کر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

اگلے دن وہ علی اینڈ کمپنی کے آفس پہنچ گئی۔ جیسے ہی استقبالیہ پر اس نے اپنا نام بتایا' وہاں پر موجود لڑکی اسے لے کر فوراً علی کے کمرے کی جانب چل دی۔ جیسے پہلے ہی اس کے بارے میں ہدایات دی جا چکی ہیں۔ علی اپنے دفتر میں مصروف تھا۔ جونہی اس کی نگاہ فائزہ پر پڑی اس نے کھلے دل سے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔

''میرے آفس میں آپ کی تشریف آوری بلاشبہ میری خوش قسمتی ہے۔ پلیز تشریف لائیے۔'' علی نے

صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ تو فائزہ دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی ہوئی وہاں جا بیٹھی تو علی بھی اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ استقبالیہ والی لڑکی کب کی جا چکی تھی۔

''میرا خیال ہے آپ بلاتمہید اپنی بات کہیں..... تو زیادہ بہتر ہے۔'' فائزہ نے بھی انتہائی تکلف سے کام لیتے ہوئے کہا۔ تو علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ابھی ہم چائے پیتے ہیں' پھر میں آپ کو پوری تفصیل سے آگاہ کروں گا۔''

''ویسے علی صاحب.....! آپ کچھ زیادہ ہی تجسس نہیں پھیلا رہے۔'' فائزہ نے واقعتاً زچ ہوتے ہوئے کہا۔ جس پر علی نے ذرا بھی برا نہیں منایا بلکہ مزید گہری مسکراہٹ سے کہا۔

''دراصل مجھے یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ میں بات کا آغاز کہاں سے کروں۔ لیکن جو اتنے دن میں نے آپ سے رابطہ نہیں کیا اس کی بھی وجہ ہے۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش ہا۔ پھر کہتا ہی چلا گیا۔

''دراصل.....! میرے ذہن میں کچھ رفاعی کام تھے جو میں کرنا چاہتا تھا۔ لیکن مجھے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آخر میں کیا کروں۔ اپنے وسائل اور گھمبیر مسائل میں ذرا سا بھی توازن نہیں تھا۔ پھر جب زوہیب آیا تو میری بہت ساری مشکل حل ہو گئی۔ ہمارے درمیان بہت ساری باتیں ہوئیں اور ہم ایک جگہ' ایک نکتے پر متفق ہو گئے اور وہ تھا تعلیم.....! مگر کن کو.....؟ ہمیں یہ سمجھ نہیں آ رہی تھی اور پھر جب زوہیب نے جانا تھا' اسی رات اچانک یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا۔''

''کیسے.....؟'' فائزہ نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

''ہم نے طے کر لیا کہ وہ بچے جو کسی نہ کسی طرح تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہ گئے ہیں۔ ان کی نہ صرف کفالت کی جائے بلکہ انہیں تعلیم دی جائے..... میں نے اس سلسلے میں تھوڑا بنیادی کام کیا ہے۔''

''وہ کیا.....'' فائزہ نے پوچھا۔

''آپ ذرا یہ ٹی وی سکرین پر دیکھیں۔'' یہ کہہ کر اس نے ٹی وی آن کر دیا۔ سکرین روشن ہوتے ہی اس پر چائے والا وہی چھوٹا نمودار ہوا۔ جہاں وہ لوگ چائے پینے جاتے تھے۔ کوئی اس سے پوچھ رہا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے۔ وہ بچہ بڑی حسرت سے اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ چند منٹ کے بعد ایک اور بچہ نمودار ہوا یوں کافی دیر تک یونہی سلسلہ چلتا رہا کہ علی نے وہیں پش Push کر دیا اور بولا۔'' یہ ہیں وہ چند بچے جن کے بارے میں ابھی میں نے کہا کہ وہ نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔ باقاعدہ چھان بین کے بعد ان بچوں کے بارے میں کوائف اکٹھے کئے گئے ہیں اور حوصلہ افزاء بات یہ ہے کہ سبھی پڑھنا چاہتے ہیں۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے۔ مگر یہ کوائف اکٹھے کون کر رہا ہے۔'' فائزہ نے پوچھا۔

''میں نے چند نوجوانوں کی ایک ٹیم بنائی ہے۔ وہ سارے طالب علم ہیں۔ میرے اس کام کے بدلے میں انہیں اپنی تعلیم کی ضروریات پورا کرنے میں دشواری نہیں ہوتی۔'' علی نے بہت مشکل سے بڑے مثبت انداز میں اپنا مدعا کہہ دیا۔

''نائس.....! تو آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں۔'' فائزہ نے پوچھا۔

''ابھی مجھے اپنی بات مکمل کر لینے دیں۔ پھر میں آپ سے درخواست کروں گا کہ ہم آپ سے کیا چاہتے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے ٹی وی کی جانب ریموٹ کیا تو وہ ساکت تصویر دوبارہ متحرک ہوگئی۔

اب ایک جگہ دکھائی جارہی تھی۔ تبھی علی بول اٹھا۔ ''محترمہ فائزہ یہ وہ سائیٹ ہے جہاں ہم ایک تعلیمی ادارہ بنانا چاہتے ہیں۔ اس کے ساتھ ایک ہاسٹل کی بجائے' ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ایسا ادارہ بنا دیا جائے جہاں سے یہ بچے ہنرمند ہو کر اس ادارے سے نکلیں۔ مطلب' وہ محض کتابی علم حاصل نہ کریں بلکہ ہنر بھی سیکھیں۔''

''ٹھیک ہے آپ بہت کچھ خرچ کر رہے ہیں۔ لیکن یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں ہے۔ اس میں اتنی انفرادیت بھی نہیں ہے۔ یہ کام تو حکومت پہلے ہی کر رہی ہے۔''

''لیکن ایک کام حکومت نہیں کر رہی.....! وہ بچے جو نظر انداز ہیں۔ اپنے گھر کی کفالت بھی کر رہے ہیں یا پھر انہیں اپنے والدین کے ساتھ روزی کمانے میں ہاتھ بٹانا پڑتا ہے۔ وہ کہاں جائیں۔ میں مانتا ہوں کہ حکومت بہت بڑے بڑے کام کر رہی ہے۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو محض تنقید کرتے رہیں۔ لیکن یہ بات آپ کو ماننا ہوگی کہ ایسا ہے۔''

''میں سمجھی نہیں؟'' فائزہ نے پوری دلچسپی لیتے ہوئے قدرے تفصیل چاہی۔

''کون والدین یہ چاہتے ہیں کہ ان کے بچے تعلیم حاصل نہ کر سکیں۔ مان لیا کہ بہت کم ایسے ہوں گے جن کی یقینی وجہ جہالت ہے۔ لیکن سب سے زیادہ معاشی مسائل ہیں۔ آپ ان کے معاشی مسائل حل کر دیں۔ چاہے وہ ان بچوں کی سطح تک ہی ہوں۔ وہ انہیں بوجھ محسوس نہ کریں تو یقیناً تعلیم سے وہ فائدہ حاصل کیا جا سکتا ہے' جو پہلے نہیں.....''

''میں نے مان لیا اور مزید کچھ کہنا چاہیں گے۔'' فائزہ نے کہا۔

''ہاں.....! میرا ہی نہیں زوہیب کا بھی یہ خیال ہے کہ جہاں تک ہم کر سکیں' ہمیں اپنا کام کرنا چاہئے ان بچوں کو اس طرح تیار کرنا چاہئے کہ وہ مثبت سوچ اور اعلیٰ مقاصد لے کر معاشرہ میں جائیں۔ ان کی تربیت کی بنیاد اس نہج پر ہو کہ ملک و قوم کی صحیح معنوں میں خدمت کر سکیں۔ انہیں ایک ایسا شعور دینا ہے جس سے وہ فقط اپنے لئے ہی نہیں دوسروں کیلئے بھی جینا سکھانا ہے۔''

''بہت اچھی بات ہے.....'' فائزہ نے پورے خلوص سے کہا۔

''اب بات یہ ہے کہ ہم آپ سے کیا چاہتے ہیں۔'' علی نے کہا تو فائزہ پوری طرح متوجہ ہوگئی..... تب علی نے کہا۔ ''ہم کوئی ماہر تعلیم نہیں ہیں..... ہمیں اس بارے میں کچھ نہیں معلوم..... نہ ہی اس طرح کے مقاصد کے حصول کیلئے کوئی نصاب ترتیب دے سکتے ہیں۔ ہم ادارہ بنا سکتے ہیں۔ جس کا کام میں نے چند دنوں میں آپ کی مشاورت سے شروع کروا دینا ہے۔ ہم فنڈز مہیا کر سکتے ہیں۔ لیکن وہاں کیا پڑھایا جائے گا' کیسے ہوگا یہ سب کچھ' یہ ہم آپ سے چاہیں گے..... اور اگر آپ برا محسوس نہ کریں تو آپ جو وقت اس کام میں لگائیں گی..... ہم اس کا معاوضہ تو نہیں' بس اعزازیہ ہی دے پائیں گے.....''

علی نے کہا تو فائزہ چند لمحے سوچتی رہی اور پھر حتمی انداز میں بولی۔

''علی.....! میں آپ کے اس پراجیکٹ میں پورے دل و جان سے شامل ہوتی ہوں اور اس کیلئے میں کوئی معاوضہ یا اعزازیہ وغیرہ نہیں لوں گی۔ میں پوری طرح سمجھ گئی ہوں کہ آپ کیا چاہتے ہیں۔ اس لئے مجھے چند دن کی مہلت دو۔''

''دیکھیں.....! ابھی جو آپ نے ٹی وی اسکرین پر بچے دیکھے ہیں۔ ان کا مسئلہ نہیں ہے۔ ایک مقامی سکول کی مدد سے میں نے انہیں ایڈجسٹ کر دیا ہے اور ان کیلئے خصوصی اساتذہ بھی مقرر کر دیئے ہیں۔ آپ بہت اطمینان سے یہ سارا کام کریں۔ اس کیلئے آپ جو چاہیں گی' ہم حاضر کریں گے.....''

''مطلب.....! آپ کیا وسائل دے سکتے ہیں۔'' فائزہ نے اندازہ لگایا۔

''جو آپ چاہیں' اس سائیٹ کے قریب میں نے بہت اچھا آفس دیکھا ہے۔ جب تک وہ ادارہ بن نہیں جاتا' اس کے سارے کام اسی آفس میں ہوا کریں گے۔ اگر آپ وہاں کیلئے کچھ وقت دیں تو آپ کو اس پورے پراجیکٹ کیلئے.....'' علی کہتے کہتے رک گیا۔

''ٹھیک ہے..... آپ کا نصاب اور وہ ساری کاغذی کاروائی جو بنیادی طور پر چاہئے ہوگی' وہ میں مکمل کر دوں گی اور رہی بات اس پراجیکٹ کی نگرانی کی تو میں سوچ کر بتاؤں گی کہ آیا میں وقت نکال بھی پاؤں گی یا نہیں۔''

''جیسے آپ کی مرضی.....'' یہ کہہ کر اس نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''میں آپ کو اس عمارت کا نقشہ دے دیتا ہوں..... آپ اس میں کسی ممکنہ گنجائش کے بارے میں بتا دیں تو بہت اچھا ہوگا.....'' علی اپنی میز کے پاس گیا اور اس پر رول کیا ہوا ایک بڑا سا کاغذ اٹھا لایا۔

''ٹھیک ہے میں اسے دیکھ لوں گی.....'' فائزہ نے کہا تو علی انتہائی خوشگوار انداز میں بولا۔

''محترمہ فائزہ.....! ایک بات کہوں..... یہ آپ ٹھیک ہے بہت کہتی ہیں..... کہیں یہ آپ کا تکیہ کلام تو نہیں ہے؟ اس کے یوں کہنے پر فائزہ ایک لمحے کیلئے چونکی اور پھر ہنس دی۔ بلاشبہ اس نے یہ لفظ بہت دفعہ کہا تھا۔ وہ بھی دھیرے سے مسکرا دی اور پھر بولی۔

''نہیں ایسا نہیں، ویسے اس سے یہ تو ہوا کہ آپ کے اور میرے درمیان سب ٹھیک ہے تو ہو گیا۔''

اس پر علی کھلکھلا کر ہنس دیا۔ پھر اٹھتے ہوئے بولا۔

''آئیں پلیز.....! دوسرے کمرے میں آپ کیلئے چائے لگا دی گئی ہے۔ وہاں میرے سٹاف ممبر بھی ہیں۔ جو بلاشبہ آپ کے ساتھ چائے پی کر اچھا محسوس کریں گے۔''

فائزہ قدرے حیرت زدہ سی اس کے ساتھ چل دی۔

مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔ فائزہ اپنے کمرے میں کرسی پر بیٹھی ہوئی کمپیوٹر پر کام میں مصروف تھی۔ اذان ہوتے ہی وہ اٹھ گئی۔ اس نے وضو کیا اور رب کے حضور جھک گئی۔ اس وقت دعا مانگ رہی تھی جب اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے دھیان نہیں دیا۔ اپنی دعا مکمل کی اور جائے نماز تہہ کر کے اٹھی۔ تب اس نے مسلسل بجتے ہوئے فون کو ریسیو کر لیا۔ بلاشبہ وہ فون زوہیب کا تھا۔

''بہت شکریہ.....! آپ نے میرا مان رکھ لیا۔''

''زوہیب صاحب.....! شاید میں بھی لاشعوری طور پر ایسا ہی چاہ رہی تھی لیکن وسائل نہ ہونے کی وجہ سے میں ایسا سوچ نہ سکی۔''

''وسائل کی آپ پرواہ مت کیجئے۔ وہ بہت ہیں اور میری خواہش ہے کہ اس پراجیکٹ کی نگرانی کیلئے خدارا وقت لگائیے گا۔ ورنہ کوئی دوسرا اتنے خلوص سے نگرانی نہیں کرے پائے گا۔''

''میں سوچوں گی..... کیونکہ اولیت میرے کام کی ہے۔ میں کام میں بد دیانتی کی قائل نہیں ہوں.....'' فائزہ نے دوٹوک انداز میں کہا تو زوہیب بولا۔

''ٹھیک ہے جیسا آپ پسند کریں۔ میں بہرحال آپ سے رابطہ رکھوں گا۔''

''جی ضرور.....!'' فائزہ نے پورے خلوص سے کہا۔

پھر الوداعی باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا..... فائزہ نے فون دھیرے سے میز پر رکھا اور چند لمحے یونہی کھڑی سوچتی رہی..... کیا اس نے زوہیب کو یوں کہہ کر اچھا کیا ہے یا نہیں؟ کتنے لمحے یونہی گزر گئے۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ تبھی اس نے ساری سوچوں کو ذہن سے نکالا اور پھر کسی وقت اس بات کو سوچنے کیلئے چھوڑ دیا۔ اس نے ایک نگاہ میز پر پڑے نقشے پر ڈالی جسے اس نے ابھی تک نہیں دیکھا تھا۔ پھر اسے بھی نظر انداز کرتی ہوئی کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

☆☆☆

اس دن وہ پارک کے ایک گوشے میں تنہا بیٹھی ہوئی تھی۔ اسے کچھ سوچنا تھا اور سوچنا اس لئے تھا کہ کوئی حتمی فیصلہ کر سکے۔ پچھلے دو دنوں سے اسے ایک ہی سوال ستا رہا تھا۔ وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر جب بھی سوچتی ' اسے قدرے بے چینی محسوس ہوتی ' یوں جیسے گھن محسوس ہو رہی ہو یا شاید وہ ایسا اس لئے محسوس کر رہی تھی کہ اس کے اردگرد پھیلے ہوئے کام اسے اپنی طرف متوجہ کر لیتے تھے اور مکمل یکسوئی کے ساتھ سوچ نہیں پا رہی تھی۔ اس سہ پہر وہ عصر پڑھ کر گھر سے نکل پڑی اور قریبی پارک کے ایک پرسکون گوشے میں ایستادہ سنگی بنچ پر آن بیٹھی۔ اسے یہاں بیٹھ کر بہت اچھا لگا تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور اپنے اردگرد دیکھا۔ پھولوں' پودوں' جھاڑیوں اور درختوں کی ہریالی نے اسے طمانیت بخشی تھی۔ اپنے آپ میں مگن لوگوں نے اسے حوصلہ دیا تو اسے بے چینی نہیں ہوئی۔

وہ سوچنا چاہتی تھی کہ بلاشبہ زوہیب نے جو علی اصغر کے ذریعے پراجیکٹ کا اہتمام کیا تھا' وہ لائق تحسین ہے۔ اس سے کم از کم یہ تو ثابت ہو گیا تھا کہ وہ اپنی ذات سے نکل کر دوسروں کیلئے سوچنے کی صلاحیت اور حوصلہ رکھتا ہے۔ لیکن.....! وہ جو اس سے ذمہ داری چاہ رہا ہے' کیا وہ اس پر پورا اتر سکے گی؟ یہی وہ سوال تھا جو اسے پچھلے دو دنوں سے ستا رہا تھا' اسے اس سوال کا جواب خود اپنے آپ سے چاہئے تھا۔ اسے ایسے ہی حالات کا سامنا تھا جب فیصلے کرنا بہت زیادہ مشکل لگتا ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے یہی ایک سوال نہیں تھا' اس کے پیچھے اور بہت سارے سوال ایک قطار میں کھڑے تھے۔ جس کی جوابدہی میں بہت کچھ کھل جانے والا تھا۔

بعض اوقات انسان اپنے اندر سے اٹھنے والی سچی آوازوں کا بھی سامنا نہیں کر پاتا۔ وہ ان اٹھنے والی سچی آوازوں سے کترانا چاہتی تھی۔ کہیں اپنے آپ پر خود اپنے ہی راز نہ کھل جائیں اور وہ ضمیر کی عدالت میں شرمندگی کے ساتھ کھڑی ہو.....مگر وہ سوال ایک زندہ حقیقت کی مانند اس کے سامنے کھڑا تھا۔ جس کی جواب دہی لازم تھی۔

تو کیا وہ اس پراجیکٹ پر کام کر سکے گی؟ اس سوال کا جواب اسے دینا تھا اور پوری دلیل کے ساتھ دینا تھا اسے کسی کو نہیں خود کو مطمئن کرنا تھا۔ اس کے واضح جواب دو ہی ہو سکتے تھے ہاں یا نہیں.....؟ اس نے پورے انصاف سے سوچا۔ چند لمحے اس نے خود کو خلاؤں میں چلے جانے کی سی کیفیت میں پایا اور پھر اس کے اندر سے نہیں میں آواز آئی۔ وہ گھبرا گئی.....اس کا دل تو یہی چاہ رہا تھا کہ وہ بھرپور انداز میں زوہیب کا ساتھ دے لیکن یہ کیا.....؟ اندر سے اس کے من نے ''نہیں'' میں کیوں جواب دیا۔ اس نے بڑے پیار اور تحمل سے اپنے من کو ٹٹولا۔

ہر انسان کا ایک منصب ہوتا ہے۔ کس انسان کا منصب کیا ہے' یہ جاننے کیلئے اسے خود آپ سوچنا ہوگا۔ اپنی ذات میں جھانکنا ہوگا اور خود کو اپنے ضمیر کی عدالت میں پیش کرنا ہوگا۔ تبھی انسان کو اپنا منصب معلوم ہوتا ہے۔ انسان دو طرح سے تربیت پاتا ہے' ممکن ہے اس کیلئے اور ذرائع بھی موجود ہوں.....لیکن پہلی نگاہ میں یہ دو ذرائع ہوتے ہیں کہ یا تو کوئی انسان اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ اسے بتاتا ہے کہ ماضی میں اس کے کیا تجربات ہیں اور کیا مشاہدات ہیں اس کے پاس' جن کی روشنی میں وہ تربیت دیتا ہے اور دوسرا ذرائع انسان کا اپنا آپ ہوتا ہے جو کبھی وقت' کبھی حالات اور کبھی ماحول کے تابع ہوتا ہے۔ جو بہرحال بیرونی عناصر میں شمار ہوتے ہیں۔ انسان انہی بیرونی عناصر کے تابع تربیت پاتے ہوئے پروان چڑھتا ہے اور اس کی ذات میدان جنگ بنی رہتی ہے۔ اس کا من اور ضمیر کا ٹکراؤ ہمیشہ ان بیرونی عناصر سے رہتا ہے۔ فائزہ کا شمار میں آخر الذکر لوگوں میں ہوتا تھا۔ اس نے اپنی ذات میں بہت سارے ٹکراؤ دیکھے تھے۔ اس کی ذات میدان جنگ بنی تھی تبھی ایک شور اس کے اندر اٹھتا جسے وہ صفحہ قرطاس پر بیان کر دیا کرتی تھی۔ اس کے پاس جو اک ہنر تھا۔ یہ بیرونی عناصر اور اندر کی جنگ کا مرہون منت تھا۔ تربیت چاہے جیسی بھی ملی ہو۔ بہرحال انسان کی زندگی میں ایک مقام ایسا ضرور آ جاتا ہے جب وہ شعوری یا لاشعوری طور پر ایک منصب پا لیتا ہے۔ یہ بحث بہرحال ایک اور طرح کی ہوگی کہ یہ منصب انسانی فلاح کیلئے ہوتا ہے یا نہیں۔ وہ لوگوں کیلئے یا معاشرہ کیلئے مثبت قرار پاتا ہے یا نہیں۔ کیونکہ ہر معاشرے میں' ہر منصب کا الگ الگ معیار مقرر ہے۔

فائزہ نے فون پر بات کرتے ہوئے جب زوہیب سے یہ کہا تھا کہ میں سوچوں گی' کیونکہ اولیت میرے کام کی ہے۔ میں کام میں بد دیانتی کی قائل نہیں تو یہ اس نے لاشعوری طور پر کہا تھا۔ اس نے کوئی پہلے سے نہیں سوچ رکھا تھا کہ جب زوہیب مجھ سے یہ کہے گا تو میں اسے ایسا جواب دوں گی۔ حقیقت میں ایسا ہی تھا کہ وہ اپنے کام کو اولیت دیتی تھی۔ اگر وہ کلاس میں ہوتی تو پوری دیانتداری سے پڑھا رہی ہوتی تھی اور جب وہ مہوش فاطمہ بن جاتی تب پوری دیانتداری سے اپنی سوچوں کو کاغذ پر منتقل کرتی تھی۔ یہی وہ لمحہ تھا جس سے وہ

ڈرتی تھی۔ یہاں یہ سوال اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا کہ آخر اس کا اصل کیا ہے؟ وہ فائزہ حسن ہے یا پھر مہوش فاطمہ.....! ان دونوں میں اولیت ہی سے اس کا منصب واضح ہونا تھا۔ منصب کی وضاحت ہی سے وہ اپنے آپ سے لڑ سکتی تھی کہ وہ زوہیب کا ساتھ دے یا نہ دے۔ کیونکہ اس نے جو بھی فیصلہ کرنا تھا پھر اس پر دیانتداری سے قائم رہتا تھا۔

اب اس کے سامنے سوال یہ تھا کہ وہ فائزہ حسن کو اولیت دیتی ہے یا مہوش فاطمہ؟ وہ بہت دیر تک اس پر غور کرتی رہی۔ اسے مہوش فاطمہ اپنا عکس ہی دکھائی دی۔ لیکن اس کے پاس یہ ثابت کرنے کیلئے کوئی دلیل نہیں تھی۔ کیونکہ انہی لمحوں میں اسے یوں لگا تھا جیسے مہوش فاطمہ اس کے ساتھ اس سنگی بنچ پر آ بیٹھی ہے اور اس سے پوری طرح بحث کرنے کیلئے آمادہ دکھائی دے رہی ہے۔ وہ خاموش ہو گئی۔ اس نے سوچنا بند کر دیا اور اس کی طرف دیکھنے لگی کہ وہ کیا کہتی ہے۔ کتنے ہی لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے۔ تبھی مہوش فاطمہ لب کشا ہوئی

''فائزہ.....! تم خود کو کیسے اولیت دے رہی ہو' اس لئے کہ یہ فیصلہ تمہارے ہاتھ ہے' تم جو چاہو سو فیصلہ کر لو.....اگر دیانتداری کا تمہیں اتنا ہی دعویٰ ہے تو پہلے میری باتیں سن لو..... پھر خود ہی فیصلہ کر لینا.....''

''بولو.....! کیا ہے تمہارے پاس دلیل.....تم جتنی بھی دلیلیں دو گی..... وہ صرف اسی بات سے رد ہو جائیں گی کہ تم میری ذات کا حصہ ہو؟''

''مگر کیسے.....!'' مہوش نے مسکراتے ہوئے تحمل سے کہا۔ ''تمہاری ذات کیا ہے' محض ایک وجود..... لیکن تمہیں یہ ماننا ہوگا کہ میں تمہاری روح ہوں۔ اگر میں تم سے نکل جاؤں اور تمہارے ہاتھ سے قلم چھوٹ جائے تو پھر تمہاری حیثیت کیا ہے۔ یہ معاملہ تو ایسا ہی ہے۔ جب تک روح' وجود میں رہتی ہے اس وقت تک وجود بھی سلامت رہتا ہے اور جیسے ہی روح ساتھ چھوڑ جاتی ہے تو پھر اس وجود کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔''

''میں چاہوں تو تمہیں یکسر ختم کر کے کوئی اور نام تراش لوں.....'' فائزہ نے ہٹ دھرمی سے کہا۔

''وہ بھی تو میرا ہی عکس ہوگا..... اس نئے نام کو میرے جیسی اہمیت دلانے میں تمہارا وجود ہلکان ہو جائے گا.....کبھی یہ سوچا ہے تم نے؟'' مہوش فاطمہ میرے سے مسکرا دی۔

''لیکن انسان کا منصب اس کے وجود کے ساتھ ہوتا ہے۔ وہ ہے تو اس کا منصب ہے۔'' فائزہ نے ایک نئے رخ سے اپنی دلیل دی۔

''بھول رہی ہو تم.....! منصب ہمیشہ انسان کے عمل سے ہوتا ہے۔ انسان اگر وہ عمل چھوڑ دے تو منصب نہیں رہتا۔ وہ اس منصب سے گر جاتا ہے۔ لیکن یہ الگ بات ہے کہ وہ دوسرے منصب پر فائز ہو جائے'' مہوش فاطمہ نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

''لیکن میں نے تجھے تراشا ہے' تجھے پہچان میں نے دی ہے۔ میں نہ ہوتی تو تم کہاں سے آتی۔'' فائزہ نے سنجیدگی سے کہا تو مہوش فاطمہ بولی.....

''میں نہیں کہتی کہ یہ تم سے غلطی ہوئی ہے یا تمہارا درست عمل ہے' اس کا فیصلہ تو تمہاری نیت پر ہوگا نا.....! لیکن تم یہ مانو گی کہ تمہارے اندر اگر تھوڑا سا فخر ہے' تم اپنی اہمیت کا احساس کرتی ہو یا پھر کسی عظمت کے

اعتراف کا احساس تمہارے اندر پایا جاتا ہے تو وہ کس سے ہے.....؟ تم محدودیت سے نکل کر لامحدود فضاؤں میں کیسے آئی ہو..... کس نے تمہیں یہ فخر دیا..... میں نے دیا۔ اس کا اعتراف تو تمہیں کرنا چاہئے.....''

''وہ تو میں کرتی ہوں.....! لیکن جب تک میرے وجود کی انگلیاں قلم نہیں تھامیں گی..... مہوش فاطمہ کو تو یہ اختیار نہیں ہے کہ لفظ لفظ بن کر ایک کہانی تخلیق کرے.....''

''نادان ہو تم فائزہ.....! تم خود انصاف سے سوچو..... تمہیں قلم اٹھانے کی قوت کون دیتا ہے۔ میں اپنا احساس دلاتی ہوں..... تبھی تم قلم تھام لیتی ہو..... تم سر جھکائے لکھنے پر مجبور ہو جاتی ہو' تم وقت کا بھی احساس نہیں کرتی ہو..... میرے ہونے سے ہی تمہارے اندر تخلیق کے سوتے پھوٹتے ہیں..... تم مجھے آج قتل کر دو..... میں دیکھوں گی تم میں جولانیاں کہاں سے آتی ہیں۔ نت نئے خیالات کے تحفے تمہیں صرف میری وجہ سے ملتے ہیں..... فائزہ حسن..... ذرا سوچو.....''

''دیکھو.....! میں تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی..... لیکن میں تمہیں اتنا بتا دوں کہ میرے وجود کے ساتھ تم بھی ختم ہو جاؤ گی..... پھر تمہاری کیا اہمیت؟''

''میں پھر کہوں گی کہ تم نادان میری دوست ہو، مہوش فاطمہ لوگوں کے دلوں پر راج کرتی ہے..... لوگ اس کے خیالات کو اپناتے ہیں..... لیکن تم نہیں رہو گی نا تو کوئی بات نہیں..... مہوش فاطمہ رہے گی..... لوگوں کے ذہنوں میں' لوگوں کے دلوں میں۔ کیا کوئی ایسا طریقہ ہے کہ تمہارے وجود کے ختم ہوتے ہی تم ذہنوں سے اور دلوں سے یکسر محو ہو جاؤ گی۔ جیسے کسی قمقمے کے بجھ جانے سے روشنی ختم ہو جائے.....؟'' مہوش نے کہا تو فائزہ نے تیزی سے کہا۔

''لیکن فائزہ حسن کا اپنا وجود ہے۔ اس کا اپنا منصب ہے..... جو لوگوں کے سامنے ہے.....''

''میں کب انکار کرتی ہوں..... یہاں معاملہ یہ نہیں ہے کہ منصب ہے یا نہیں..... یہاں تو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ کس منصب کو اولیت دی جائے..... بالکل اس طرح..... جیسے ایک عورت ماں بھی ہے' بیٹی ہے' بہن ہے اور بیوی ہے..... یہ اس کے سارے منصب ہیں..... لیکن اس کی اصل کیا ہے۔ اولیت کس منصب کو ہے..... فیصلہ تو یہ کرنا ہے۔''

''چلو تم بتاؤ.....! تم کیا چاہتی ہو.....؟''

''میرے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا..... میں نے تو اپنا آپ تمہیں جتایا ہے۔ تمہیں احساس دلایا کہ میرا منصب کیا ہے۔ اب فیصلہ تم کرو کہ ترازو تم لے کر بیٹھی ہو' میں نہیں۔'' مہوش نے کہا اور وہاں سے تحلیل ہو گئی.....

فائزہ ایک دم سے چونک گئی..... فیصلہ تو ہو چکا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ سیپ ہے اور اس میں موجود موتی مہوش فاطمہ ہے۔ فائزہ چند لمحے مسکراتی رہی ور پھر چونک گئی..... آخر اس بحث کی اتنی ضرورت کیوں محسوس ہوئی ہے اسے..... اس نے سیدھے سبھاؤ کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر لیا؟ یہ اک نیا سوال تھا جو اس کے سامنے تھا۔ یعنی ایک دریا پار کیا تو نیا سامنے تھا۔

آج پہلی بار دونوں آمنے سامنے آئی تھیں اور اس کی وجہ زوہیب تھا۔ فائزہ نے غور سے سوچا تو چونک گئی..... آخر زوہیب اس کے قریب کیوں ہوا تھا؟ اس کو ماننا پڑا کہ یہاں بھی مہوش فاطمہ ہی جیت گئی ہے۔ وہی تھی جس کے باعث زوہیب اور اس کے درمیان ایک تعلق بنا تھا۔ وہ تو فائزہ کو جانتا بھی نہیں تھا اور پتہ نہیں اس جیسی کتنی لڑکیاں اس کی زندگی میں آئی ہوں گی۔ زوہیب نے اگر اسے اہمیت دی تھی تو صرف مہوش کی وجہ سے۔ اس کے درمیان وہی زیر بحث رہی تھی..... اور..... وہ بھی اسی کے حوالے سے' اسی کا پرتو بن کر زوہیب سے ملتی تھی.....؟ اسے ماننا پڑا کہ فوقیت یہاں اسے نہیں مہوش کو رہی تھی۔ یہی سوچتے سوچتے اچانک اسے خیال آیا۔ بھابی نے جو زوہیب کے بارے میں اس سے کہا تھا' ان دونوں کی ملاقاتوں سے جو غلط فہمی دونوں گھر والوں کو ہوگئی تھی..... تو کیا ایسا زوہیب کے دل میں بھی تھا۔ اس نے کیوں سمجھ لیا کہ وہ فائزہ کو اہمیت دیتا ہے' ممکن ہے وہ مہوش کی وجہ سے مہوش فاطمہ کے پرتو کی وجہ سے اسے اپنے بہت قریب خیال کرتا ہو۔ جس کا وہ اظہار بھی کر رہا تھا کہ اسے یوں لگتا ہے کہ جیسے آپ مہوش کا عکس ہیں.....؟ اس خیال نے اس کی بہت ساری الجھنیں دور کر دیں..... زوہیب اگر اب اسے اہمیت دے رہا تھا وہ فائزہ کی حیثیت سے نہیں..... بلکہ مہوش فاطمہ کی نسبت سے اہمیت دے رہا تھا۔ یقیناً اس کا یہ خیال کہ فائزہ چونکہ اس کی قاری ہے اس لئے اس کے خیالات بھی ویسے ہی ہوں گے جیسے زوہیب کے ہیں۔ یہ ہم خیالی اسے قربت لگ رہی تھی.....

بلاشبہ مہوش فاطمہ جیت گئی تھی۔ سو فائزہ حسن نے ایک طویل سرد سانس لیا اور اپنے ہار جانے پر مسکرا دی۔ اسے اپنی ہار بہت اچھی لگی تھی کہ اس ہار میں ایک اعزاز پوشیدہ تھا جس کی اہمیت اور فخر کے بارے میں صرف وہی جانتی تھی۔ وہ مطمئن ہوگئی۔ اب وہ پوری یکسوئی کے ساتھ اس فیصلے کے بارے میں سوچ سکتی تھی جو اس کی ذات نے ''نہیں'' کی صورت میں دے دیا تھا۔

اس نے سوچا..... اصل میں اس کا منصب وہی ہے جو مہوش فاطمہ کا ہے۔ اگر اس نے زوہیب کی دی ہوئی ذمہ داری قبول کر لی تو پھر مہوش فاطمہ کو بہت کم وقت ملے گا۔ اس کا من جب خیالات سے بھر جایا کرے گا' وہ جولانیاں جو کچھ کہنے کیلئے اسے مدہوش کر دیا کرتی تھیں اور وہ قوت فکر جو اس میں جوش بھر دیا کرتی تھی.....! ان کا کیا ہوگا؟ اگر ایسا نہ ہوا وہ اپنے خیالات کی ترسیل نہ کر پائی۔ ان جولانیوں سے مدہوشی میں سے ہوش کو نہ پایا' قوت فکر کے اظہار کے بعد اگر وہ نارمل نہ ہوئی تو وہ اپنے آپ میں انتشار کا شکار ہو جائے گی۔ تب تو پھر فائزہ حسن بھی نہیں رہے گی.....؟ سچ کہا تھا مہوش فاطمہ نے وہ اس کے وجود کیلئے روح کی مانند ہے۔ وہ نہ رہی تو فائزہ حسن بھی ختم ہو جائے گی۔

آخر..... اس کا زوہیب سے تعلق ہی کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ مہوش فاطمہ کا ایک قاری ہے جو بہت دل سے اس کی کہانیاں پڑھتا ہے۔ وہ تو اس کے زیر اثر ہے۔ لیکن وہ..... فائزہ حسن تو مہوش کے عکس کی حیثیت سے زوہیب کے سامنے ہے۔ زوہیب کا تمام تر قلبی تعلق مہوش سے اور اسی سے رہنا چاہئے..... وہ مرتبہ' وہ مقام جو اس کی نگاہ میں مہوش کا ہے' اس کا قطعاً ہو ہی نہیں سکتا..... کیا واقعی ہی ایسا ہے.....؟ اچانک اس خیال نے اسے چونکا کر رکھ دیا..... ایئر پورٹ کی عمارت کے اندر جو باتیں ہوئیں۔ ان باتوں سے تو اسے کچھ اور ہی لگا

تھا' جیسے رومانیت کے ریشمی کپڑے میں لپٹی ہوئی باتیں' اس کے من کو گدگدا گئی تھیں..... وہ تو مہوش کیلئے نہیں تھا وہاں تو فائزہ اپنے پورے وجود کے ساتھ تھی۔ کیا یہ صرف اس کا اپنا احساس تھا یا اس میں کوئی حقیقت بھی تھی.....؟ یہ ایک نئے خیالوں کی طرز کو چھیڑتا ہوا سوال اس کی نگاہوں کے سامنے آ کر ٹھہر گیا۔ جس سے وہ نگاہیں بھی نہیں چرا سکتی تھی۔ کیا وہ مہوش کو کسی اور نگاہ سے اور فائزہ کو کسی اور حوالے سے دیکھتا ہے کیا ہے یہ سب کچھ.....؟ وہ اچانک انتشار کا شکار ہو گئی۔ اس نے اپنے اندر دھماکے محسوس کئے۔ اسے یاد آنے لگا کہ اچانک اسے محبت کے بارے میں جاننے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی..... اس نے یہ سوال اس سے کیوں کیا تھا کہ مہوش فاطمہ نے محبت کے بارے میں کیوں نہیں لکھا..... حالانکہ مہوش فاطمہ تو محبت کی لکھاری تھی۔ اس نے تو نجانے کتنے رنگ' کتنے پہلو اور کتنے انداز محبت کے لوگوں کے سامنے پیش کئے تھے..... اور خود..... محبت کے نایاب جذبوں سے تشنہ' کسی کے انتظار میں وقت کی چوکھٹ پر بیٹھی تھی۔ یہاں اک فیصلہ اور آن پڑا تھا کیا وہ مہوش فاطمہ کو بھول جائے۔ اس کا گلا دبا دے اور اسے ہمیشہ کیلئے ختم کر دے۔ جسے اس نے خود تخلیق کیا تھا؟ اور اپنے لئے فائزہ حسن کیلئے وہ ساری خوشیاں خرید لے جس کی ایک عام لڑکی متمنی تھی..... کیا نہیں تھا زوہیب کے پاس' ایک شاندار شخصیت' خاندانی پس منظر..... کاروباری..... اور سب سے اہم بات محبت کو ترستا ہوا شخص' جسے محبت مل جائے تو شاید وہ ساری دنیا کو بھول جائے۔ یقیناً پھر فائزہ کو اپنے من کی مراد مل جاتی اور وہ مہوش فاطمہ جسے ایک زمانہ جانتا تھا ہواؤں میں تحلیل ہو جاتی..... اس کا وجود کاغذوں پر رہ جاتا جسے چند سالوں بعد دیمک کھا جاتی..... کیا وہ ایسا کر سکتی ہے.....؟ اس نے سوچا تو اندر سے ایک دھماکہ ہوا جس سے اس کے خود غرض ہونے کا پول کھل گیا۔ اس کی ذات پر جو ایک مہربان اور شفیق لڑکی کا خول تھا اس دھماکے میں اڑ گیا۔ وہ ایک ایسے وجود کے ساتھ اپنے سامنے ظاہر ہوئی جسے دیکھ کر خود اس نے اپنی آنکھیں زور سے بند کر لیں۔ ''نہیں''۔ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا..... وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتی..... اسے مہوش فاطمہ کو زندہ رکھنا ہے۔''

فائزہ نے زیر لب کہا تو سامنے کھڑی فائزہ جو اپنے اصل روپ میں تھی ایک دم سے چیخ اٹھی۔

''کیوں..... آخر کیوں تم ایسا نہیں کر سکتی..... تم حقیقت کی دنیا میں نہیں رہتی ہو۔''

''ہاں.....! میں اسی دنیا میں رہتی ہوں جو ایک تلخ حقیقت کی مانند ہے۔ میں اپنی زندگی کو قطعاً متاثر نہیں ہونے دوں گی..... زوہیب کی صورت میں آنے والا جھکڑ کیا میری محنتوں سے بنائی ہوئی ذات کی عمارت کو پل بھر میں ڈھا دے گا..... نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا..... اس کے جذبات میں اتنی سکت نہیں ہے۔''

''کیا ہو تم..... اور کیا ہے تیری حیثیت.....؟ اور پھر کس ذات کی بات کر رہی ہو..... وہی ذات جسے تم لوگوں کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی ہو..... تم آج نام لے کر دیکھو مہوش فاطمہ کا' کوئی بھی یقین نہیں کرے گا..... اور پھر تم ایسا سب کچھ کیوں کر رہی ہو.....؟''

''سوال یہ نہیں ہے میری جان کہ میں ایسا کیوں کر رہی ہوں.....؟ اصل بات یہ ہے کہ کوئی کون ہوتا ہے مجھ سے ایسا سوال کرنے والا..... میری زندگی ہے اور میں اسے اپنے مطابق جی رہی ہوں.....''

''تم شدید غلط فہمی کا شکار ہو یا پھر شدید قسم کی احساس محرومی نے تمہیں گھیرا ہوا ہے۔ تم اس دائرے کو

توڑ کر نکلو، ایک عام لڑکی کی مانند زندگی گزارنے کی کوشش کرو، تمہیں سارے رنگ خوبصورت دکھائی دیں گے۔''

''میں خود کو فریب میں نہیں رکھنا چاہتی..... میں کیوں کوشش کر کے فقط زندگی کے خوبصورت رنگوں کو دیکھوں..... میں زندگی کو اس طرح کیوں نہ دیکھوں جس طرح وہ دکھائی دے رہی ہے میں کیوں آنکھیں بند کر دوں..... کیا میری آنکھیں بند ہو جانے سے' فقط خوبصورت رنگوں کو دیکھنے سے وہ بدصورت رنگ ختم ہو جائیں گے..... میں خود غرض نہیں ہوں.....''

''تم ایسا کیوں نہیں کرنا چاہتی ہو..... کیا تم کیسی ایسے مقام کی توقع رکھتی ہو جہاں تمہیں بہت مہان شخصیت تصور کر کے تمہارے مرنے کے بعد عظیم مرتبہ دے دیا جائے۔ تیری برسی پر ملک بھر میں چھٹی ہو جائے..... آخر کیا چاہتی ہو تم..... تمہیں ڈھنگ سے جینا آتا نہیں..... اور.....''

''بس..... مجھے ڈھنگ سے جینا آتا ہے یا نہیں آتا میں جس راہ پر چل نکلی ہوں۔ مجھے اسی راستے پر چلنا ہے۔''

''چاہے وہ راستہ تمہیں کسی کھائی میں گرا دے۔''

''ایسا ممکن نہیں..... لفظ کسی کو دھوکا نہیں دیتے' بلکہ ان لفظوں کے پیچھے جو نیت ہوتی ہے نا وہ دھوکا دے جاتی ہے۔ لیکن اگر نیت اچھی ہو تو وہی لفظ زندگی بن جاتے ہیں.....''

''لیکن اس کا کیا کرو گی.....؟ جو تم اپنے وجود کے ساتھ دھوکہ کر رہی ہو..... جو انسان اپنے آپ سے دھوکہ کرے وہ کسی کیلئے کیا اچھی نیت رکھ سکتا ہے۔ تیرا وجود جب پکارتا ہے..... رات کی سیاہی میں جب رنگین جذبات تجھے آ گھیرتے ہیں تو پھر کیا کرتی ہو..... انہی سے نگاہ چراتی ہو نا..... جب جذبات مچل کر تیرے بدن میں اینٹھن پیدا کر دیتے ہیں۔ تو پھر اپنی سرد آہوں کا گلا کیوں گھونٹ دیتی ہو..... جب میٹھے احساس تیرے من کو جھنجھوڑ کر بے بس کر دیتے ہیں تو پھر.....''

''یہ حقیقت ہے' میرا وجود مجھ سے بہت کچھ چاہتا ہے' لیکن میں وجود کی پکار کو لبیک کہنے والی نہیں ہوں..... میرے سامنے ایک اعلیٰ مقصد ہے اور جتنا بڑا مقصد ہوتا ہے' اتنی بڑی قربانی دینی پڑتی ہے۔ میرے سارے رنگین جذبات' میرے بدن کی اینٹھن۔ میرے میٹھے احساس' میری ساری سرد آہیں..... یہ ساری طلب میری قوت ہے..... یہی قوت میرے لفظوں کی جان ہے..... میں انہیں قربان کرتی ہوں..... تو لفظ لفظ کہانی بنتی ہے بالکل اسی طرح کہ خون صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا۔''

''مگر میں پھر کہوں گی تم خود کو دھوکہ دے رہی ہو..... مجھ سے زیادہ تمہیں کون جانتا ہے۔''

''کیا.....! کیسے میں خود کو دھوکے دے رہی ہوں.....؟''

''ایک ہیولہ.....! جس کا پتہ نہیں وہ کہاں ہے..... کون ہے' جس تک تمہاری کوئی رسائی ہی نہیں..... اس کی خاطر تم نے اپنا جیون بتا دیا..... بولو..... اگر وہ نہ آیا ہوتا تمہاری زندگی میں تو یہ مہوش فاطمہ ہوتی جس سے تم ابھی لڑ رہی تھی..... کیا تمہیں مجھ سے لڑنا پڑتا کیا دنیا سے لڑنا پڑتا.....''

''میں تمہاری بات سے شکستہ نہیں بلکہ اور زیادہ مضبوط ہو گئی ہوں..... میں حوصلہ مند ہو گئی ہوں۔ پتہ

ہے میں کیا سوچ رہی ہوں..... وہ جو سبھی مجھ سے لڑنا چاہ رہے ہیں۔ کیا اس لئے کہ میں اپنی ذات میں لشکر ہو گئی ہوں..... ہاں.....! میں منفرد ہوں..... میری محبت منفرد ہے.....'' اور میری قربانیاں رائیگاں نہیں جا رہی ہیں..... یہ تو ایک زوہیب مجھے ملا ہے' نجانے ایسے کتنے ہوں گے۔ جو میرے ایک ایک لفظ کے انتظار میں ہوتے ہیں۔ میری محبت کتنی لامحدود اور منفرد ہے۔ جس میں جسم نہیں' لفظ ہیں..... ایک ایسا ناطہ جو احساس سے بندھا ہوا ہے۔ جس میں کہیں بھی نقلی جذبات کا تعلق نہیں..... بلکہ روحانی جذبات کی اٹھان کا باعث بنتے ہیں..... جاؤ یہاں سے چلی جاؤ..... میں کسی خودغرض فائزہ حسن کو نہیں جانتی۔ ہاں.....! تمہارا شکریہ کہ آج تم نے مجھے میری حیثیت کا احساس دلا دیا.....''

''لیکن میں.....''

''جاؤ.....!'' وہ چیخ اٹھی..... جس کی گونج میں وہ فنا ہو گئی اور اسے ہوش آ گیا۔ ہر سو پرندے چہچہا رہے تھے جس میں بچوں کی قلقاریاں اور بڑوں کی میٹھی باتیں گھلی ہوئی تھیں۔ اپنے اپنے اردگرد دیکھا۔ اسے زندگی بہت ہی حسین دکھائی دی۔ جہاں کسی بھی احساس محرومی کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ایک مسکراہٹ نے اس کے چہرے پر موجود تشنج کو محو کر دیا۔ اس نے اس دنیا کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے وہ ایک بہت ہی اعلیٰ مقام پر کھڑی ہے۔ تبھی اسے کچھ فاصلے پر مہوش فاطمہ دکھائی دی۔ جو دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے پاس آ کر سنگی بنچ پر بیٹھ گئی۔ اس نے کھلے چہرے اور دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ روشن آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا.....

''تو پھر کیا فیصلہ کیا تم نے.....؟''

''فیصلہ تو ہو چکا مہوش.....! تم جیتی میں ہاری..... میری حیثیت تمہی سے ہے۔ تم جو چاہو وہی ہوگا.....'' فائزہ نے کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

''تو پھر میرا بھی ایک فیصلہ سنو.....! زوہیب میرے لئے کوئی ایسی شخصیت نہیں ہے جو مجھے تبدیل کر دے..... بلکہ وہ میرے لئے ایک ایسی شے ہے جس پر میں کوئی تجربہ کر سکوں..... اور وہ میں کروں گی..... تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔''

''نو.....! نیور.....! میں کبھی کوئی اعتراض نہیں کروں گی.....''

''اور میں وعدہ کرتی ہوں فائزہ حسن.....! جس دن وہ ہیولا' میرے سامنے آ گیا۔ اسی دن میں خود تیری دنیا سے نکل جاؤں گی..... کیونکہ وہی میری زندگی کا آخری دن ہوگا.....'' مہوش فاطمہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو فائزہ بھی دھیرے سے ہنس دی.....

کتنا اچھا لگ رہا تھا فائزہ کو زندگی کا یہ احساس..... وہ تنہا نہیں تھی..... ایک ہی زندگی میں وہ دو زندگیاں جی رہی تھی..... اُس نے ایک مرتبہ پھر مہوش کی طرف دیکھا اور ہنس دی۔ فائزہ کو مہوش کا ساتھ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

تبھی مغرب کی اذان اس کے کانوں میں پڑی۔ اس نے اپنا آپ سمیٹا اور پارک سے نکلتی چلی گئی۔

اسے گھر تک پہنچنے میں تھوڑا وقت لگا۔ وہ تیزی سے اپنے کمرے تک پہنچی، وضو کیا اور اپنے رب کے حضور جا کھڑی ہوئی۔ انتہائی خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھ کر اس نے دعا مانگی۔ جن میں اولیت اسی ہیولے ہی کو ہوا کرتی تھی۔ اس نے دعا مانگ کر جائے نماز کو تہہ کر کے رکھا۔ اپنا آنچل درست کیا اور پھر میز پر پڑے ہوئے فون کو اٹھا کر دیکھا۔ زوہیب کی طرف سے کئی فون آ چکے تھے۔ چھ کا ہندسہ بتا رہا تھا کہ اس نے چھ مرتبہ کوشش کی تھی۔ اس نے سیل فون کے ان بکس میں دیکھا۔ تین ایس ایم ایس اس میں تھے۔ اس نے سرے سے نظر انداز کر دیا۔ فون بند کیا اور کھانے کیلئے اپنے کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ ڈائننگ ٹیبل تک جاتے ہوئے اس نے سوچا۔ زوہیب کیلئے صرف مہوش فاطمہ ہے۔ وہ جب کمپیوٹر پر بیٹھے گی تو زوہیب سے چاہے جیسا بھی سلوک کرے...... اب فائزہ کا اس کے ساتھ کوئی نازک تعلق نہیں رہا...... زوہیب کو وہ اسی حد میں رکھے گی، جہاں وہ دوسروں کو رکھتی تھی۔ یہ سوچ کر اسے بہت سکون ملا۔

☆☆☆

رات دھیرے دھیرے گزرتی چلی جا رہی تھی جس طرح شمع اپنے ہونے کا احساس دے کر ختم ہوئی ہے۔ زوہیب اپنے اپارٹمنٹ میں صوفے پر تنہا بیٹھا سوچ رہا تھا۔ وہ اس قدر کھویا ہوا تھا کہ اسے خبر ہی نہیں تھی۔ اس کے اپارٹمنٹ کے باہر دنیا کیسی ہے۔ شہر روشنیوں سے جگمگا رہا ہے، ٹریفک معمول سے کم ہوگئی ہے یا شہر بھر میں خاموشی دھیرے دھیرے کس قدر چھا گئی ہے۔ وہ تو اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا۔ اس کی تمام تر توجہ مہوش فاطمہ کی طرف تھی۔ یہ جو اک رابطہ اس سے ہو گیا تھا۔ اس نے تو زوہیب کو اک نئے جہان میں لا کھڑا کیا تھا۔ جیسے کسی بچے کو شدید خواہش کے بعد من پسند کھلونا مل جائے تو رات کو سوتے وقت بھی اپنے ساتھ لے کر ہی نیند کے ہلکوروں میں جاتا ہے۔ بالکل ایسے ہی اِن دنوں زوہیب کا حال تھا۔ وہ پورا دن اسی سوچ بچار میں رہتا تھا کہ آج اس نے مہوش فاطمہ کو کس طرح کی میل بھیجنی ہے۔ وہ دفتر جاتے ہی پہلے اپنا میل بکس دیکھتا تھا۔ تب تھوڑے سے لفظوں پر مشتمل مہوش فاطمہ کی میل اس کا انتظار کر رہی ہوتی تھی...... اس کے بعد وہ سوچنا شروع کر دیتا کہ آج وہ کیسی میل بھیجے گا۔ کیا کہے گا اس میں اب تک اس نے جتنے بھی پیغام بھیجے تھے، اس میں سوائے رابطے کے اور کچھ بھی نہیں تھا اور پھر زوہیب ویسا ہی جواب پا لیتا تھا۔ جیسے وہ بھی ایک قاری کو محض رابطے ہی کیلئے جواب دے رہی ہے۔ اس وقت وہ کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ پہلی میل بھیجتے ہوئے اس کے ذہن میں تھا کہ اگر مہوش نے اسے اچھا رسپانس دیا تو وہ اس کے خیالات و افکار کے بارے میں باتیں کرے گا...... سب سے اہم اس کے لئے محبت کو سمجھنا تھا۔ وہ کیوں معاشرتی رویوں سے ہٹ کر ایک منفرد قسم کا محبت کے بارے میں فکر رکھتی تھی۔ اسے یہ کیوں اچھا لگتا تھا کہ ایک شخص کو پا لینے کی بجائے مقصد کو اہمیت دی جائے......؟ یہ اور ایسے کئی سوال تھے اس کے ذہن میں جو فائزہ سے گفتگو کرنے کے بعد اس کے ذہن میں یکے بعد دیگرے آتے چلے گئے تھے۔ جن کے جواب تشنہ تھے۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ شاید یہ اس کی شدت طلب تھی جس نے مہوش فاطمہ کو یہ خیال دیا کہ وہ اپنے قارئین سے رابطہ رکھے۔ وہ سوچ رہا تھا اپنے پیغام میں کیا لکھے......؟ کس طرح کی بات کرے کہ وہ بجائے ناراض ہونے کے یا اس کے پیغام کو نظر انداز کرنے کے، جواب دینے پر مجبور ہو جائے۔ وہ خیال ہی خیال میں لفظوں کا چناؤ کر رہا تھا اور اس کیفیت میں ڈوبا ہوا تھا۔ تبھی ان لمحوں میں فون کی بیل بج گئی

اس نے چونک کر فون اٹھایا تو وہ علی اصغر کا تھا۔

''ارے واہ میرے راجہ..... بڑے دنوں بعد تم نے فون کیا ہے۔ خیریت تو ہے نا۔'' زوہیب نے خوش ہوتے ہوئے کہا اور صوفے پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''خیریت ہے..... پھر تم نے بھی تو پلٹ کر نہیں پوچھا کہ میں نے اتنے دنوں فون کیوں نہیں کیا.....؟'' علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''او یار.....! بس' میں تھوڑا مصروف ہوں..... بلال کو پاکستان بھیج رہا ہوں اور پھر سارا بزنس بھی دیکھ رہا ہوں تا کہ اس کے جانے کے بعد مجھے کوئی مسئلہ نہ ہو.....'' زوہیب نے سنجیدگی سے کہا۔

''کب آ رہا ہے وہ پاکستان؟''

''یہی چند دنوں میں۔ تم سے بھی ملنے آئے گا اور مجھے پورا یقین ہے کہ وہ میرے پراجیکٹ کے بارے میں بھی پوچھے گا۔ بلکہ وہ آئے گا ہی اسی نیت سے۔ تم.....''

''میں اسے مطمئن کروں گا..... بلکہ وہ خود ہی ہو جائے گا..... یار آج کل مادیت پرستی ہو ہی اتنی گئی ہے کہ جب تک ساتھ میں روپے کی بات نہ ہو تو کوئی خدمت خلق کا سوچتا بھی نہیں ہے۔''

''نہیں یار.....! تم ایسا مت سوچو..... اسی بات کو تم دوسرے پہلو سے بھی دیکھ سکتے ہو کہ غربت اتنی زیادہ ہے کہ لوگ اپنی ضروریات کو پورا کرنے کیلئے وقت نہیں نکال پاتے۔ کہاں سے لائیں وہ اتنا وقت کہ اپنی روزی روٹی کا بندوبست کریں یا پھر سماجی کام کرتے پھریں۔''

''میں ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں یار۔ جن کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے۔ وہ وقت دے سکتے ہیں۔ سرمایہ لگا سکتے ہیں۔ وہ سرمائے کو بڑھانے کے چکر میں رہتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ بلال مخلص نہیں۔ مجھے تمہاری باتوں سے یہی اندازہ ہوا ہے کہ وہ بہت اچھا ہے۔ مخلص ہے اور دوست ہے..... لیکن ساتھ میں کاروباری بھی ہے..... کسی کو کیا میں خود ایسا ہوں۔ مطلب..... اللہ نے ہمیں دماغ دیا ہے یار.....! کیا ہم ایسا نہیں سوچ سکتے..... ایسے سماجی کاموں کی بنیادیں کاروبار ہونا چاہئے تا کہ لوگوں کا بھی فائدہ ہو اور کاروباری آدمی کا سرمایہ بھی محفوظ رہے۔ یہ کام پروڈکشن کے بغیر نہیں ہو سکتا۔''

''ظاہر ہے' پروڈکشن کے بغیر نہیں ہوتا..... لیکن بہت سارے ایسے معاملات ہیں جہاں سے پروڈکشن نہیں ہوتی۔ لوگوں کی صرف کفالت کرنا پڑتی ہے۔''

''یار پتہ نہیں تم کن تناظر میں سوچ رہے ہو..... یہ حکومتوں کا کام ہوتا ہے۔ میں چھوٹی سطح کی بات کر رہا ہوں..... یہ چھوٹے چھوٹے پراجیکٹ کا جب ایک کلچر بنے گا نا تو پورا منظر واضح ہو جائے گا۔ یہ بڑے پیمانے پر ہوگا..... اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے میری جان.....''

''یار تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو..... میں نے پاکستان میں دیکھا' وہاں کی بیشتر سماجی تنظیمیں اس آس پر بیٹھی ہوتی ہیں کہ کوئی انہیں سرمایہ فراہم کرے تو ہم کوئی کام کریں..... بنیادی طور پر وہ کچھ نہیں کر رہے ہوتے خیر.....! یہ معاملات یہاں بحث میں کہاں لے آئے ہیں۔ انہیں چھوڑو.....! بتاؤ' فون کس لئے کیا تھا۔''

''فون میں نے اس لئے کیا تھا کہ میرے یار کہ وہ آپ کی میڈم فائزہ کو میں نے چند دن پہلے نقشہ دیا تھا عمارت کا تا کہ وہ اس کے بارے میں مجھے مزید بتائیں۔ کوئی مشورہ دیں۔ مگر پلٹ کر انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔''

''تم نے فون کر کے پوچھا.....؟'' اس نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

''مجھے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے..... وہ جب مطمئن ہوں گی تو ہی مجھ سے رابطہ کریں گی۔''

''نہیں ایسا نہیں ہے یار، وہ ایک مصروف خاتون ہیں..... تم نے فون کر کے پوچھ لینا تھا۔ یاد دہانی ہی کروا دینا تھی۔ اس سے انہیں بھی احساس ہوتا کہ اہمیت دی جا رہی ہے۔ جیسا کہ ہم نے طے کیا تھا' انہیں وہاں نگران مقرر کرنا ہے..... بہت سارے کام لینے میں ہم نے۔''

''ٹھیک ہے میں رابطہ کر لوں گا..... اور دوسری بات..... میں نے اپنی طرف سے بنیادی سرمایہ ایک طرف کر دیا ہے۔''

''بہت اچھی بات ہے..... میں بلال کے ساتھ ہی سب کچھ بھیجوں گا۔ وہ میرا پارٹنر ہے' اس کی شمولیت بہت ضروری ہے بہرحال تمہاری مہربانی کہ تم دوسرے کاموں کو بھی دیکھ رہے ہو۔''

''میں تمہیں سیدھے بتا دوں..... یہ اس وقت تک ہیں جب تک تم آ نہیں جاتے..... میں پھر ان سارے کاموں سے بری الذمہ ہوں.....''

''بس یار تمہیں عمارت ہی بنوانا ہے..... باقی میں خود دیکھ لوں گا..... اتنے دنوں میں تو عمارت بھی نہیں بنے گی۔ جب تک میں آ جاؤں گا..... اور کوئی بات.....''

''نہیں..... بس اتنا ہی تھا.....! تم فون کر لیا کرو یار.....''

''میں اب خیال رکھوں گا.....'' زوہیب نے قدرے شرمندگی سے کہا اور پھر الوداعی باتوں کے بعد فون بند کر دیا.....

فائزہ اس پراجیکٹ میں سرد مہری کیوں دکھا رہی ہے؟ یہی وہ سوال تھا جو اس کی ساری سوچوں پر حاوی ہو گیا..... وہ کافی دیر تک سوچتا رہا اور پھر اس نے وقت دیکھا..... رات بہت گہری ہو گئی تھی۔ اس وقت وہ اسے فون نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ دفتر جاتے ہی سب سے پہلے یہی کام کرے گا..... یہیں سے اس کی ذہنی رو فائزہ کی جانب مڑ گئی۔

فائزہ.....! اچانک اس کی زندگی میں آ گئی تھی۔ اسے تو گمان بھی نہیں تھا کہ جب وہ اس دفعہ پاکستان جائے گا تو اسے فائزہ مل جائے گی۔ بلاشبہ وہ اسے مہوش فاطمہ کی وجہ سے ہی ملی تھی اور اس میں دلچسپی کا حد درجہ احساس صرف اسی کی وجہ سے تھا۔ ورنہ ایک تعلیمی ادارے میں پڑھانے والی لڑکی سے اس کا کیا سروکار.....؟ پہلے پہل اس نے یہی سوچا تھا کہ فائزہ نے بھی مہوش فاطمہ کو اِس قدر غور سے پڑھا ہوگا جتنا اس نے دل سے پڑھا ہے۔ لیکن چند ملاقاتوں کے بعد اسے احساس ہوا کہ نہ صرف وہ اپنے خیالات میں مہوش فاطمہ سے زیادہ گہرائی رکھتی ہے بلکہ اس کا زندگی کے بارے میں اپنا ایک مضبوط نکتہ نظر ہے۔ وہ اس سے گفتگو

کرتے ہوئے کج بحثی حد تک بھی گیا لیکن ہزار ہا دلیلیں دینے کے باوجود وہ اس کے مضبوط نکتہ نظر میں دارڑ بھی پیدا نہیں کر پایا تھا۔ تب اسے پتہ چلا کہ علم صرف مہوش فاطمہ تک محدود نہیں ہے اور لوگ بھی ہیں جو اس سے زیادہ اچھی طرح سے زندگی کو سمجھتے ہیں اور اسے بیان بھی کر سکتے ہیں۔ اگرچہ گفتگو کے دوران اس نے اپنے پسندیدہ لکھاریوں کے حوالے بھی سنے' جس سے وہ بہت خوش ہوا تھا۔ تب اسے یہ معلوم بھی ہوا کہ فقط لکھنا ہی ایک فن نہیں ہے' بلکہ پڑھنا بھی ایک بہت بڑا فن ہے۔ وہ ان باتوں کو محض سطحی نوعیت کا خیال کرتا تھا۔ جن کے بارے میں فائزہ نے اسے بہت گہرائی تک بتایا تھا۔ بلاشبہ وہ سطروں کے درمیان کی تحریر بھی سمجھ جانے کی خصوصی صلاحیت رکھتی تھی۔ اس ضمن میں ایک بار فائزہ نے اسے جذبے کے فلسفے کے بارے میں بہت دیر تک سمجھایا تھا۔ وہ تو بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ جس کی اسے سمجھ نہیں آتی تھی۔ بس ایک لب لباب اس کیلئے پڑا تھا کہ پڑھنا' پڑھ کے سمجھنا اور پھر سمجھ کر اسے اپنے اندر جذب کرنا ایک صلاحیت ہے۔ قوت جذب ہی سے انسان اپنی برداشت اور عمل کو تقویت دے سکتا ہے۔ وہ علم جو انسان کی تہذیب کا باعث بنتا ہے۔ جذب کی مرہون منت ہی ہے ورنہ سارے علم والے جو دعویٰ کرتے ہیں انتشار کا شکار نہ ہوتے۔ یہی انتشار انہیں خود سے جدا رکھے ہوئے ہے۔ بلاشبہ وہ فائزہ کی علمیت کا قائل ہو گیا تھا۔ ورنہ وہ مرعوب ہونے کی بجائے اپنے خیالات اس کے سامنے رکھ دیتا۔ لیکن ایک وقت آنے کے بعد وہ صرف اس کی بات سن سکتا تھا۔ یہاں تک کہ جب محبت کے جذبے کو سمجھنے کی ضرورت پڑی تو وہ سیدھا فائزہ کے پاس ہی گیا تھا۔ جہاں سے اسے سخت مایوسی ہوئی تھی۔ اس کی یہ مایوسی اس وجہ سے نہیں تھی فائزہ اس کے بارے میں کچھ جانتی نہ تھی۔ مایوسی اسے اس لئے ہوئی تھی کہ اس نے پھر اسے مہوش فاطمہ کی جانب دوڑا دیا تھا۔ خود کچھ نہیں بتایا تھا۔

کیا فائزہ کو تم نے ایک عورت کی حیثیت سے دیکھا تھا.....؟ اچانک اس کے اندر سے ایک سوال ابھرا۔ وہ چونک گیا' اسے اپنی ہی ذات کا سامنا تھا' جس کے سامنے وہ جھوٹ بولنا بھی چاہے تو نہیں بول سکتا تھا۔ وہ بے چین ہو گیا۔ اس نے کسمسا کر پہلو بدلا اور پھر اسی پر سوچنے لگا۔ اسے پوری دیانتداری سے سوچنا تھا۔ اس نے سوچا.....شروع شروع میں تو اس نے محض اس لئے ملنا مناسب سمجھا تھا کہ وہ بھی مہوش فاطمہ کو پڑھتی ہے' وہ اس کی شکل وصورت سے زیادہ اس کی گفتگو اور اس کے لفظوں کی نشست و برخاست پر دھیان دیتا تھا۔ پہلی ملاقات میں ہی اس کا تاثر یہی تھا کہ اس کا لہجہ' اس کی گفتگو اور اس کا انداز بالکل لکھاریاں کی مانند ہے۔ لیکن پتہ نہیں وہ لکھتی بھی ہے یا نہیں شاید اس نے ایسا ہی یا اس سے ملتا جلتا کوئی سوال بھی کیا تھا جسے وہ نظر انداز کر گئی تھی.....لیکن چند ملاقاتوں کے بعد اسے پتہ چلا کہ وہ لکھتی نہیں ہے پڑھتی ہے یا بس پھر پڑھاتی ہے۔

سوال یہ نہیں ہے کہ وہ پڑھتی تھی' پڑھاتی تھی یا لکھتی تھی.....؟ سوال یہ ہے کہ تم نے بہ حیثیت عورت اسے دیکھا.....؟ اندر سے جیسے احتجاج کیا گیا تو اس کی سمجھ میں آیا۔ وہ غلط ٹریک پر چل نکلا تھا۔ تبھی اس نے غور کیا.....تو فائزہ کا چہرہ اس کی نگاہوں میں آ گیا۔ وہاں رہتے ہوئے کبھی اس نے غور نہیں کیا تھا کہ وہ حسین ہے یا نہیں..... وہ تو اس کی شخصیت سے مرعوب تھا یہاں اس کے حسن کا سحر نہیں بلکہ شخصیت کے جادو نے اس کا گرویدہ کر دیا تھا۔ اس نے بہت سارے حسین لوگ دیکھے تھے' جنہیں قدرت نے تو ایک خاص قسم کی تراش دی

ہوئی ہوتی ہے۔ پھر اس پر ان کی اپنی محنت سے وہ جلوے دکھائی دیتے ہیں کہ عقل تک کو مات کر دینے کی ان میں صلاحیت ہوتی ہے لیکن.....! جب وہ ان سے ملتا' گفتگو ابھی دو گام ہی ہوتی تو وہ متنفر ہو جاتا اسے یوں لگتا جیسے انہیں زندگی کا نہیں فقط احساس ہے لیکن فائزہ سے مل کر' اس سے باتیں کر کے اور اس کا نکتہ نظر جان کر اسے یہی لگا کہ زندگی میں واقعی زندگی آ گئی ہے..... وہ سادہ سا دلنواز حسن..... اپنے اندر علمیت کی اس قدر رنگینیاں رکھتا تھا کہ وہ اس میں کھو گیا تھا..... ہاں..... وہ اس کے اندر کے حسن سے بہت متاثر ہوا تھا' اتنا متاثر کہ اب تک اس کے سحر میں ہے۔ اس نے پوری دیانتداری سے جواب دیا تو اندر سے پھر احتجاج ہوا.....

تم اس کے عورت پن کی بات نہیں کر رہے' اس کی صلاحیتوں کی تعریف کرتے چلے جا رہے ہو..... تم مان لو کہ تم نے مشاہدہ ہی نہیں کیا' اسے اس نگاہ سے دیکھا تک نہیں یا پھر..... فائزہ میں کوئی ایسا نسوانی احساس نہیں تھا جو تم جیسے مرد کو متاثر کر سکے..... تبھی اس نے ایک ثانیے کی تاخیر کے بغیر فوراً کہا۔

''نہیں.....! ایسا نہیں ہے..... وہ بہت خوبصورت تھی۔ اس میں نسوانیت کی وہ ساری جلوہ آرائیاں تھیں جو ایک عورت کا حسن ہوتی ہیں..... ہاں.....! میں اس کا مشاہدہ اس قدر عمیق نگاہوں سے نہیں کر سکا..... اس نے تو اپنا آپ ظاہر نہیں کیا۔ اس کا آنچل ہی اس کا بہت بڑا تحفظ تھا۔ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے اور اس کا تاثر بھرپور انداز میں مشرقی لڑکی جیسا ہی تھا۔ شرم و حیاء جس کا زیور ہوتا ہے۔''

''کچھ اور دیکھا تم نے.....؟'' سوال کیا گیا۔

''ہاں.....! میں نے دیکھا۔'' زوہیب جیسے اپنے اندر اترتا چلا جا رہا تھا۔ جہاں روشنی ہی روشنی تھی اور اس میں فائزہ کسی بت کی مانند یوں ایستادہ تھی جیسے کسی معبد میں نصب کوئی بت ہو۔ زوہیب اسے غور سے دیکھ رہا تھا اور زیر لب کہتا چلا جا رہا تھا۔ ''ہاں.....! میں نے دیکھا۔ اس کا چہرہ دیکھ کر میرے اندر کسی بھی قسم کی جنسی بھوک نے اپنا احساس نہیں دلایا۔ میں اسے بارہا ملا ہوں..... اور ہر بار میں اس کے جسم کے نشیب و فراز' اس کے بدن کے خم دیکھنے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہو سکا' میری توجہ ہوئی ہی نہیں اس طرف۔ میں نے جب بھی اس کے چہرے کی طرف دیکھا' مجھے حیاء بار آنکھیں ملیں جن میں اپنی ذات پر بلا کا اعتماد ہونے کا احساس ملتا تھا اس کے ہونٹ مجھے کبھی بھی اس لئے نہیں لگے' لیکن وہ ہونٹ اس قدر جاندار تھے کہ بھاری بھرکم اور تلخ ترین لفظوں کو بھی نرم اور شہد آگیں بنا دیتے تھے۔ اس کے لہجے میں جنس مخالف کی کشش نہیں اپنائیت محسوس ہوتی تھی جس میں احترام کے جذبات گھلے ہوئے ہوتے تھے۔ میں نے جب بھی اس کے چہرے کو دیکھا ایک الوہی احساس نے میرے اندر خوشگواریت بھر دی۔''

''کیسا محسوس کیا تم نے.....؟ سوال پھر کیا گیا۔

''ہاں.....! اس سے ملنے کے بعد ہمیشہ مجھے بہت اچھا لگا..... میرے اندر کسی شہوانی جذبات نے سر نہیں اٹھایا بلکہ کبھی مجھے یوں لگتا جیسے پھیلے ہوئے صحرا کی ویرانی میں چاندنی مہک اٹھی ہو کبھی یوں لگا تپتے ہوئے ریگستان میں جیسے پروا کی ٹھنڈی ہوا نے ہر ذی روح کو شانت کر دیا ہو کبھی مجھے لگتا کہ میں کسی جھیل کے کنارے بیٹھا ہوا ہوں اور وہاں پر اُگے ہوئے جنگلی پھولوں کی خوشبو سے میرا من مہک اٹھا ہے۔ کبھی مجھے لگتا ہے کہ ایک

طویل مسافت کے بعد کسی آبلہ پا مسافر کو پرسکون سایہ نصیب ہو گیا ہو کبھی مجھے لگتا.....''

''اچھا چھوڑو.....! تمہارا اپنا عورت کے بارے میں کیا خیال ہے.....؟'' اس کے اندر سے اسے ٹوک دیا گیا اور اسی سے جڑا ایک اور سوال داغ دیا۔

''عورت.....! میرے لئے عورت محض ایک جنس مخالف..... یا محض ایک وجود کا نام نہیں ہے۔ میں مانتا ہوں' وہ بھی انسان ہے۔ اپنی کمزوریوں اپنی کوتاہیوں اور اپنی غلطیوں سمیت..... اور اس میں جتنی خوبیاں قدرت نے ودیعت کی ہیں' فطری طور پر اس کے جو فرائض ہیں۔ ان سب کا مجموعہ..... وہ عورت..... جو سکون دے..... میں عورت کو سکون خیال کرتا ہوں.....! وہ عورت جتنا زیادہ سکون کا باعث بنتی ہے وہ عورت اتنی حسین' اتنی خوبصورت اور اتنی ہی مقام ہوتی ہے..... اس کا یہ سکون ایک ذات سے' اپنی ذات سے لیکر کائنات کی وسعتوں تک ہو سکتا ہے یہی عورت ہے۔''

''دیکھو.....! سکون عورت کا متبادل نام رکھ کر تم اس کی صلاحیت کے بارے میں بات.....''

''خاموش.....!'' زوہیب نے اپنے اندر کو بری طرح جھڑک دیا.....'' میں مانتا ہوں کہ میں بھی انسان ہوں..... خطاء کار ہوں..... میرے اندر جتنا کچھ مثبت ہے' اتنا منفی بھی ہے۔ میں سمجھتا ہوں تمہاری نیت کیا ہے..... شاید تم اپنے اندر کی شہوانی خواہش کی تسکین اس گندے انداز سے چاہ رہے..... لیکن جان لو کہ ذکر کس کا ہو رہا ہے۔ فائزہ کا..... فائزہ حسن کا۔ میں اس کے سامنے ایسا برا نہیں سوچ سکتا تھا' کیا تم مجھے بزدل بنانا چاہتے ہو..... کہ میں تنہائی میں اس کے متعلق اس طرح کا سوچوں.....! دیکھو.....! عورت کا حسن اسی میں ہی ہے کہ وہ عورت رہے..... جان لو کہ وہ بہت حسین عورت ہے..... اور بس.....'' زوہیب نے ایک جھٹکے سے اپنے اندر کی اس کھڑکی کو بند کر دیا جہاں سے سوالوں کے جھونکے آ رہے تھے۔ تبھی ایک پھنسا ہوا سوال اس پر ہنس دیا.....

''کیا تمہارا اس قدر برواختہ ہو جانا..... تمہارے بزدل ہونے کی دلیل نہیں ہے.....؟''

''نہیں.....'' اس نے پورے اعتماد سے کہا۔'' تم اس کی مجموعی شخصیت میں اس کے عورت پن کو شہوانی نگاہ سے دیکھ رہے ہو..... میں مانتا ہوں کہ یہ سب کچھ اس عورت کی ذات کا حصہ ہے۔ لیکن وہ سات پردوں میں چھپا ہوا ہے۔ وہاں تک پہنچنے کیلئے تمہیں اس کے قد کے برابر آنا ہوگا۔ پھر اگر تم میں ہمت ہو گی تو اس سے نگاہ ملا سکو گے..... تم میں اتنی جرأت ہوئی کہ اعتماد سے کچھ کہہ سکو' تب کہہ پاؤ گے..... ورنہ اس کا آنچل اس کا سب سے بڑا حصار ہے اور اس حصار میں قدم رکھنے والے شہوانی خیالات' نگاہیں اور سوچیں بھسم ہو کر رہ جاتی ہیں..... یہ میرا دعویٰ نہیں میرا مشاہدہ بھی..... اب میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتا.....'' زوہیب یہ کہتے کہتے جیسے تھک کر چور ہو گیا اور بے دم سا ہو کر صوفے پر لیٹ گیا جیسے ایک لمبی مسافت کے بعد سانس لینے کیلئے تھوڑا وقت ملا ہو..... چند لمحے یونہی پڑا رہنے کے بعد اس کے ہونٹوں سے پھسل گیا ''فائزہ.....!'' اس کے ساتھ ہی ایک خوشگوار احساس اس کے اردگرد پھیل گیا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس نے اپنے آپ کو مات دے دی..... اس فتح پر وہ مسرور ہو گیا۔ وہ کتنی دیر تک اسی خوشگواریت میں مسرور رہا۔

فطرت کی دی ہوئی یہ نعمت کسی طور بھی کم اہم نہیں ہے کہ وقت کے ساتھ جہاں دکھ اپنا اثر زائل کر دیتے ہیں وہاں خوشیاں بھی تحلیل ہو جاتی ہیں۔ شاید اسی مدوجزر کا نام زندگی ہے۔ زوہیب کے اندر بھی کچھ دیر بعد یہ خوشگواریت کا احساس کم ہوتا چلا گیا اور اس کے سامنے وہ مسئلہ سر اٹھانے لگا تھا کہ وہ مہوش فاطمہ کو کیا لکھے.....؟ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ایک ہیجانی کیفیت میں سے گزرا تھا۔ جس کے اثرات ابھی اس پر موجود تھے۔ ابھی پوری طرح یہ احساس زائل نہیں ہوا تھا..... وہ اعتماد جو اسے تھوڑی دیر قبل ملا تھا۔ اس نے اسے تقویت دے دی..... لفظ ایک قطار کی مانند اس کے سامنے آتے چلے گئے..... اس نے بڑی جرأت کے ساتھ یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ مہوش فاطمہ سے نہ صرف سوال کرے گا' بلکہ محبت کے فلسفے کے بارے میں ضرور پوچھے گا..... یہ فیصلہ ہوتے ہی وہ اٹھا اور کمپیوٹر تک گیا۔ اسے آن کیا اور پھر پروگرام واضح ہوتے ہی اس نے بڑی روانی سے لکھنا شروع کر دیا جس طرح لفظ کچھ دیر پہلے ایک قطار میں اس کے سامنے آتے چلے جا رہے تھے۔ جو تھوڑی دیر قبل سوچوں میں تھے' جن کا کوئی وجود نہیں تھا' سامنے سکرین پر اپنا وجود بناتے چلے جا رہے تھے۔ لفظ کے ساتھ لفظ جڑتے چلے جا رہے تھے۔ فقرے بن رہے تھے اور ان میں معنی در معنی ابھرتے چلے جا رہے تھے۔ خیالات کو لفظوں کا وجود دینا کتنا ضروری ہے۔ شاید معنی بھی لفظ کے محتاج ہوتے ہیں۔ جیسے روح اپنا احساس دینے کیلئے کسی وجود کی محتاج ہوتی ہے۔

وہ لکھ چکا تو ایک بھرپور سانس لے کر اپنی انگلیاں سہلانے لگا۔ انگلیوں کا یہ سہلانا ایک لاشعوری عمل تھا ورنہ اس کی ساری توجہ سکرین پر موجود ان لفظوں پر تھی جسے اس نے خود ٹائپ کر کے کمپوز کئے تھے۔ وہ پڑھ چکا تھا اور مطمئن ہو گیا..... تبھی چند لمحوں بعد اس نے اپنا یہ پیغام بھیج دیا۔ جیسے ہی پیغام بھیج دینے کا اس کو یقین ہوا تو نجانے کیوں اسے ایک ایسے جذبے کا احساس ہوا جسے وہ کوئی نام تو نہیں دے سکا۔ لیکن اسے یوں لگا جیسے کسی خوشی کے شوخ رنگوں میں حیرت کی اداسی والے المیہ رنگ گھل جائیں..... وہ چونک گیا۔ ایسا کیوں ہوا ہے.....؟ وہ چند لمحے اسی سوال کو لے کر سوچتا رہا۔ تبھی اس کے اندر سے ایک مہین سی آواز ابھری.....

''یہ سب تم کس کیلئے کر رہے ہو..... محبت کے بارے میں سمجھنے کی تمہیں کیوں ضرورت ہے؟''

اس آواز کے ساتھ ہی اسے سمجھ آ گئی کہ اس کی خوشی میں حسرت آمیز اداسی کیوں گھل گئی تھی۔

ہاں.....! وہ ایسا کیوں کر رہا ہے.....؟ یہ سوال جاننا خود اس کیلئے بھی ضروری ہو گیا۔ اس نے تھکن سے چور اعصاب کے ساتھ آنکھیں بند کیں تو فائزہ کا چہرہ اس کے سامنے عیاں ہو گیا..... وہ سرتاپا لرز ہو گیا..... اس کا چہرہ ہی کیوں.....؟ اس نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ کمپیوٹر آف کیا اور اپنے بیڈ پر آ لیٹا..... فائزہ کیوں.....؟ انہی دو لفظوں کی بازگشت تادیر اس کے دماغ میں گونجتی رہی..... کیا اس لئے کہ وہ محبت کا فلسفہ جاننے کے بارے میں فائزہ نے اس سے کہا تھا..... یا پھر وہ خود اس سے ہی سمجھنا چاہ رہا تھا..... یا پھر ایسا سب کچھ فضول تھا..... محبت کو سمجھنا محض ایک بہانہ تھا..... وہ لاشعوری طور پر فائزہ کی قربت کا خواہاں تھا..... یا پھر..... یا پھر..... کہیں اسے فائزہ سے محبت تو نہیں ہو گئی..... اور وہ اس کے بلند مقام تک پہنچنے کیلئے محبت جیسی سیڑھی کو استعمال کرنا چاہتا ہے..... کیا ہے.....؟ یہ سارے سوال اس کے ذہن میں بگولوں کی طرح اٹھے اور وہ سر تھام

کے بیٹھ گیا۔ کچھ دیر یونہی گزری تو ایک خیال اپنی جگہ مسکرا رہا تھا..... شاید اسے فائزہ سے محبت ہو گئی ہے..... اس نے نگاہیں چراتے ہوئے گھڑی میں وقت دیکھا' چار بج چکے تھے..... اس نے زور سے آنکھیں بند کیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے لگا جیسے فائزہ کے ساتھ محبت ہو جانے کے انکشاف نے اسے بالکل ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ جیسے بھاری بھرکم خیالات کا بوجھ جو وہ اب تک اٹھائے ہوئے تھا' ختم ہو کر نجانے کہاں تحلیل ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں نیند اڑنے لگی جیسے کوئی من پسند خوشبو انسان کو بے خود کر دے۔

☆☆☆

اس وقت صبح کے چھ بج رہے تھے..... جب فائزہ پورے خشوع وخضوع کے ساتھ ہاتھ اٹھائے دعا میں مصروف تھی' وہ نماز کے بعد تلاوت کلام پاک کر چکی تھی اور اب وہ دعا مانگ رہی تھی۔ اس نے پورے خلوص کے ساتھ اس ہیولے کے بارے میں سوچا تھا۔ کل شام کا فیصلہ اس کی دعاؤں میں اور زیادہ رقت کا باعث بنا تھا۔ اس نے مہوش فاطمہ کو اس کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ فائزہ حسن تھی اور مہوش فاطمہ اس کا ایک حصہ..... جس کی حفاظت اسے کرنا تھی۔ وہ اس کے ذات کے قلعے میں بند تھی۔ ایک ایسے راز کی مانند' جس کے انکشاف سے فائزہ حسن کا وجود بھی رہتا۔ اسے فائزہ حسن کی حیثیت سے خود کو ایک مضبوط شخصیت کے طور پر پیش کرنا تھا۔ اتنا مضبوط کہ اگر وہ ہیولا اچانک اس کے سامنے ظاہر ہو جائے تو اسے کسی بھی قسم کی کوئی اُلجھن درپیش نہ ہو..... اسے اپنے رب پر پورا بھروسہ تھا۔ جس کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کی دعائیں رنگ لائیں گی۔ وہ ہیولا اس کے سامنے آئے گا..... پھر کیا ہوگا.....؟ اس نے یہ سب اس وقت پر چھوڑ دیا تھا۔ اس وقت تو وہ اپنے آپ میں قدرے شرمندہ تھی۔ اس سے ایک ہلکی سی غلطی سرزد ہو گئی تھی۔ اس نے مہوش فاطمہ کو پیچھے دھکیل کر خود زوہیب کے سامنے آنے کی کوشش تھی۔ اسے اب یوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے اس نے اپنے رب پر یقین اور اعتماد نہیں رکھا تھا..... اس سے یہ لرزش کیوں ہوئی۔ وہ کیوں لڑکھڑائی تھی..... اس کی وجہ کہیں بدن کی پکار تو نہیں تھی.....؟ یہ سوچتے ہی وہ اپنے آپ میں سمٹ جاتی اور پھر فوراً ہی اپنے رب کے حضور اپنے سر کو جھکا کر توبہ کی طلب گار ہوتی..... اسے پورا اعتماد تھا کہ وہ ایسا بدن کی پکار پر نہیں کر رہی تھی..... وجہ جو بھی تھی..... وہ اس کی نفسیاتی گتھیوں میں الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ اس نے اپنے ذہن میں پھیلا ہوا انتشار کا کچرا صاف کر دیا تھا۔ اب تو وہ صرف اپنے رب سے معافی کی طلب گار تھی اور اسے پورا یقین تھا کہ اس کا رب بڑا غفور ورحیم ہے۔ وہ اسے معاف کر دے گا۔ اس نے دعا ختم کی اور کلاک کی جانب دیکھا جہاں چھ بجکر چند منٹ ہو چکے تھے۔ اس نے جائے نماز تہہ کی اور پھر اسے ایک طرف رکھتے ہوئے کمپیوٹر کے سامنے بیٹھ گئی۔

اس کا میل بکس کھل چکا تھا اور اس کی توقع کے عین مطابق زوہیب کی میل اس کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے وقت دیکھا تو اسے اندازہ ہوا کہ تھوڑی دیر قبل کی گئی میل ہے۔ اس نے وہ کھول لی تو غیر متوقع طور پر کافی طویل تحریر کو پایا۔ نجانے اس وقت اسے کیوں احساس ہوا کہ اس میں کچھ مختلف ہوگا۔ اس نے بہت توجہ سے وہ میل پڑھنا شروع کر دی۔ زوہیب نے ایک طویل تمہید کے بعد اسے یہ باور کروانے کی کوشش کی تھی کہ اس کی تحریریں پڑھنے کے بعد بہت سارے سوال ذہن میں آتے ہیں۔ بلاشبہ جس کا جواب وہی دے سکتی تھی۔

اس سے یہ اندازہ بھی ہو جانا چاہئے کہ وہ اپنی کہانی میں کہاں تشنگی چھوڑ گئی ہے۔ اس لئے ضروری یہ ہے کہ اس کے سوالوں کے جواب دے۔ یہ سب کچھ لکھنے کے بعد اگلی بات اس نے یہی کہی تھی کہ محبت کے معاملے میں اس نے کبھی کوئی خصوصی وضاحت نہیں کی..... محبت کے چند پہلو جو وہ بیان کرتی ہے اور انہی پر زور دیتی ہے۔ وہ اس دنیا میں دکھائی نہیں دیتے اور نہ ہی ان کی کوئی عملی حیثیت سمجھ میں آتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے یہ ایک ماورائی سی تھیوری ہو..... جس کا حقیقت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ پھر اس ساری بحث کو سمیٹ کر اس نے وہی سوال کر ڈالا تھا کہ محبت کیا ہے.....؟ یہاں تک پہنچ کر فائزہ دھیرے سے مسکرا دی۔ اس نے جو سوچ زوہیب کو دی تھی وہ ابھی تک وہی کھڑا ہے۔ ایک انچ بھی آگے نہیں سرکا تھا۔ وہ ان بنی بنائی سوچوں کو قبول کرنے کا عادی ہو گیا تھا جو مہوش فاطمہ اسے دیتی تھی۔ فائزہ کو اس پر افسوس بھی ہوا۔ اس نے زوہیب کو سمجھانے کی کوشش بھی کی تھی کہ وہ خود سوچا کرے۔ خود محنت کرے..... غور سے دیکھے کہ مہوش فاطمہ نے محبت کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ لیکن پھر بھی اسی سے وضاحت کا طلب گار تھا..... وہ سوچ میں پڑ گئی کہ اسے اپنا نکتہ نظر بتائے یا پھر اسے خود ہی سوچنے پر مجبور کرے۔ چند لمحے اسی سوچ میں گزر گئے۔ پھر یہی خیال آیا کہ اگر اس نے یہ محنت کرنا ہی ہوتی تو وہ اس سے نہ پوچھتا۔ اس کی صرف دو وجوہات ہی ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ بہت جلد باز ہے فوراً اس کی طرف سے وضاحت چاہتا ہے تاکہ جلدی جلدی یہ جان سکے اور دوسری وہ خود سوچنے کا عادی نہیں تھا۔ تو پھر اسے کیا کرنا چاہئے.....؟ اگلے ہی لمحے اسے خیال آیا۔ کچھ بھی نہیں..... جب تم اسے بدل دینے کا عزم کر چکی ہو تو پھر تم اسے دھیرے دھیرے بدلو..... اچانک تبدیلی سے ممکن ہے وہ ٹوٹ جائے۔ یہ خیال آتے ہی اس نے اپنے آپ کو سمیٹا۔ چند لمحے غور کیا۔ یکسوئی کی حالت میں آئی۔ تبھی اس کا وجدان جاگ اٹھا..... اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تیزی سے حرکت کرنے لگیں۔ وہ اس کی میل کا جواب دینے لگ گئی تھی۔

محبت کیا ہے.....؟ اس کا جواب کہیں اور سے نہیں' خود اپنے اندر سے ملتا ہے۔ آپ نے اپنے سوال میں محبت کے بارے میں میرے نکتہ نگاہ کی بات کی ہے اور میری ہی کہانیوں کے حوالے دیئے ہیں تو وہ محبت کی وضاحت نہیں' محبت ہو جانے کے بعد اس کا اظہار ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ سبھی اظہار کی بات کرتے ہیں۔ محبت ہو جانے کے بعد جو کچھ ہوتا ہے اسی کا ذکر ہی بہت تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن محبت کیا ہے' اس پر بہت کم لوگوں نے لکھا اور سمجھیں کہ وہ کچھ بھی نہیں لکھا..... اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت سمجھ میں آنے والی شے نہیں۔ بلکہ یہ کوئی شے بھی نہیں ہے۔ شے تو اسے کہا جاتا ہے نا جس کا وجود ہو..... مادی وجود.....! اب اگر آپ یہ کہو کہ کیا محبت ایک احساس کا نام ہے تو محبت کے معاملے میں احساس ایک بہت چھوٹا لفظ ہے۔ محبت لفظوں کی محتاج نہیں اور نہ ہی لفظ محبت کو بیان کر سکتے ہیں..... دیکھیں.....! میں بھی محبت کے اظہار کے بارے میں کہتی چلی جا رہی ہوں.....

چلیں آئیں ہم اسے ایک اور پہلو سے دیکھتے ہیں..... اس کائنات میں ہر شے ایک دوسرے کے ساتھ کشش کے ذریعے رابطہ رکھے ہوئے ہے۔ یہ کشش ہی ہے جس نے نظام کائنات کو ایک دوسرے سے باندھا ہوا ہے۔ کشش ایک ان دیکھی قوت ہے.....؟ سائنسی حوالوں سے جو بھی کشش کی تعریف کی گئی ہے' وہ

ہمارا موضوع بحث نہیں..... ہاں اسی طرح کسی بھی ذی روح کا دوسرے ذی روح سے تعلق..... میلان یا ربط کہلاتا ہے یہی میلان یا ربط باہمی اپنے مدارج طے کرتا ہے جو آشنائی کے سفر سے شروع ہو کر محبت تک آن پہنچتی ہے..... لیکن.....! میں اب بھی یہ نہیں بتا سکی کہ محبت ہوتی کیا ہے.....؟ محبت کی تعریف کرنا گویا اسے محیط کر دینے کے مترادف ہے اور ایسا ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ محبت قید نہیں ہو سکتی۔

اصل میں آپ محبت کی ماہیت کے بارے میں سوال کرنا چاہتے ہیں۔ محبت کیا ہے یہی سوال تھا نا آپ کا؟ گویا آپ کو محبت کی ماہیت جاننا ہے..... اس کیلئے ضروری ہے کہ آپ پہلے زندگی کو سمجھیں کہ وہ کیا ہے۔ کیونکہ زندگی فطرت ہے اور محبت اس فطری حیثیت کا اک لازمی جز ہے۔ یہاں یہ سوال مت سوچ لیجئے گا کہ پھر موت کے ساتھ محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوتا..... موت کا فلسفہ اپنی ایک الگ حیثیت رکھتا ہے' مگر محبت ختم نہیں ہوتی' یہ جاری و ساری رہتی ہے۔ خیر.....! ہم بات محبت کی ماہیت کے بارے میں کر رہے تھے۔ جس طرح میں نے پہلے کہا کہ اس کائنات کو چلانے میں کشش کارفرما ہے جو کہ ایک ان دیکھی ''قوت'' ہے۔ اس کا وجود ہمیں دکھائی نہیں دیتا' بالکل اسی طرح زندگی نے جو وجود کسی ذی روح کو دیا..... چلیں ہم یہاں سے جانوروں کو خارج کر دیتے ہیں فقط انسانوں کی بات کرتے ہیں۔ ہاں تو انسان کے وجود میں دو عناصر ہیں.....! ایک اس کا جسم اور دوسری روح' جسم ایک خود کار نظام کے تحت چل رہا ہوتا ہے' لیکن انسان کے اندر جو جذبات' احساسات' تحریکیں' امنگیں' فکری انقلاب اور خواہشات پیدا ہوتے ہیں۔ جس کے نتیجے میں انسانی صلاحیتیں حرکت میں آتی ہیں..... یہ اس کے روحانی افعال ہیں..... ان روحانی افعال کو چلانے والی ان دیکھی قوت محبت ہوتی ہے..... یوں سمجھ لیں کہ محبت ایک قوت تحریک کا نام ہے۔ جو صلاحیتوں کو متحرک کرتی ہے۔ یہ قوت جتنی زیادہ طاقتور ہوتی' انسان اپنے آپ میں اتنی ہی محبت محسوس کرے گا..... کیونکہ اس کا اظہار اس کی صلاحیتوں میں تحریک ہو رہی ہوتی ہے۔ سمجھ لیں کہ یہ محبت کی ایک تھیوری ہے۔ اس کو سمجھنے کیلئے ہم اسے انسان پر اپلائی کرتے ہیں تو ہمیں وہاں محبت کی بے شمار صورتوں سے رابطہ پڑے گا۔ مال کی محبت؟ انسان سے انسان کی محبت' ذاتی خواہشات کی محبت..... ایک سلسلہ ہے۔ یوں ہم اسے کئی اقسام میں بانٹ سکتے ہیں..... انسان کا مشاہدہ کرتے چلے جائیں یہ سلسلہ دراز ہوتے چلا جائے گا.....

اب آپ کی میل میں دو نکات اور موجود ہیں کہ میں اپنی کہانیوں میں ایک خاص قسم کی محبت کیوں پیش کرتی ہوں..... جس میں کسی انسان سے نہیں' مقصد سے محبت ہوتی ہے اور دوسرا محبت کے بارے میں میرا اپنا ذاتی خیال ہے۔ سو میں پہلے آپ کے اس نکتے پر بات کرتی ہوں کہ محبت انسان سے نہیں' مقصد سے کیوں ہونی چاہئے.....؟

دیکھئے.....! میں یہاں علمی موشگافیوں میں نہیں پڑوں گی..... سیدھے سبھاؤ بتاتی ہوں کہ پہلے ہمیں مقصد کو سمجھنا ہے کہ آخر یہ کیا چیز ہے' جب ہمیں لفظ مقصد کی اہمیت کا ادراک ہو گا تو ہی ہم اس پہلو کو بخوبی سمجھ پائیں گے۔ دیکھیں' مقصد عزم کا دوسرا نام ہے اور عزم انسان کا پختہ ارادہ ہوتا ہے۔ وہ کچھ کرنا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ مخلوق میں انسان ہی ہے جو ایڈونچر پسند ہے۔ دوسرے لفظوں میں آپ اسے مہماتی کہہ سکتے

ہیں۔ یہ انسان کی نگاہ کا کمال ہے کہ وہ کہاں تک جاتی ہے۔ مطلب اس کی سوچ کی رسائی..... اب اس کی سوچ کسی معمولی شے تک محدود ہے تو اس کی محبت بھی محدود ہو گی کہیں اگر اس کی محبت لامحدود ہے تو کمال رسائی والا شخص کہلائے گا..... رسائی بنا محبت کے نہیں ہو سکتی۔ محبت ہی وہ لازوال قوت ہے جو ان دیکھی دنیاؤں کو نگاہوں کے سامنے لا رہی ہے۔ جب بندہ فقط ایک انسان تک محدود ہو جاتا ہے تو اس کی محبت بھی کوئی اتنی اہم نہیں ہوتی..... بلاشبہ وہ کسی دوسرے انسان کے جذبات کو کچلنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کرے گا۔ مثلاً..... ایک مرد کو کسی لڑکی سے محبت ہو جاتی ہے۔ تو وہ کیا کرے گا..... آخر اس لڑکی میں کوئی ایسی دلچسپی ہو گی جس کو چاہ رہا ہے ' اس تک رسائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اب دو ہی صورتیں ہوں گی..... ایک تو فقط یہ ہو گا کہ وہ لڑکی بھی اس کی محبت کو قبول کر لے گی اور بات ختم پھر کیا ہو گا.....؟ بات یہاں ختم نہیں ہو گی.....! آگے بڑھے گی' وہ اسے تحفظ فراہم کرے گا۔ دنیا بھر کی آسائشیں لا کر دے گا..... یوں یہ سلسلہ دراز ہوتا چلا جائے گا۔ اس وقت تک جب تک محبت ہے۔ تحریک ہے اور اگر مرد کی محبت تو ہے لیکن..... اس لڑکی کو نہیں..... یہاں تو ٹکراؤ آ گیا..... یا دونوں چاہتے ہیں لیکن معاشرتی تقاضے ان کے درمیان حائل ہیں۔ وہ ایک نئی سے نئی مہم کو سر کرتا چلا جا رہا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس محبت ہے؟ ہر فنون لطیفہ میں محبت دکھائی دیتی ہے..... محبت کا عنصر نکال دیا جائے تو پھر باقی کچھ بھی نہیں بچتا یہ سب محبت کے اظہار ہیں..... پھر یہی محبت اگر اپنے وطن سے ہو جائے..... ایک بڑے مقصد کیلئے وہ مقصد لے کر چلے تو اس کی محبت ایک انسان تک محدود نہیں رہتی..... وہ بے شمار انسانوں کیلئے ہوتی ہے۔ ان انسانوں کیلئے جن سے اسے کچھ بھی حاصل ہونے کی توقع نہیں..... یہی وہ پہلو ہے جس میں کوئی ریٹرن نہیں بنا کسی مفاد کے محبت کرنا' محبت کو ماورائی بنا دیتا ہے۔ میں یہاں اس کی مثال اس طرح دوں گی کہ انسان اپنے عزیز رشتے داروں سے بے پناہ محبت کرتا ہے۔ لیکن ایک ماں کی محبت اپنے بچے کیلئے ماورائی ہوتی ہے وہ بنا کسی لالچ اور مفاد کے اس سے محبت کرتی ہے۔ یوں مامتا ایک عظیم اور لافانی رشتہ بن چکا ہے ممکن ہے آپ پر میں واضح کر سکی ہوں کہ میں ایک انسانی رشتے پر عظیم مقصد کے حق میں کیوں ہوں..... محبت وہ قوت بھی ہے جس کی وجہ سے انسان ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتا ہے۔ میں یہاں انسان اور اس کے پروردگار کی محبت کو زیر بحث اس لئے نہیں لائی کہ یہ بہرحال ایک الگ سا معاملہ ہے۔

اب میں آپ کی دوسری بات کی طرف آتی ہوں کہ میں محبت کو کیا سمجھتی ہوں۔ تو سمجھ لیں کہ میرے نزدیک محبت کی ماہیت پانی کی مانند ہے۔ پانی.....! جو زندگی کی علامت ہے..... بے رنگ..... بے بُو..... بے ذائقہ..... مطلب وہ ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ وہ اپنے ہونے کا احساس بھی دیتا ہے لیکن آپ اس کی تشریح نہیں کر سکتے.....! آپ H_2O کہہ کر اس کے اجزاء تو گن سکتے ہیں لیکن اس کی تشریح بالکل اسی طرح نہیں کر سکتے جیسے محبت کی نہیں کر سکتے..... اب یہ پانی جس برتن میں جاتا ہے' ویسی ہی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں جس طرح کا وجود ہو گا' محبت بھی ویسی صورت اختیار کر لے گی۔ ایک شہوانیت سے بھرا ہوا وجود..... جب محبت اس میں جائے گی تو اس کی طلب فقط جسم تک محدود ہو گی۔ لیکن اگر وجود میں غلاظت نہیں ہے..... پاکیزگی' صاف شفاف ہے تو یہی محبت اسے پاکیزگی کی رفعتوں کی جانب لے جائے گی۔ یوں محبت کا اظہار'

وجود کی مرہونِ منت ہے۔ جیسا وجود ہوگا، محبت کا اظہار ویسا ہی ہوگا۔ اگر ہم اپنے وجود میں جھانک سکتے ہیں۔ اپنے من میں اتر جانے کی ہم میں صلاحیت ہے تو ہم اپنے اندر پڑی ہوئی محبت کو بہت غور سے دیکھ سکتے ہیں۔

اب آپ دیکھ سکتے ہیں کہ آپ کے اندر کس طرح کی محبت ہے۔ اس سے آپ کو محبت کے سمجھنے میں بہت آسانی ہوگی..... ہاں اس ضمن میں اگر آپ مجھ سے مزید بات کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ میں آپ کی میل کا انتظار کروں گی..... فقط مہوش فاطمہ.....

اس نے یہ لکھا اور گہری سانس لے کر اپنی انگلیاں سہلانے لگی۔ وہ اس میل کو دوبارہ سے نہیں پڑھنا چاہتی تھی۔ کیونکہ اسے معلوم تھا کہ کوئی نہ کوئی درستگی اسے کرنا پڑ ہی جائے گی اور پھر سب کچھ درست نہیں لکھنا تھا' ورنہ پھر رابطہ وہ کیسے کرتا؟ وہ دھیرے سے مسکرائی اور میل کو بھیج دیا۔ تبھی اس نے کمپیوٹر آف کیا اور وہاں سے اٹھ گئی۔ اسے یونیورسٹی پہنچنا تھا۔

☆☆☆

اس وقت علی اصغر اپنے آفس پہنچا تھا۔ ابھی اس نے اپنا بیگ نہیں رکھا تھا اور نہ ہی وہ اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے فون جیب سے نکالا اور اس کی سکرین پر دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک نرم سی مسکراہٹ آ گئی اور پھر کال رسیو کرتے ہوئے کہا۔

''جی محترمہ فائزہ.....! آج اتنی صبح صبح مجھے یاد کر لیا.....؟'' اس کے لہجے میں ہلکی سی خوشی تھی۔

''آپ کی صبح تو اب ہوئی ہوگی جناب لیکن اپنا تو آدھا دن گزر چکا ہے۔ پتہ ہے گیارہ بج رہے ہیں۔''

''جی معلوم ہے۔ فرمائیں.....!'' علی نے اچانک سنجیدگی سے کہا۔

''میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی کہ آپ آفس میں ہی ہیں؟'' فائزہ کے لہجے میں بھی سنجیدگی برقرار رہی

''جی.....! میں اس وقت آفس میں ہی ہوں۔'' اس نے تیزی سے کہا۔

''اور یقیناً ابھی کچھ اور وقت تک بیٹھیں گے؟'' فائزہ نے اس کے جواب میں دھیرے سے پوچھا۔

''جی.....! بالکل.....'' علی بھی اختصار پر اتر آیا۔

''تو محترم علی اصغر صاحب.....! میں آپ سے ملنا چاہ رہی تھی۔ اگر آپ مصروف نہیں ہیں تو میں آ جاؤں؟'' اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''خوش آمدید.....! جب چاہیں..... آ جائیں..... اگرچہ آج مجھے دفتر سے باہر کی کوئی مصروفیت نہیں ہے تاہم اگر ایسا ہوتا بھی تو میں آپ کا انتظار کرتا..... آپ پلیز تشریف لے آئیں۔'' علی نے خوش دلی سے کہا۔

''ٹھیک ہے' میں اب سے تقریباً ایک گھنٹے بعد آپ کے آفس میں آؤں گی۔ تفصیلی باتیں وہیں پر ہوں گی.....'' فائزہ نے حتمی انداز میں کہا اور الوداعی کلمات کے بعد فون بند کر دیا۔ علی نے فون کو ایک نظر دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے فون میز پر رکھ دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے میں اس نے اپنا معمول کا کام نمٹا لیا تھا۔ وہ لاشعوری طور پر فائزہ کا انتظار کر رہا تھا۔

وہ کسی بھی وقت آ سکتی تھی اس لئے اس کے انداز میں تیزی تھی۔ انہی لمحوں میں فائزہ آ گئی.....

''مجھے زیادہ دیر تو نہیں ہوئی؟'' اس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''نہیں.....! ویسے آپ کو دوبارہ اپنے آفس میں دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی ہے۔'' علی نے پورے دل سے کہا تو فائزہ نے اپنی دھیمی سمکراہٹ کے ساتھ کہا۔

''بہت شکریہ علی اصغر صاحب۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہی پھر بہت ہی پراعتماد لہجے میں بولی۔

''میں آپ کے آفس میں چند دن پہلے آئی تھی اور ہمارے درمیان ایک پراجیکٹ کے بارے میں تفصیل سے باتیں ہوئی تھیں۔''

''جی بالکل.....! اور میں نے آپ سے مدد بھی چاہی تھی۔'' علی اصغر نے فراخ دلی سے کہا۔

''دراصل علی صاحب.....! میں اپنے کام میں دیانتداری کی قائل ہوں اور میرے خیال میں آپ بھی اس بات کو مانیں گے کہ ایسا ہی ہونا چاہئے۔'' فائزہ نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا۔

''جی بالکل.....! ایسا ہی ہونا چاہئے۔'' علی نے اس کی تائید کی۔

''اور دوسری بات یہ ہے کہ وعدہ اتنا ہی کرنا چاہئے' جتنا بندہ نبھا سکے۔'' فائزہ نے کہا تو اس پر علی خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ تب فائزہ نے اپنی بات جاری رکھی۔ میں آپ سے تعاون ضرور کروں گی لیکن ایسا نہیں جو لانگ ٹرم میں ہو..... مطلب..... آپ یا زوہیب یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں اس پراجیکٹ کی نگرانی کروں گی تو پلیز، میں ایسا نہیں کر سکتی.....''

''تو اس کا مطلب ہے آپ ہمارے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر رہی ہیں۔'' علی نے انتہائی مایوسی بھرے لہجے میں کہا۔

''بالکل نہیں.....! میں آپ کے ساتھ مشوروں میں شامل رہوں گی..... اس کے علاوہ آپ جو مجھ پر تھوڑی بہت ذمہ داری ڈالیں گے اسے نبھاؤں گی..... مطلب شارٹ ٹرم میں۔ اب دیکھیں.....! آپ کو نصاب کی ضرورت ہے میں اس کی ذمہ داری لیتی ہوں..... میں وہ تیار کروا کے آپ کو دے دوں گی۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے محترمہ فائزہ کہ آپ نے بالکل ابتدائی وقت میں ہمیں بتا دیا ظاہر ہے آپ کی مصروفیات ہوں گی۔ وہ ڈسٹرب ہو سکتی ہیں۔ لیکن.....! میں..... میں..... یہ چاہ رہا تھا کہ..... آپ جتنا وقت اِس پراجیکٹ کو دیں گی ہم اتنا..... میرا مطلب ہے..... آپ کو محسوس نہیں ہوگا کہ آپ کا وقت ضائع ہوا ہے..... ہم آپ کو باقاعدہ..... اعزازیہ.....'' علی بمشکل کہہ رہا تھا کہ فائزہ نے اس کی بات ٹوکتے ہوئے کہا۔

''آپ کو کہنے میں تھوڑا مشکل ہو رہی ہے۔ میں کہہ دیتی ہوں کہ آپ میرے کام کے عوض تنخواہ بھی دیں گے۔'' فائزہ نے اس کی مشکل حل کر دی۔

''جی.....! بالکل' ظاہر ہے.....''

''وہ آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔ آپ اس پراجیکٹ کی نگرانی پر جس کو بھی مامور کریں گے۔ جتنی تنخواہ پر بھی رکھیں گے وہ میں دیا کروں گی..... میں سمجھتی ہوں کہ اس سماجی کام میں یوں میرا حصہ بھی ہو جائے گا۔''

فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو علی دھیرے سے ہنس دیا۔

''میڈم.....! یہاں روپے پیسے کی کمی نہیں ہے۔ ہمیں اس افرادی قوت کی ضرورت ہے جو مخلص ہو..... ہم نے یہ سوچ کر آپ کو.....'' علی نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا اور فائزہ کی جانب دیکھا۔

''لیکن آپ نے یہ نہیں سوچا کہ میری مصروفیت بھی تو ہو سکتی ہے یا تو میں یونیورسٹی چھوڑوں.....'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں ایسا تو نہیں.....'' علی نے کہا اور پھر مسکراتے ہوئے اچانک خوشگوار لہجے میں بولا۔ ''ٹھیک ہے ' آپ نصاب ترتیب دلائیں..... ہمیں یہی خوشی ہے کہ آپ ہمارے ساتھ کم از کم مشوروں میں تو شامل رہیں گی..... یہی بہت بڑی بات ہے۔''

''ٹھیک ہے علی صاحب.....! میں چند دنوں میں آپ کو بتاؤں گی..... بلکہ آپ کی ملاقات چند ماہرین تعلیم سے کراؤں گی جو نصاب ترتیب دیں گے۔'' فائزہ نے خوشدلی سے کہا۔

''کیا ایسا نہیں ہو سکتا میڈم کہ ہم ایک دن طے کر لیں' مطلب ایک ہفتے کے بعد ملاقات یا سمجھ لیں میٹنگ' اس میں دھیرے دھیرے دوسرے لوگ بھی شامل ہوتے چلے جائیں گے۔'' علی نے خوشگواریت سے کہا۔

''ویسے میرا خیال کچھ اور ہے.....'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا.....؟'' علی نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''میری ایک رائے ہے' آپ اس سے اتفاق کریں یا نہیں.....'' فائزہ نے کہا اور پھر انتہائی سنجیدگی سے بولی۔ ''کوئی بھی تحریک ہو یا کوئی بڑا مقصد..... یا جیسے آپ کا یہ پراجیکٹ..... اسے ایک مرکز کی ضرورت ہوتی ہے۔ آپ بہت سارے لوگوں کی سوچ سے اپنی سوچ نہ بنائیں۔ بلکہ اپنی سوچ کو مختلف لوگوں کے ذریعے باعمل بنائیں۔ ورنہ آپ انتشار کا شکار ہو جائیں گے۔''

''آپ کا مطلب ہے ڈکٹیٹر شپ.....؟'' علی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''نہیں.....! جمہوریت سے..... اب یہ مت کہئے گا کہ جمہوریت کوئی موم کی ناک ہے جسے جس طرف چاہیں موڑ دیں..... یا میں ڈکٹیٹر شپ کو جمہوریت کہہ کر اس کا مذاق اڑا رہی ہوں..... دراصل اس میں ذرا سا' بلکہ مہین سا فرق ہے..... وہ میں بتاتی ہوں.....'' فائزہ نے قدرے بے تکلفی سے کہا۔

''پلیز.....!'' علی ہمہ تن گوش ہوتے ہوئے بولا۔

''اب دیکھیں.....! بعض حقیقتیں ہوتی ہیں اور بعض محض تصورات..... حقیقت کو جھٹلایا نہیں جا سکتا اور تصورات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ جیسے ہمارے ملک کی سلامتی..... ایک حقیقت ہے۔ اب اگر جمہوری رویہ یہ کہے گا کہ دفاع پر خرچ نہیں کرنا چاہئے یا کم کرنا چاہئے..... تو حقیقت یہ ہے کہ یہ بات تسلیم نہیں کی جا سکتی..... اب یہ پوچھنے کی یا مشاورات کی ضرورت نہیں ہے کہ کیا' کیوں' کیسے.....؟ بس اس حقیقت کو تسلیم کر کے یہ کرنا ہے۔ مطلب سوچ یہ ہے کہ دفاع کو مضبوط سے مضبوط کرنا ہے تو اس سوچ کو باعمل کرنا ہے اور جہاں تک

تصورات کی بات ہے کہ تو اس کیلئے مشاورت کی جا سکتی ہے۔ وہ بھی فیصلہ کر لینے تک اور پھر جب فیصلہ ہو جائے تو اسے باعمل بنانا ہے۔ آپ فیصلہ کر چکے ہیں اور اپنا مقصد حاصل کرنے کیلئے لوگوں کی رائے لے سکتے ہیں۔ اگر جمہوری رویہ آپ کو اپنے ٹریک سے ہٹا دے تو.....'' فائزہ نے تفصیل سے کہا تو علی سوچ میں پڑ گیا۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا ہے محترمہ.....!'' اس کے لہجے میں سوچ گھلی ہوئی تھی۔'' مجھے یہ نہیں سوچنا کہ میں اپنے مقصد تک' اپنے ٹارگٹ تک کیسے پہنچوں' بلکہ میری سوچ یہ ہونی چاہئے کہ مجھے میرے ٹارگٹ تک کون لوگ لے جا سکتے ہیں.....''

''بالکل.....! اب اس میں مشکل صرف یہی ہے کہ درست لوگوں کی چھان پھٹک..... وہ ہو جائے تو آپ انتہائی تیزی سے اپنے مقصد یا ٹارگٹ تک پہنچ سکتے ہیں۔ بہت ساری آراء آپ کو منتشر کر دے گی.....''

''کیا آپ اس کی تھوڑی وضاحت کر سکتی ہیں۔'' علی نے کہا۔

''دیکھیں.....! ہم جب بھی کسی ٹارگٹ تک پہنچنے کیلئے اپنے سفر کا آغاز کرتے ہیں تو ہمارے سامنے بہت سارے راستے ہوتے ہیں۔ بہت سارے لوگ شارٹ کٹ کا راستہ اپناتے ہیں۔ اب یہ ہماری مرضی ہوتی ہے کہ ہم کونسا راستہ اپنائیں۔ جس طرح میں نے کہا کہ اکثر لوگ شارٹ کٹ اپناتے ہیں جو بلاشبہ خطرات سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ جس سے آپ کا مقصد فوت ہو سکتا ہے۔ لیکن وہ لمبا راستہ جو محفوظ بھی ہو..... اور اس راہ پر سفر کو محفوظ بنانے کیلئے ہدایات بھی درج ہوں تو میرے خیال میں وہ درست ہوتا ہے۔ آپ لوگوں کا جم غفیر اکٹھا کر سکتے ہیں۔ اتنی ساری سوچوں میں آپ کی سوچ کمزور پڑ سکتی ہے۔ آپ اپنے فیصلے کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں..... اور وہ مقصد جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں' اس کے سارے ثمرات اسی طرح سے آپ کو نہ مل سکیں جیسا آپ چاہتے ہیں.....''

''کہیں آپ مجھے مایوس تو نہیں کر رہی ہیں.....؟'' علی نے قہقہہ لگاتے ہوئے مذاق میں ایک بڑی بات کہہ دی.....''

''میری بات کا جواب آپ نے خود دے دیا۔ شک یا تذبذب بہت سارے مضبوط فیصلوں کو دیمک کی مانند کھا جاتا ہے مسٹر علی.....! میں آپ کو مایوس نہیں کر رہی ہوں بلکہ حقیقت کا زادِ راہ آپ کے پلے میں باندھ رہی ہوں..... اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ایک دوسرے طریقے سے بھی یہی بات بتا سکتی ہوں.....''

''چلیں بتائیں..... میں پورے حواس سے سن رہا ہوں۔'' علی نے دلچسپی سے کہا۔

''اب تک معلوم دنیا میں جتنے بھی نظام' جتنی بھی تحریکیں اور جتنے بھی انقلاب آئے ہیں۔ وہ ایک خاص اٹھان تک جاتے ہیں اور پھر ان کا زوال شروع ہو جاتا ہے ایسا کیوں ہے.....؟'' فائزہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ بتائیں.....؟'' علی نے دھیرے سے کہا۔

''اس کی اٹھان میں خلوص نیت کی قوت ہوتی ہے۔ یہ قوت جس قدر زیادہ ہو گی وہ تحریک' نظام یا انقلاب اتنی ہی اٹھان تک جائے گا..... لیکن پھر جیسے ہی خلوص نیت کی قوت کمزور پڑے گی' زوال آ جائے گا۔

خلوص نیت سے فطری طور پر مرکزیت آتی ہے۔''

''میں آپ کی بات سمجھ گیا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ انتہائی سادہ لفظوں میں اگر آپ کی بات کا لب لباب بیان کرنا چاہوں تو یہ ہوگا کہ میں اپنی توجہ اپنے پراجیکٹ پر دوں۔ پورے دھیان سے اپنی منزل کی جانب بڑھوں۔''

''بالکل.....! کسی بھی مقصد کے حصول کیلئے انتشار زہر قاتل کی سی حیثیت رکھتا ہے۔'' فائزہ نے حتمی انداز میں کہا۔

''آپ کی بات بالکل بجا ہے۔ جیسے ہم پاکستانی قوم اس وقت چند لسانی' صوبائی عصبیت جیسے انتشار میں مبتلا ہیں۔ اگر یہ دور ہو جائے تو..... سب ٹھیک ہوسکتا ہے۔ ہم ایک ترقی یافتہ قوم بن سکتے ہیں۔'' علی نے بات آگے بڑھائی.....

''کیا نہیں ہے ہمارے پاس..... لیکن پھر بھی آئے دن کسی نہ کسی بحران کا شکار رہتے ہیں۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے کہ ہم پہلے حقوق کی بات کرتے ہیں' پھر فرائض کے بارے میں سوچتے ہیں۔ حالانکہ ہونا اس کے برعکس چاہئے۔'' یہ کہہ کر فائزہ نے چونکتے ہوئے کہا۔ ''خیر.....! بات کہاں سے کہاں نکل گئی.....''

''چلیں.....! یہ تو بہت اچھا ہوا..... اب یہ طے ہے کہ آپ ہر ہفتے میں ہمیں تھوڑا سا وقت دیں گی تاکہ ہم پورے خلوص سے آگے بڑھ سکیں.....؟ علی نے کہا تو فائزہ نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''میں ماہرین تعلیم کو اس لئے آپ سے ملوانا چاہتی ہوں کہ آپ انہیں اپنے مقاصد بتائیں اپنی انہی مقاصد کو حاصل کرنے کیلئے نصاب ترتیب دیا جاسکے گا۔ مطلب اہمیت نصاب کی نہیں ہے' مقاصد کی ہے۔''

''بالکل ایسا ہی ہونا چاہئے۔ میں انتظار کروں گا.....'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اپنی میز تک گیا۔ وہاں سے اس نے چیک بک نکالی اور فائزہ کے قریب آکر بولا۔ ''پلیز.....! آپ بتائے گا کہ اس پر اندازاً کتنا خرچ آئے گا۔ وہ میں آپ کی نذر کرتا ہوں۔ بعد میں آپ کو مزید.....''

''نہیں علی صاحب.....! ایسا نہیں ہے۔ میں یہ سب آپ کو تحفے میں دوں گی..... میرا یہ تحفہ قبول کیجئے گا۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو علی ایک دم سے چونک گیا۔ اس نے چند لمحے سوچا اور پھر مسکرا کر چیک بک بند کرتے ہوئے میز پر پھینک دی اور بولا۔

''جیسے آپ کی مرضی.....! اب آپ ایک کپ کافی تو پئیں گی نا میرے ساتھ.....'' علی نے ہنستے ہوئے کہا تو فائزہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

فائزہ کو گئے ہوئے تھوڑا وقت ہوگیا تھا لیکن علی اب تک اس کی باتوں کے سحر میں کھویا ہوا تھا۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اگر زوہیب اس کی تعریف کرتا تھا تو ٹھیک کرتا تھا۔ چونکہ پہلے وہ اس سے ملا نہیں تھا اس لئے اسے زوہیب کی تعریف محض ایک فسانہ لگتی تھی۔ وہ یہی سمجھتا تھا کہ وہ ایک لڑکی ہے اور زوہیب اس کی یونہی تعریفیں کرتا رہتا ہے۔ کتنا اعتماد ہے اس کی گفتگو میں..... نجانے یہ اعتماد کہاں سے آیا ہے۔ یہی سوچتے ہوئے اس نے فون کا رسیور اٹھایا اور زوہیب کا نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''جی میری جان.....! بولو.....؟'' زوہیب کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی تو وہ چونک اٹھا اور پوچھا۔

''ارے.....! بہت خوش دکھائی دے رہے ہو.....''

''کیا مجھے خوش نہیں ہونا چاہئے۔'' زوہیب نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔

''ارے کیوں نہیں کیا میں تجھے خوش دیکھنا نہیں چاہتا.....؟'' علی نے بھی اسی کے انداز میں کہا تو وہ ہنس دیا اور بولا.....

''یار اس وقت میں بہت خوش ہوں۔ کیونکہ بات ہی خوشی کی ہے.....''

''میں بھی تو سنوں.....!'' علی نے تجسس سے پوچھا تو زوہیب چہکتے ہوئے بولا۔

''یار.....! میں نے تمہیں بتایا تھا کہ نا میرا مہوش فاطمہ سے رابطہ ہو گیا ہے۔''

''ہاں.....! بتایا تھا..... کیا وہ ملاقات پر راضی ہو گئی ہے۔''

''ارے نہیں بدھو.....! یہ بات نہیں بلکہ بات یہ ہے کہ میں جس طرح کا اس سے رابطہ چاہ رہا تھا' اس نے ویسا ہی کیا۔ اس نے میری ای میل کا جواب دیا ہے جس میں بہت سارے سوالوں کا جواب بڑی تفصیل کے ساتھ ہے۔''

''کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا.....! اور وہ بھی مرا ہوا.....'' علی نے زیر لب تبصرہ کرتے ہوئے کہا جسے زوہیب نے سن لیا اور پھر بولا۔

''ایسا نہیں ہے میری جان' تم نہیں سمجھ سکتے کہ یہ میرے لئے کتنا اہم ہے۔ خیر.....! تم بتاؤ کس لئے فون کیا تھا تم نے.....''

''میرے پاس تمہارے لئے کوئی اچھی خبر نہیں ہے۔'' اس نے مایوس کن لہجے میں کہا۔

''کیوں کیا بات ہے.....'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا تو علی نے قدرے اختصار کے ساتھ فائزہ کے آنے اور اس سے ہونے والی باتیں اسے بتائیں۔ زوہیب خاموش سے سنتا رہا اور پھر اگلے ہی لمحے اس نے کہا۔

''تو کوئی بات نہیں.....! اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے تمہیں اتنے اچھے مشورے دیئے اور آئندہ بھی اسی طرح کے رویے کا وعدہ کیا ہے۔ کوئی بات نہیں..... تم بہرحال اپنا کام جاری رکھو..... میں آ جاؤں گا نا تو سب سنبھال لوں گا.....''

''ٹھیک ہے.....! تو کیا میں اسی نقشے کے مطابق کام شروع کروا دوں.....؟''

''نہیں.....! ابھی چند دن ٹھہر جاؤ..... جب وہ ماہرین تعلیم کو لے کر آئے گی تو وہ نقشہ ان کے درمیان رکھ دینا وہ کچھ تو مشورہ دیں گے.....'' زوہیب نے کہا تو کچھ دیر پہلے ہونے والی فائزہ سے باتوں کی گونج علی کے ذہن میں آ گئی۔ یہ سب لمحوں میں ہوا۔ تبھی ایک سوچ اس کے ذہن میں سرسرائی۔ اس نے کہا۔

''نہیں.....! میں ایسا نہیں چاہتا..... میں آج ہی سے کام شروع کروا رہا ہوں۔ بلکہ ابھی سے۔ میرا نہیں خیال کہ اسے زیادہ دیر تک روکا جا سکے۔'' اس کے یوں کہنے پر زوہیب کی طرف سے چند لمحے خاموشی رہی

اور پھر اس نے کہا۔

''ٹھیک ہے جیسا تم چاہو..... تم بہتر سمجھتے ہو کہ کیا کرنا ہے۔'' جیسے ہی زوہیب نے یہ کہا تو علی زیر لب مسکرا دیا۔ اس نے فائزہ کی بات کا تجربہ اس وقت کر لیا۔ اس نے الوداعی باتیں کیں اور پھر رسیور رکھ دیا۔ چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد اس نے کنٹرکشن کمپنی کے مالک کو فون کرنے کیلئے رسیو اٹھا لیا..... علی کو ایک لائحہ عمل مل گیا تھا۔

☆☆☆

اس وقت رات ابھی اتنی گہری نہیں ہوئی تھی۔ دوبئ شہر جگمگا رہا تھا۔ بلال اور زوہیب گاڑی میں بیٹھے ہوئے خاموش تھے۔ بلال کا ڈرائیور گاڑی چلا رہا تھا۔ وہ دونوں باہر کی سمت دیکھ رہے تھے۔ روشنی لگے پول گزرتے چلے جا رہے تھے اور دونوں اپنی اپنی جگہ اتنی ہی تیزی سے سوچ رہے تھے۔ یہاں تک کہ ایئر پورٹ کی عمارت دور سے دکھائی دینے لگی تو بلال نے افسردہ سے لہجے میں کہا۔

''ہم وقت پر پہنچ گئے ہیں۔''

''ہاں.....! میرے خیال میں ایسا ہی ہے۔'' زوہیب بے خیالی میں بولا۔ تو ان دونوں میں پھر سے خاموشی چھا گئی..... یہاں تک کہ وہ ایئر پورٹ کی عمارت کے بالکل قریب پہنچ گئے۔

''اب دیکھو.....! ایک مہینے کا مطلب' ایک مہینہ ہی ہے۔'' زوہیب نے اسے یاد دلایا۔

''ہاں.....! میں جانتا ہوں.....'' بلال نے مختصر سے انداز میں جواب دیا۔

''میں ان دنوں میں سب کچھ سنبھال لوں گا..... تم نے وہاں جا کر جائزہ بھی لینا ہے۔ میں نے جو سوچا ہے تمہیں بتا دیا۔ اب تم نے اپنے نکتہ نگاہ سے.....'' زوہیب کہتے کہتے خاموش ہو گیا..... یہی باتیں وہ نجانے کتنی بار کر چکے تھے۔ شاید ایک دوسرے کو یاد دہانی کروا رہے تھے۔ ان کا ڈرائیور سامان قریب لا چکا تھا..... پھر ان میں یہ خاموشی طویل ہو گئی..... جیسے وہ اپنے اپنے طور پر ساری کی گئی باتوں کو اپنے ہی ذہن میں دہرا رہے ہوں..... یہاں تک کہ فلائیٹ جانے کا وقت ہو گیا۔ پھر بلال پاکستان کیلئے فلائی کر گیا۔

ایئر پورٹ سے واپسی پر ڈرائیور گاڑی بھگائے لے جا رہا تھا۔ زوہیب اگرچہ باہر کی جانب دیکھ رہا تھا لیکن اس کا ذہن ان مناظر میں نہیں تھا۔ اسے بلال کے یوں جانے کا دکھ ہو رہا تھا۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس نے خود بلال کو دوبئ سے دھکیلا ہو..... لیکن یہ بہت ضروری تھا۔ اتنے سال ایک ساتھ کام کرتے ہوئے انہیں خیال ہی نہیں آیا تھا کہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے لوگ بھی ہیں جو ان کا خیال کرتے ہیں۔ انہیں ضرورت ہے۔ زوہیب نے جو تین ماہ اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارے تھے۔ واپس آ کر اسے یوں لگا جیسے وہ بلال کے ساتھ بہت بڑی زیادتی کر رہا ہو..... اگرچہ ایسا تھا نہیں وہ خود ہی زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی دھن میں دوبئ میں مقیم تھا۔ اپنے بال بچوں سے دور' دیار غیر میں انسان بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے جبکہ اس نے تو راز پا لیا تھا۔ اسے اب دولت کی اتنی ہوس نہیں رہی تھی سو اب وہ بلال کو چانس دینا چاہتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے یہ احساس بھی تھا کہ اب وہ اس سے جدا ہو جائے گا۔ وہ پاکستان سے آئے گا تو میں پاکستان چلا

جاؤں گا اور ان کی ملاقات میں ایک طویل دورانیہ آ جائے گا۔ وہ تو پھر انسان ہے' بندہ تو بے جان چیز سے بھی محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی سوچتے ہوئے اچانک اسے مہوش فاطمہ یاد آ گئی..... اس نے ایک طویل جواب بھیجا تھا۔ میل جب اس نے پڑھا تو خوشی میں یہ بھول گیا کہ اس میں کونسی بات اس کی سمجھ میں آئی ہے اور کون سی نہیں۔ کس کس بات پر اس کے نظریے سے اختلاف ہوسکتا تھا..... اور کون سی بات مانی جاسکتی تھی۔ پھر اس نے بار بار پڑھا۔ یہاں تک کہ کئی دن وہ ایک ہی میل پڑھتا رہا۔ دھیرے دھیرے وہ ساری باتوں سے متفق ہوتا گیا لیکن ایک بات اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کا جواب لکھے مگر پہلے وہ خود مطمئن ہونا چاہتا تھا۔ آج اس نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ میل بھیجے گا' مگر اسے وقت نہیں ملا۔ بلال نے آج جانا تھا۔

بلال کے ڈرائیور نے اس بلڈنگ کے سامنے گاڑی روکی جس میں اس کا اپارٹمنٹ تھا۔ وہ اترا اور لفٹ کی جانب بڑھ گیا۔ اس نے پلٹ کر یہ بھی دیکھنے کی زحمت نہیں کی کہ ڈرائیور چلا گیا ہے یا نہیں..... کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے اپارٹمنٹ میں تھا اور پھر ایزی ہو کر کمپیوٹر کے سامنے آ بیٹھا..... وہ میل لکھنا چاہتا تھا۔ اس نے چند لمحے اپنے خیالات کو جمع کیا اور پھر لکھنے لگا۔

آپ کی ساری باتیں درست ہیں..... آپ کے نظریات ہیں..... میں انہیں رد نہیں کرتا اور نہ ہی مجھے ایسا کوئی اختیار ہے لیکن ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ اگر آپ بتا دیں تو مجھے سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ وہ بات یہ ہے کہ جب انسان محبت میں آ جاتا ہے۔ بقول آپ کے اس میں قوت تحریک پیدا ہو جاتی ہے تو اسے بھی تو کوئی مرکزیت چاہئے ہوتی ہے۔ اگر وہ ایک انسان سے محبت کرتا ہے تو اسی ایک انسان کیلئے ساری کوششیں کرنا آپ کے خیال میں کیا ہے؟ میں مانتا ہوں کہ آپ کی کہانیوں میں یہیں کہیں سے ابتداء ہوتی ہے کہ ایک انسان دوسرے کو ملتا ہے محبت ہوتی ہے اور پھر وہ اعلیٰ مقاصد کے حصول کیلئے ڈٹ جاتے ہیں..... ایک انسان کی محبت جب دوسرے انسان سے ہوتی ہے تو وہ ایک اعلیٰ مقصد کی طرف گامزن ہو جاتا ہے۔ آپ نے اسی ٹرن پوائنٹ پر بہت کچھ کہا ہے اور کہتی چلی جا رہی ہیں ماسوائے اس تازہ کہانی کے جو آپ نے آخر میں دی ہے۔ آخر ایسا ہوتا کیا ہے انسان بدل جاتا ہے؟ میری مراد حقیقت سے ہے۔ کہانیوں یا افسانوں میں آپ کے کردار آپ کی سوچ کے تابع ہوتے ہیں۔ آپ جس طرح چاہیں انہیں موڑ سکتی ہیں۔ یہ لفظوں کی بازی گری ہے نا کہ جو چاہیں' وہ صفحہ قرطاس پر پھیل جاتا ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ اس کی عملی صورت حقیقی دنیا میں بھی ہے؟ اور تیسری بات جو میں آپ سے پوچھنا چاہ رہا ہوں کہ اگر میں خود کو کسی لڑکی کی محبت میں اپنے آپ کو محسوس کروں تو مجھے کیا کرنا چاہئے.....؟ کیا میں اسے سیدھا سبھاؤ یہ کہہ دوں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں..... یا پھر میں اسے نظر انداز کر کے اپنے اس مقصد کی طرف دھیان دوں جس کیلئے میں کام کر رہا ہوں..... ایک اعلیٰ مقصد بہرحال میرے پاس ہے..... بتائیے اس صورت حال میں میرا فیصلہ کیا ہونا چاہئے؟

ممکن ہے میری ان باتوں سے آپ کو کسی کہانی کا پلاٹ مل جائے یا سرے سے یہ بکواس ہو..... لیکن جو کچھ بھی ہے' میں یہ ضرور چاہوں گا کہ آپ اس پر کچھ تھوڑا بہت ہی اظہار کریں۔ مجھے آپ کے وقت کا احساس ہے جو بہرحال بہت قیمتی ہے۔ اب میں یہ آپ سے نہیں پوچھوں گا کہ لکھنے کے علاوہ آپ کیا کرتی ہیں میں

آپ کی طرف سے جواب کا منتظر رہوں گا۔

زوہیب نے یہ سب لکھا..... ایک نگاہ دوبارہ ڈالی اور پھر اس میل کو بھیج دیا۔ وہ چند لمحے یونہی بیٹھا رہا جیسے یہ سب لکھ کر اپنے آپ کو خالی محسوس کر رہا ہو..... پھر اٹھا اور اپنے بیڈ پر چلا گیا۔ وہ اب کچھ نہیں سوچنا چاہ رہا تھا۔ لہٰذا سونے کی کوشش کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد اس کی یہ کوشش بارآور ثابت ہوگئی۔

☆☆☆

فائزہ حسن نے اس دن اپنی نئی کہانی پوسٹ کی تھی۔ اس بار اسے کہانی لکھنے میں اتنا زیادہ وقت نہیں لگا تھا۔ اس دفعہ تھوڑے عرصے میں کہانی لکھ لینے کی وجہ اس کے قارئین تھے۔ جن سے اس کا رابطہ ہوگیا تھا۔ زوہیب کے ساتھ تو معاملات ہی کچھ اور طرح کے تھے لیکن دیگر قارئین بھی اس کیلئے بہت اہم ثابت ہوئے تھے۔ اسے اپنی تحریر کے ان خلاؤں کی نشاندہی ملی تھی جو اس کی نگاہ سے اوجھل تھے اور اس کے قارئین چاہتے تھے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اس کیلئے بہت اہم ثابت ہوئیں تھیں۔ یہ باتیں اس کیلئے سوچنے کی بنیاد ثابت ہوئی تھیں۔ وہ ایک بات کو لیتی اور اس پر سوچتی' پھر بات سے بات نکل کر ایک خاص نکتے تک پہنچ جاتی۔ ہم ہمیشہ بڑی بڑی باتوں کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ فلسفیانہ تھیوری کو سمجھنے میں ہلکان ہو جاتے ہیں۔ پھر اس کی تشریح اپنی سمجھ بوجھ کے حساب سے کر کے خوش ہوتے ہیں کہ جیسے ہم نے بہت سے اہم راز پا لئے جبکہ ہمارے اردگرد اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جنہیں اگر ہم غور سے دیکھیں اور دل سے محسوس کریں تو زندگی میں انقلاب آ سکتا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ بہت سارے اقسام کے پتھروں کو ایک طرف رکھ کے ہیروں کی تلاش میں رہتا ہے۔ اگرچہ یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ انسان کو بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہنا چاہئے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حاصل شدہ چیزوں سے صرف نظر کر کے' ان سے استفادہ کرنے کی بجائے' ان چیزوں کی تلاش میں رہے جو شاید اسے ملیں گی بھی نہیں..... یا شاید ان کا وجود بھی ہے یا نہیں۔

فائزہ مذہب کو ثانوی حیثیت نہیں دیتی تھی بلکہ زندگی کی بنیاد میں اسے اپنا دین بہت عزیز تھا۔ اسے اس بات پر فخر تھا کہ اس کے پاس منبع نور ہے' جہاں سے وہ جیسی چاہے روشنی لے سکتی تھی۔ اس نے جب بھی کسی فلسفیانہ تھیوری کو پرکھا' جانچا اور کھولا تو اس کے ڈانڈے کہیں نہ کہیں جا کر اس روشنی سے مستعار دکھائی دیتے۔ نطشے نے اگر اپنا سپرمین تخلیق کیا تھا تو پھر ایک خاص حد تک جا کر وہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔ کیونکہ اس کے اندر وہ روشنی نہیں تھی جس میں وہ اپنے آپ کو پرکھ سکتا۔ اسی خیال کو جب اقبال نے دیکھا' تب اسے معلوم ہوا کہ یہ روشنی وہیں سے پھوٹی ہے۔ وہ اس روشنی میں چلا اور مردِ مومن کی تھیوری تک پہنچا۔ جو اک نئی بات نہیں تھی لیکن اس نے اپنے انداز میں لوگوں کو بتا دیا۔

فائزہ اس وقت بہت عجیب سا محسوس کرتی تھی کہ جب بہت سارے لوگ ان لوگوں کی تھیوریاں بیان کر کے خوش ہوتے تھے جو خود اندھیرے میں تھے۔ وہ انسان کو سمجھنے میں انتہائی انتشار کا شکار تھے۔ وہ اپنی کہی ہوئی بات کی نفی کرتے ہوئے نجانے کہاں سے کہاں بھٹک جاتے تھے۔ اس نے جب انسان کو اپنا موضوع بنایا تھا تو دنیا کے بہت سارے مفکرین کو پڑھا۔ ان کے خیالات جان کر اس کی آنکھیں خیرہ ہو جایا کرتی تھیں۔

انسانی زندگی کے نجانے کتنے پہلو ان کے سامنے روشن ہوتے۔ کہیں ایک خاص قسم کا اطمینان اسے حاصل نہیں ہو رہا تھا۔ ایسا سکون جو اسے مطمئن کر دے کہ واقعی انسان کی بنیاد یہ ہے..... ایسی کوئی تھیوری اسے میسر نہیں آ رہی تھی۔ پھر اچانک اسے وہ گوہر نایاب مل گیا۔ اس نے ایک آیت پڑھی۔ ہم نے انسان کو بہترین تقویم پر پیدا کیا۔ یہ ایک ایسی بنیادی بات تھی جس نے اسے بہت زیادہ حوصلہ دیا۔ اسے ایک ایسا معیار مل گیا تھا جس کی وجہ سے وہ جو چاہتی سوچ سکتی تھی۔ اسے اتنا کچھ ملا کہ اپنی سوچ کے سہارے وہ پتہ نہیں کتنی تحریریں لکھ چکی تھی۔

فائزہ نے جب یہ آیت پڑھی تو بعض ایسے مفکرین کی وہ باتیں جو انسان سے مایوس ہو چکے تھے اور انسان کو اس کی خصلتوں کی وجہ سے اچھا نہیں گردانتے تھے' اس کے سامنے بے اہمیت ہو گئیں۔ ایسی باتیں اسی وقت ہوتی ہیں جب انسان خود اندھیرے میں ہو۔ اس کے پاس کوئی معیار نہ ہو..... اس آیت کے تناظر میں جب اس نے انسان کا تجزیہ کیا' اسے پرکھا اور اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کی تو اسے معلوم ہوا کہ انسان بنیادی طور پر اچھا ہے۔ س کے اندر موجود تمام تر صلاحیتیں مثبت ہیں۔ انسان جب اس دنیا میں پہلا سانس لیتا ہے تو وہ سرتاپا مثبت ہوتا ہے۔ یعنی اس کی پیدائش فطرت سلیمہ پر ہی ہوتی ہے۔ لیکن اس دنیا کا ماحول' یہاں پر موجود تعلیمات' افکار' انداز تربیت اسے کیا سے کیا کچھ بنا دیتے ہیں۔

فائزہ سوچ رہی تھی کہ ہم بڑی بڑی باتوں کے پیچھے بھاگتے ہیں لیکن اپنے اردگرد چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھول جاتے ہیں۔ انہی چھوٹی چھوٹی باتوں کو اگر ہم اپنا لیں تو زندگی کتنی سہل ہو جاتی ہے۔ ہم ایک بچے کی بے ریا مسکراہٹ پر نہیں سوچتے۔ ہم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ ہوا اور روشنی میں ہر انسان یکساں مستفید ہو رہا ہے۔ اس میں کہیں بھی تخصیص نہیں ہے۔ ایسا کیوں ہے..... ہم اپنے رویے میں کتنے مخلص ہیں کہ اپنے معاشرے کیلئے مفید ثابت ہونے میں ہماری کتنی کوشش ہے یہ اور ایسی کئی باتیں.....

''پھوپھو.....! آپ اس طرح کیوں گم سم بیٹھی ہیں..... خیریت تو ہے نا'' ثناء نے فائزہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا تو وہ چونک گئی..... اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

''بالکل خیریت ہے.....! بس یونہی سوچ رہی تھی۔ وہ جیسے کہتے ہیں کہ خیالات کے گھوڑے دوڑا رہی تھی..... جو سرپٹ بھاگتے ہی چلے جا رہے تھے۔''

''پھوپھو.....! میں آج آپ سے ایک بات کرنا چاہ رہی ہوں اگر آپ کے پاس وقت ہے تو؟''

ثناء نے معصومیت سے کہا تو اسے ایک دھچکہ سا لگا..... وہ بھی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنے والی ہے۔ اب ایک ہی چھت تلے رہنے والی وہ بھتیجی اس سے پوچھ رہی ہے کہ آپ کے پاس وقت ہوگا..... وہ تڑپ گئی..... کس قدر اجنبیت ہے۔

''بولو چندا.....! تمہیں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے ایسی کیا بات ہو گئی ہے۔'' فائزہ نے پیار بھرے لہجے میں اس کے بال سنوارتے ہوئے کہا۔

''ایسا کچھ ہو گیا ہے نا..... اسی لئے تو میں ایسے پوچھ رہی ہوں۔'' ثناء نے سنجیدگی سے کہا۔

''کیا بات ہے بولو.....'' فائزہ نے اسے پچکارتے ہوئے کہا۔

''پھوپھو.....! میں یہ جاننا چاہ رہی ہوں کہ آج کل آپ ہمیں وقت کیوں نہیں دیتی ہو..... یونیورسٹی سے آکر آپ اپنے کمرے میں چلی جاتی ہو..... اگر ہم آپ کو دیکھ پاتے ہیں تو صرف کھانے کی میز پر' جہاں پاپا ہوتے ہیں۔ ہم آپ سے کوئی بھی کھل کر بات نہیں کر سکتے اور پھر آپ اپنے کمرے میں بند ہو جاتی ہیں.....''

''بیٹا.....! آج کل مصروفیت کچھ زیادہ ہوگئی ہے.....'' یہ کہتے ہوئے اس کا لہجہ لرزہ کر رہ گیا۔ اس میں کہیں نہ کہیں کوئی ایسی بات تھی جس نے اس کی زبان کو لڑکھڑا دیا تھا۔

''میں مانتی ہوں..... آپ کو بہت زیادہ مصروفیت ہوگی..... لیکن یہ کیا کہ ہر وقت کمرے میں ہی گھسی رہیں۔ آج پتہ نہیں آپ یوں کس طرح لان میں آ بیٹھی ہیں۔'' ثناء نے قدرے شکوے سے کہا۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو..... لیکن یہ بتاؤ تم نے ایسا محسوس کیوں کیا۔'' فائزہ نے کہا تو اس کے لہجے میں شرمندگی گھلی ہوئی تھی۔

''پہلے آپ ہمیں وقت دیتی تھیں۔ اب ہمیں ہی نہیں گھر کے کسی فرد کو وقت نہیں دے پاتیں..... اور آپ کو معلوم ہے کہ میں آپ سے وہ باتیں کر لیتی ہوں جو ماما سے نہیں کرتی۔'' ثناء نے اس کی طرف دیکھ کر حسرت سے کہا۔

''سوری میری جان.....! آئندہ ایسا نہیں ہوگا..... اگر میں وقت نہ دے پاؤں تو تم زبردستی اپنا وقت لے لیا کرو.....! ٹھیک۔'' فائزہ نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو ثناء خوشی سے بولی۔

''بالکل ٹھیک.....''

''اچھا یہ سعد کہاں ہے.....؟'' فائزہ نے پوچھا۔

''اپنے کمرے میں ہے۔'' ثناء نے جلدی سے کہا۔

''اسے نکالو.....! اور تم دونوں تیار ہو جاؤ.....! میں بھی تیار ہو جاتی ہوں۔ آج ہم باہر گھوم پھر کے آئیں گے۔ تم چاہو تو اپنے لئے شاپنگ بھی کر لینا۔'' فائزہ نے کہا تو ثناء ایک دم سے خوش ہوگئی.....

اس وقت وہ تینوں گھر سے باہر جانے کیلئے پورچ میں تھے کہ منصور حسن آ گئے۔ انہوں نے اپنی گاڑی روکی اس میں سے نکلے اور خوشدلی سے پوچھا۔

''کہاں کی تیاری ہے؟''

''یونہی گھومنے پھرنے جا رہے ہیں۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے جاؤ لیکن جلدی آ جانا اور دھیان سے جانا۔'' انہوں نے یونہی عام سے انداز میں کہا۔

''نہیں.....! ہم آپ کی بات نہیں مانیں گے۔ ہم جی بھر کے گھومیں گے۔ شاپنگ کریں گے اور کھانا بھی کھا کر آئیں گے..... ہاں..... فون پر آپ سے رابطہ رہے گا اور ہم اپنی خیریت کی اطلاع دیتے رہیں گے۔'' فائزہ نے مسکراتے کہا تو ثناء قہقہہ لگا کر ہنس دی جیسے اس کے دل کی بات کہی گئی ہو.....

''اچھا بابا جاؤ..... لیکن یہ بات مانو گے کہ نہیں کہ اپنا خیال رکھنا۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہاں.....! یہ ہو سکتا ہے۔'' اس بار ثناء نے کہا تو اس کے پاپا جلدی سے اندر کی طرف چلے گئے۔ تو

وہ تینوں گاڑی میں آ بیٹھے۔ پھر گاڑی اور قہقہوں کی آواز کے معدوم ہو جانے سے وہ پورچ سنسنان ہو گیا۔

''ہاں بھئی بچو.....! اب بولو' آج کیا کرنا ہے۔'' فائزہ نے گاڑی کالونی سے نکال کر بڑی سڑک پر ڈالتے ہوئے پوچھا۔

''پھوپھو.....! مجھے تو کچھ کمپیوٹر پروگرامز کی سی ڈیز لینا ہے۔ ظاہر ہے جس کیلئے مارکیٹ جانا پڑے گا۔ اس کے بعد چاہیں تو آپ کھانا کھلا دیں..... میں نے تو یہی سوچا ہے۔''

''اور آپ ثناء.....؟'' فائزہ نے پچھلی نشست پر بیٹھی ہوئی ثناء سے پوچھا

''مارکیٹ تو جائیں گے ہی..... وہاں سے میں کچھ چیزیں خرید لوں گی..... پھر جو آپ چاہیں.....'' ثناء نے کہا تو فائزہ نے رفتار بڑھا دی۔ جلدی ہی وہ مارکیٹ پہنچ گئے۔

اس وقت رات کے تقریباً نو بج رہے تھے جب وہ لوگ واپس آئے۔ ڈرائنگ روم میں منصور حسن اور بھابی دونوں ان کا انتظار کر رہے تھے۔ بچوں کے چہروں پر پھوٹتی ہوئی خوشی دیکھ کر وہ دونوں خوش ہو گئے.....

''ماما.....! پاپا.....! بہت مزہ آیا۔'' سعد نے اندر آتے ہی اونچی آواز سے کہا

''ارے واہ.....! ہم بھی تو سنیں.....'' منصور حسن نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

''نہیں پاپا.....! پہلے آپ کھانا کھا لیں.....! ماما آپ بھی' پھر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔'' ثناء نے بڑے بوڑھیوں کی طرح کہا تو بھابی کو اس پر ڈھیروں پیار آنے لگا..... پھر بولیں۔

''ویسے تم لوگوں کو خیال کیسے آ گیا۔''

''ہم جب کھانا کھانے کیلئے بیٹھے تو آپ کا خیال آ گیا..... ہم نے آپ کو بہت مس کیا۔ اب ہمارے سامنے دو باتیں تھیں۔ آپ کو یہاں بلوا لیں یا پھر آپ کیلئے کھانا لے جائیں۔''

''سو آپ لوگوں نے فون کیا اور..... چلو جلدی بھوک لگی ہے بھئی.....'' منصور حسن نے تیزی سے کہا اور اٹھ گیا۔

اس وقت رات کے تقریباً گیارہ بج رہے تھے۔ فائزہ مغرب کی قضا پڑھنے کے بعد عشاء پڑھ چکی تھی۔ پھر اپنے معمولات سے فراغت کے بعد صوفے پر آ بیٹھی۔ اس نے جو سوچا تھا' اس کا تجربہ بھی اسے اسی دن ہو گیا تھا..... اس کی ذرا سی توجہ کے باعث' تھوڑا وقت دینے کی وجہ سے گھر بھر کو خوشیاں مل گئیں تھیں..... بچوں کے چہرے پر کتنی زندگی سے بھرپور مسکراہٹ تھی۔ یہ سوچ کر ہی اس کا من بھیگ گیا تھا..... اس کی ذرا سی توجہ کسی کو اتنی خوشی دے سکتی ہے؟ اتنی چھوٹی سی بات کا اسے احساس ہی نہیں تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ اس کی اس مسکراہٹ میں شرمندگی نہیں غفلت کا احساس تھا۔

اس نے ایک نگاہ کلاک پر ڈالی اور پھر کمپیوٹر کی طرف دیکھا۔ وہ تذبذب کا شکار ہو گئی۔ وہ کمپیوٹر چلائے یا نہیں..... پتہ نہیں آج بھی زوہیب کی میل آئی ہو گی یا نہیں.....؟ اس نے جو ایک طویل جواب اسے دیا تھا' ممکن ہے وہ اسی سے مطمئن ہو گیا ہو..... اور کوئی مزید بات اس کے پاس کہنے کیلئے نہ ہو..... مگر اس کا دل

نہیں مان رہا تھا کہ ایسے ہوگا۔ اگر وہ زوہیب سے نہ ملی ہوئی ہوتی تو شاید اسے امید نہ ہوتی۔ وہ چونکہ تھوڑا بہت اس کے بارے میں جان گئی تھی۔ اس لئے ہی اسے اندازہ تھا کہ زوہیب نے میل ضرور کرنا تھی۔ کیوں نہیں کی' اس کی وجہ کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ کیا وہ کمپیوٹر آن کر کے دیکھے یا نہیں.....؟ وہ چند لمحے یہی فیصلے کرنے میں گومگو کی کیفیت میں رہی اور پھر خود ہی مسکرا دی۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات تو نہیں تھی۔ دیکھ لینے میں کیا حرج کیا..... یہ کوئی انا کا مسئلہ تو نہیں ہے۔ اسے اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں پر ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں۔ خواہ مخواہ اپنے لئے مسئلہ بنا لیا اور وہ بھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر' یہ عقل مندی تو نہیں ہے۔ اب اگر وہ نہیں دیکھے گی تو خواہ مخواہ کی بے چینی رہے گی۔ دیکھ لینے کے بعد اطمینان تو ہو جائے گا نا..... یہ سوچتے ہی اس نے کمپیوٹر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اسے آن کر دیا۔ چند لمحوں میں نیٹ رابطہ ہوا تو اس نے اپنا میل بکس کھولا۔ سامنے ہی زوہیب کی میل اسے دکھائی دی تو ایک خوشگواریت اس کے من میں پھیل گئی۔ اب یہ میل آ جانے کی خوشی تھی یا پھر اپنا اندازہ درست ہونے کا احساس..... کچھ بھی تھا۔ اسے بہرحال یہ سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس نے میل کھولی اور پوری توجہ سے پڑھنے لگی۔ زوہیب نے تین سوال کئے تھے جو اس نے ایک کاغذ پر لکھ لئے۔ اس کا آخری سوال ایسا تھا جس نے اسے چونکا کر رکھ دیا تھا۔ اگرچہ یہ سوال پڑھتے ہوئے اس کے من میں ایک عجیب سی لہر سرائیت کر گئی تھی۔ لیکن اس نے خود کو اس کیفیت سے اجنبی رکھا۔ یہی اس کی ضرورت کی تھی' ورنہ ممکن ہے وہ غلط فہمی کے دریا میں غوطہ زن ہو جاتی۔ جہاں سوائے خوش فہمیوں کے گرداب ہوتے جن میں وہ پھنس کر رہ جاتی لیکن بہرحال جواب اس نے دینا تھا۔ اس کے پاس وقت تھا سو اس نے اسی وقت جواب دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے ایک نگاہ ان سوالوں پر ڈالی اور پھر پہلے سوال کا جواب کمپوز کرنے لگی۔

آپ کا پہلا سوال اس خیال پر مبنی ہے کہ جب انسان ایک دوسرے انسان سے پیار کرنے لگتا ہے یا دوسرے لفظوں میں اس سے محبت ہو جاتی ہے تو وہ اسے مرکز بنا کر اپنی کوششیں کرتا ہے۔ یہ میرے خیال میں کیسا ہے.....؟ میں سمجھتی ہوں کہ یہ کوئی غلط بات نہیں ہے۔ اگر آپ کی محبت فقط ایک انسان سے ہے تو وہ ایک انسان تک ہی محدود ہو گی اور اگر بہت سارے انسانوں سے تو وہ محبت وسیع تر ہو گی اور اگر آپ مجموعی طور پر انسانیت سے محبت کریں گے تو آپ کی محبت لامحدود ہو جائے گی اور اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں کہوں گی وہ محبت آفاقی ہو جاتی ہے۔ مرکزیت کے بغیر تو کچھ بھی نہیں ہے۔ اب آپ اندازہ لگا لیں کہ آپ کی محبت کا معیار کہاں پر ہے اور آپ کس طرح کی مرکزیت چاہتے ہیں۔ آپ ذرا تصور کریں جب آپ زمین پر کھڑے ہوتے ہیں تو آپ کو چند فٹ یا پھر اس سے تھوڑا اور زیادہ دکھائی دے رہا ہوگا۔ پھر جیسے ہی زمین سے اوپر کی جانب اٹھان ہوتی ہے جب آپ کی نگاہ میں زیادہ وسعت آ جاتی ہے۔ بہت اوپر سے جب آپ دیکھتے ہیں تو سارے شہر کا منظر آپ کے سامنے ہوتا ہے۔ تب آپ ایک ہی نظر میں شہر کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک دیکھ سکتے ہیں۔ تب پھر وقت کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ آپ کی آنکھ مرکز ہے اور وسعت کا اندازہ آپ خود کر لیں۔ یہی مرکزیت ہے۔ میرے نزدیک فقط ایک انسان تک محدود ہو کر نہیں رہنا چاہئے۔ محبت کوئی ایسی شے نہیں جو

آپ بانٹ نہیں سکتے۔ ہر رشتے کے ساتھ محبت اپنی ہیت تبدیل کر لیتی ہے۔

اب میں آپ کے دوسرے سوال کی طرف آتی ہوں کہ آخر ایسا ہوتا کیا ہے کہ محبت کے بعد انسان تبدیل ہو جاتا ہے؟ جیسا کہ میں نے آپ کو پہلے بتایا تھا کہ انسان کا من کیا ہے.....؟ انسان کا اندر جس طرح کا ہوگا وہاں بھی اپنی ہیت تبدیل کر لیتی ہے۔ اصل میں محبت کچھ بھی نہیں ہوتی ' اس وقت تک جب یہ کسی وجود میں اپنا ڈیرا نہیں جما لیتی۔ یہ انسان کے من میں جا کر ایکٹو ہوتی ہے..... محبت ایک مثبت جذبہ ہی نہیں بلکہ اس کی اصل روح، پاکیزگی ہے۔ اگر اسے پازیٹو ماحول مل جائے تو آئیڈیل سی بات ہوگی۔ لیکن ہوتا یوں ہے کہ جب یہ کسی انسان کے من میں اترتی ہے تو وہاں کا ماحول کئی طرح کا ہوتا ہے۔ دو عنصر زیادہ ہوتے ہیں۔ نگیٹو جذبے اور پازیٹو جذبے۔ محبت ہمیشہ مثبت راہوں کی طرف اپنا رجحان رکھتی ہے۔ وہ انسان کے اندر کا نگیٹو مارنا شروع کر دیتی ہے۔ جس سے انسان دھیرے دھیرے تبدیل ہونا شروع ہوتا ہے۔ اس پر اور زیادہ اچھا یہ ہو جاتا ہے کہ خود انسان اچھائی کی طرف راغب ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ بنیادی طور پر اچھا ہے۔ اسے بہترین تقویم پر پیدا کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ فطری عمل ہے۔

اب یہاں میں آپ کے پہلے سوال سے اس سوال کو ملاتی ہوں۔ محبت کی روح پاکیزگی ہے تو یہ ہر رشتے کے ساتھ باہم رابطہ میں پاکیزگی ہی کو اہم حیثیت دیتی ہے۔ اگر من میں پاکیزگی نہیں ہے تو یہ دھیرے دھیرے ختم ہو جاتی ہے۔ پھر نہ انسان کی حیثیت رہتی ہے اور نہ ہی انسانیت کی۔ اب اس کا دوسرا پہلو دیکھیں.....! جب انسان اپنا مرکز بناتا ہے تو اتنی ہی وسعت نگاہ پاتا ہے۔ ایک خوبصورت لڑکی میں کشش اور آفاقی نظریہ..... دونوں میں جو بھی آپ پسند کریں۔ جب اپنا لیتے ہیں تو آپ کی ساری صلاحیتیں اسی مطابق پروان چڑھتی ہیں' نطشے کا سپرمین ہو یا پھر اقبال کا شاہین اور مرد مومن.....! یہ کوئی ماورائی باتیں نہیں ہیں۔ آپ لب و رخسار کی باتیں کریں یا پھر پوری انسانیت کی خدمت کر جائیں۔

اور اب میں آتی ہوں آپ کے دوسرے سوال کی طرف..... جس کا یہ پہلو ہے کہ کیا یہ عملی زندگی میں کوئی حقیقی حیثیت رکھتا ہے یا کہ نہیں.....؟ یہاں میں آپ سے اتنا کہوں گی کہ بے شک ایک لکھاری کے قلم کے تابع کرداروں کو جس طرح چاہیں' انہیں بنا سکتے ہیں۔ ان کی تحقیق کر سکتے ہیں اور زور قلم کی بناء پر ان کا جو چاہیں رخ متعین کر دیں..... لیکن کیا آپ کا کوئی مشاہدہ نہیں ہے؟ تاریخ انسانیت پر نگاہ ڈالیں تو آپ کو نجانے کتنے لوگ ملیں گے۔ اتنے لوگ جن کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی لوگوں نے تاریخ کا رخ موڑا ہے' بلکہ انہوں نے ہی تاریخ بنائی ہے..... اصل میں ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے فقط لیلیٰ مجنوں اور ہیر رانجھا کے قصے پڑھے ہیں یا سنے ہیں۔ لیکن ان لوگوں کے کردار پر غور نہیں کیا جو وطن کی خاطر یا اپنے کسی بھی مقصد کی خاطر جان وار دیتے ہیں..... چلیں میں لمبی چوڑی بات نہیں کرتی..... اتنا کہتی ہوں کہ یہ جو عشق مجازی اور عشق حقیقی کی اصلاح ہمارے ہاں پائی جاتی ہے' یہ کیا ہے.....؟ حالانکہ عشق تو عشق ہی ہوتا ہے۔ وہ نہ تو مجازی ہوتا ہے اور نہ حقیقی..... میرے خیال میں آپ میرا اشارہ سمجھ گئے ہوں گے۔ کیا کوئی عشق حقیقی سے عشق مجازی کی طرف گیا

ہے.....؟ کیوں محدود دائرے سے نکل کر انسان وسیع تر وسعتوں میں آنا پسند کرتا ہے۔ میرے خیال میں اک ہی دلیل تبدیلی کے معاملے میں کافی ہوگی اور اس کے عملی ہونے کا ثبوت' اب اگر آپ کی اس اشارے میں تشفی نہ ہوئی ہو تو میں آپ کو تفصیل سے بتا دوں گی۔

اب میں آپ کے اس آخری سوال کی طرف آتی ہوں جو بہرحال آپ کیلئے بہت اہم ہوگا اور جس کیلئے آپ اتنے سوال کرتے چلے جا رہے ہیں۔ آپ کو ایک لڑکی سے محبت ہوگئی ہے اور آپ کے پاس ایک بڑا مقصد بھی ہے۔ آپ ان دونوں میں سے ایک کو چننا چاہتے ہیں یا دونوں کو اس کی آپ نے وضاحت نہیں کی۔ خیر.....! آپ اس سے اظہار بھی چاہ رہے ہیں اور اس مقصد کو بھی مقدم رکھنا چاہتے ہیں جو آپ کے پاس ہے۔

دیکھیں.....! اس لڑکی کو آپ کس حیثیت سے دیکھ رہے ہیں..... آپ کے پاس کوئی تو معیار ہوگا..... کیا آپ اسے محض گرل فرینڈ کے طور پر رکھنا چاہتے ہیں' اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں یا پھر اس سے یونہی محبت ہے؟ میرے کہنے کا مطلب ہے' اسے کوئی رشتے کے طور پر نام تو دیں گے.....؟ ہم جتنے بھی جدید ہو جائیں۔ لیکن رشتے داری کے معاملے میں اپنے دین یا مذہب کو ضرور اہمیت دیتے ہیں۔ ہمارا دین یہ سارے قواعد متعین کرتا ہے کہ ہم اس کے تابع چلتے ہیں۔ اگر آپ اس سے محبت کرتے ہیں تو جو رشتہ یا تعلق آپ اس سے بنانا چاہتے ہیں۔ اسے اس قدر اہمیت دیں..... مطلب..... اگر آپ اسے چاہتے ہیں اور آپ اسے اپنی بیوی بنانا چاہتے ہیں تو پھر اسے پورا مان دیں۔ ہمارے جو بھی دینی اور دنیاوی تقاضے ہیں ان کے مطابق اسے اپنائیں اور پھر اسے اس قدر مان دیں کہ وہ پورے معاشرے میں سر بلند کر کے چلے۔ اسے اتنی محبت دیں کہ وہ آپ کی محبت پر فخر کرے۔ آپ کا وہ نیک مقصد جو آپ لے کر چلنا چاہتے ہیں' اس میں بلاشبہ وہ آپ کی معاون ہوگی۔ اگر وہ لڑکی آپ کو نہیں چاہتی تو آپ اس کی راہ سے ہٹ جائیں یہی محبت ہے اور اگر آپ اسے چھین لینا چاہیں گے تو وہ محبت کے علاوہ کچھ اور ہوگا..... رہی ایک لڑکی اور مقصد میں سے ایک کو چن لینے کی بات تو یہ آپ کی مردانگی پر منحصر ہے۔ کیا آپ دونوں کو ساتھ لے کر چل سکتے ہیں یا نہیں.....؟ ان دونوں میں سے کسی ایک کو اہمیت دینا تو آپ کے اندر کا وہ ہنر ہے۔ یہ فیصلہ آپ نے خود کرنا ہے۔ اگر آپ میں غیر معمولی صلاحیت ہے اور آپ کی سوچ بلند ہے' آپ انسان اور انسانیت کو کچھ دینا چاہتے ہیں یا نہیں..... یہ فیصلہ اپنے آپ سے کیجئے..... اس کا فیصلہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا ہے۔

میرا خیال ہے کہ میں نے اشاروں میں آپ کو بہت کچھ بتا دیا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی بات سمجھنا چاہیں تو آپ رابطہ کر سکتے ہیں۔ میں منتظر رہوں گی۔

فائزہ نے یہ سب کمپوز کر لیا۔ تو پھر ایک نگاہ دیکھے بغیر اس میل کو بھیج دیا۔ مطمئن ہو جانے کے بعد اس نے کمپیوٹر آف کیا۔ اسے احساس تھا کہ وقت کافی ہو چکا ہے۔ آج اس نے لکھنا نہیں تھا۔ سو وہ بیڈ پر بیٹھی اور لائبریری سے لائی ہوئی کتاب کھول کر اس میں محو ہوگئی۔ آج اس نے ایک بھرپور دن گزارا تھا۔

☆☆☆

اس دن علی اصغر غیر معمولی طور پر مصروف دکھائی دے رہا تھا۔ اس دن اس کے پاس بلال نے آنا تھا۔ چند دن پہلے بلال نے فون کیا تھا کہ وہ آ رہا ہے لیکن علی اصغر نے ہی اسے دوبارہ ایک تاریخ دینے کو کہا کہ وہ اسی دن آئے تاکہ اسے چند اور لوگوں سے بھی ملوایا جا سکے۔ اس دوران علی نے فائزہ سے رابطہ کیا اور پھر دونوں کے درمیان تاریخ طے پا گئی جسے علی نے بلال کو بتا دیا کہ وہ اسی دن آئے۔ وہ بہترین تراش کے سوٹ میں اپنے دفتر پہنچ چکا تھا اور فون پر مختلف لوگوں سے رابطے میں مصروف تھا۔ اس وقت تقریباً آدھا دن گزر چکا تھا جب بلال اس کے آفس پہنچا۔

''آیئے تشریف رکھیں۔'' علیک سلیک کے بعد علی نے اسے بیٹھنے کیلئے کہا۔

''ماشاء اللہ آپ نے تو بہت اچھا سیٹ اپ بنایا ہوا ہے۔'' بلال نے پہلی بات ہی کی تو علی کو اندازہ ہو گیا کہ وہ کس حوالے سے بات کرنا پسند کرے گا۔

''دراصل میں بہت خوش قسمت ہوں بلال صاحب.....! مجھے وراثت میں ایک بہت اچھی اور مضبوط بنیاد میسر آ گئی تھی۔ سو میں نے اسے اپنی سمجھ بوجھ کے ساتھ آگے بڑھایا ہے۔ چونکہ ہمارے بزنس کا خام مال یہیں سے ملتا ہے اس لئے پورے ملک میں ہماری مصنوعات جاتی ہے۔'' علی نے اسے تفصیل بتائی۔

''بہت خوب.....!'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا اور پھر بولا۔ ''اور اب آپ اپنے مزاج سے بالکل ہٹ کر زوہیب کے ساتھ بزنس کرنا چاہ رہے ہیں۔''

''یہ بزنس ہے بھی اور نہیں بھی..... اگر اس سے منافع آتا ہے تو بہت اچھی بات ہے۔ لیکن یہ ایک رفاعی کام ہے۔ ہم نے اسے بزنس کی بنیاد پر کرنا چاہا ہے۔ دیکھیں یہ کامیاب ہوتا ہے یا نہیں۔'' علی نے کسی لگی لپٹی بغیر صاف الفاظ میں کہا۔

''مطلب اس میں بہت زیادہ نقصان کا بھی اندیشہ ہے۔'' بلال نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔

''وہ تو ہر کاروبار میں ہوتا ہے۔ یہ کوئی انوکھی بات تو نہیں ہے۔ بہرحال میں اسے کرنا چاہتا تھا لیکن محض سوچ رہا تھا' عمل کرنے کا حوصلہ مجھے زوہیب نے ہی دیا ہے۔'' علی نے ہنستے ہوئے کہا۔ تو بلال نے اپنا بیگ کھولا اور اس میں سے دو لفافے نکالے۔ پھر اسے دیتے ہوئے بولا۔

''اس ایک لفافے میں آپ کیلئے کچھ کاغذات ہیں۔ میں نہیں جانتا کیا ہیں۔ یہ زوہیب نے آپ کیلئے بھیجے ہیں اور یہ دوسرے لفافے میں ایک چیک ہے۔ جو آپ کے اس پراجیکٹ میں کام آئیں گے۔ میں آپ کو بتا دوں کہ آپ دونوں ہی اس کے پارٹنر نہیں ہیں' میں بھی ہوں۔''

بلال نے مسکراتے ہوئے کہا تو علی نے لفافے لے کر میز پر رکھے اور اس سے ہاتھ ملایا۔

''یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔'' اس کے لہجے میں حد درجہ خوشی تھی۔

اتنے میں ان کے سامنے کافی رکھ دی گئی۔ پھر جب تک کچھ دوسرے لوازمات رکھے جاتے رہے' اس وقت تک ان میں خاموشی رہی۔ جب بلال کافی کا سپ لے چکا تو علی نے کہا۔

''ابھی میں آپ کو اس کی تفصیلات بتاؤں گا۔ یہ سب کیسے ہوگا؟ لیکن پہلے ہم سائیٹ پر جائیں گے بعد میں آپ کو وہ جگہ دکھانا چاہتا ہوں جہاں پر یہ سب کچھ ہوگا۔''

''ضرور.....!'' یہ کہہ کر اس نے کافی کا سپ لیا اور پھر بے تکلف انداز میں کہا۔ ''ویسے یہ کاروباری باتیں کرنے کی ابھی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ یہ بعد میں ہوتی رہیں گی۔ پہلے ہم ایک دوسرے سے تو اچھی طرح متعارف ہو جائیں کیا خیال ہے۔'' بلال نے یہ کہتے ہوئے بھرپور قہقہہ لگایا۔

''بالکل.....! زوہیب نے آپ کے بارے میں اتنا غائبانہ تعارف کرا دیا ہے' اتنی باتیں کی ہیں کہ میں تو بہت کچھ جان گیا ہوں آپ کے بارے میں۔''

''لیکن پھر بھی آپ ہی کہہ رہے ہو..... تم کہو یار.....'' بلال نے ایک ہی جست میں تکلف کی ساری دیواریں گرا دیں۔

علی نے سائیٹ پر جا کر گاڑی روکی تو دونوں باہر آ گئے۔ بلال نے وہاں پہنچ کر ایک گہرا سانس لیا اور اردگرد کا جائزہ لیا اور تقریباً بڑبڑانے والے انداز میں بولا۔

''جگہ تو اچھی ہے.....''

''یہ بہت پہلے میری والدہ نے میرے لئے خریدی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ میں یہاں اپنا گھر بناؤں گا۔ اس وقت اس جگہ کی اتنی اہمیت نہیں تھی لیکن اب ہے.....''

''میں دیکھ رہا ہوں..... اور علی تم نے تو یہاں کام بھی شروع کروا دیا ہے۔'' اس نے وہاں پر کام کرتے لوگوں کو دیکھ کر کہا۔

''بلال.....! بعض اوقات انسان کسی بھی کام کیلئے حوصلہ نہیں کر پاتا..... بس تذبذب میں مبتلا رہتا ہے۔ مگر جب اسے تھوڑا سا بھی حوصلہ مل جائے۔ تو پھر یہ کام بہت جلدی ہو جاتے ہیں۔ مجھے بھی ایسا حوصلہ کہیں سے مل گیا۔'' علی نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا تو بلال قدرے حیرت سے بولا۔

''بڑے خوش قسمت ہو یار.....! تمہیں کوئی حوصلہ دینے والا موجود ہے۔ ورنہ..... ہمیں تو خود اپنے آپ ہی کو حوصلہ دینا پڑتا ہے اور بعض اوقات تو اس سے بھی ڈر آنے لگتا ہے۔''

''یہ کیا بات کر رہے ہو..... وہاں پر تم دو ہو۔ زوہیب اور تم.....! یہاں میں اکیلا..... یہ تو اس پراجیکٹ پر زوہیب ہی کی وجہ سے فائزہ مجھے بہت اچھے مشورے دیتی رہتی ہیں اور یہ انہی کے حوصلے کی وجہ سے میں نے اچانک فیصلہ کر لیا۔ ورنہ تو یہ پتہ نہیں کب تک پڑا رہتا۔'' علی نے تفصیل بتائی تو بلال نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''یہ وہی محترمہ فائزہ ہیں نا جو زوہیب کے ہمسائے میں رہتی ہیں..... اور.....'' بلال نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں.....! یہاں مقامی یونیورسٹی میں پڑھاتی بھی ہیں..... ابھی کچھ دیر بعد ان سے آپ کی ملاقات

ہوگی..... میں نے انہیں بلوایا ہے۔''

''واقعی.....! میں ان سے تو ضرور ملنا چاہوں گا۔ زوہیب اس کی نہ صرف بہت زیادہ تعریف کرتا ہے بلکہ بڑے احترام سے نام لیتا ہے۔'' بلال نے حیرت ملے لہجے میں کہا۔

''یار وہ ہے ہی ایسی' تم ملو گے تو احترام کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے.....'' علی نے کہا تو وہ بولا۔

''کوئی بوڑھی یا ادھیڑ عمر عورت ہے.....''

''ارے نہیں.....! بالکل نوجوان ہے یار..... ابھی تم دیکھ لینا۔ ..... آؤ میں تمہیں یہاں کے بارے میں تھوڑا بتا دوں.....''

''ہاں چلو.....!'' بلال نے کہا تو دونوں آگے بڑھ گئے۔

سائیٹ سے واپسی پر جب دونوں آفس آئے تو چند لوگ وہاں موجود تھے۔ بلال کی نگاہ ان سب میں سے ایک لڑکی پر پڑی' جس کے چہرے پر تازگی اور آنکھوں میں حیا جھلک رہی تھی۔ اس نے ایک بار دیکھا اور پھر اس کی نگاہ اسی پر جم گئی۔ اس لڑکی نے بھی گہری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس کے دیکھنے میں بلا کا اعتماد تھا۔

''ان سے ملئے.....! یہ ہیں محترمہ فائزہ.....'' علی نے تعارف کرایا تو بلال کو وہ ساری باتیں سچ معلوم ہوئیں جو اس کے بارے میں اس نے سنی تھیں۔ اس نے سلام کیا اور بڑے احترام سے بولا۔

''بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر..... زوہیب نے تو آپ کا غائبانہ تعارف بہت کروایا ہے بلکہ آپ کے بارے میں تو بہت ساری باتیں سنی ہیں۔''

''ایسی کیا باتیں سن لی آپ نے۔'' اس نے اعتماد سے کہا اور دھیرے سے مسکرا دی۔ تب بلال کو لگا کہ جیسے وہ تھوڑا کنفیوژ ہو گیا ہے۔ اس لئے صحیح طرح سے بات نہیں کر سکا۔ تبھی وہ سنبھل گیا۔

''آپ کی بہت زیادہ تعریف کر رہا تھا۔''

''وہ خود بہت اچھے ہیں نا' اس لئے انہوں نے ایسا کہا ہے۔ خیر۔! میں آپ سے ان کا تعارف کرا دوں۔ یہ سب ماہر تعلیم ہیں، میں نے ان سے درخواست کی ہے کہ وہ یہاں کیلئے ایک نصاب ترتیب دے دیں۔''

''جی بالکل.....! بلال نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ تو فائزہ فرداً فرداً سب کا تعارف کرانے لگی۔ اس تعارف کے ساتھ ایک بحث چھڑ گئی۔ علی اور بلال نے جو کچھ بھی زوہیب سے ڈسکس کیا ہوا تھا۔ وہاں وہ باتیں چلنے لگیں۔ کافی دیر بعد وہ ایک نکتے پر متفق ہو گئے اور نصاب کی ذمہ داری فائزہ پر ڈال دی۔ اس نے خندہ پیشانی سے یہ ذمہ داری قبول کر لی۔

کھانے سے فراغت کے بعد وہ سب لوگ جانے لگے تو بلال نے فائزہ سے کہا۔

''پلیز.....! آپ مجھے تھوڑا سا وقت دیں گی.....''

''کیوں نہیں.....! مگر اس وقت مشکل ہے۔ یہ لوگ میرے ساتھ آئے ہیں' انہیں ڈراپ کرنا میری

ذمے داری ہے۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو بلال مایوسی سے بولا۔

''لیکن میں آج شام واپس چلا جاؤں گا.....''

''تو کوئی بات نہیں.....آپ میرے گھر تشریف لے آئیں۔'' فائزہ نے انتہائی اعتماد سے کہا۔

''اوہ.....! مجھے تو یاد ہی نہیں رہا کہ آپ زوہیب کے ہمسائے میں رہتی ہیں..... میں نے یہاں سے ان کے ہاں ہی جانا ہے۔ٹھیک ہے' ہم وہیں مل لیں گے۔'' بلال نے جلدی سے کہا۔

''میں انتظار کروں گی۔ فائزہ نے کہا اور جانے کیلئے قدم بڑھا دیئے۔ بلال اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ نجانے وہ اس وقت کیا سوچ رہا تھا۔علی نے اس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھا اور پھر اپنی کرسی پر آ بیٹھا۔ وہ اسے اس پراجیکٹ کے بارے میں تفصیلات سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ بلال اس کے سامنے والی کرسی پر آن بیٹھا تو ان دونوں کی توجہ گفتگو کی جانب ہوگئی۔

☆☆☆

زوہیب کھڑکی میں کھڑا تھا اور اس کے سامنے تا حد نگاہ سمندر پھیلا ہوا تھا۔ جس کے افق پر سورج غروب ہو رہا تھا۔ ڈوبتے ہوئے سورج نے پانی کو لہو رنگ کر دیا تھا۔ سر پٹختی ہوئی لہریں آتی اور پھر واپس پلٹ جاتیں۔ وہ بہت اداس کر دینے والا منظر تھا۔لیکن زوہیب جو اس منظر کو دیکھ کر اداس ہو رہا تھا اچانک اس کی کیفیت خوشی میں بدل گئی تھی۔ وہ بلال کا فون سن رہا تھا اور اس کی توجہ اس منظر سے ہٹ کر بلال کی باتوں میں تھی۔ زوہیب اس کی باتوں میں جیسے کھو گیا تھا۔

''اچھا، تو پھر علی اصغر سے تمہاری ملاقات انتہائی کامیاب رہی۔'' زوہیب نے پوچھا۔ اس کے لہجے میں حد درجہ خوشی چھلک رہی تھی۔

''ہاں.....! میں نہیں سمجھتا تھا کہ وہ اس قدر کاروباری ہوگا۔ وہ تو رفاعی کام میں بھی کاروبار کی سوچ رہا ہے ویسے ہونا بھی چاہئے۔ رفاعی کام بغیر پیسے کے تو نہیں چلتے نا.....'' بلال نے سنجیدگی سے کہا۔

''ہاں یہ تو ہے، خیر.....! یہ بتاؤ پھر تمہارا کیا خیال ہے؟'' زوہیب نے وہ اہم بات پوچھی جس پر مستقبل کے فیصلوں کا انحصار تھا۔

''ٹھیک ہے' میں کچھ اور سمجھ رہا تھا۔'' بلال نے اختصار سے کہا۔

''کیا سمجھ رہے تھے تم۔'' زوہیب نے اس کے مختصر سے تبصرے سے مطمئن نہ ہوتے ہوئے کہا۔

''یہی کہ تم وہاں گئے ہو اپنے وطن پرست ہونے کا جذبہ تم میں چھلک پڑا ہے اور کسی رفاعی کام میں اپنا کمایا ہوا پیسہ برباد کرنے جا رہے ہو۔ میں تمہاری پونجی لٹتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس لئے میں نے کوئی فیصلہ کرنے میں تھوڑا وقت لیا۔ اس پر میں سوری کہتا ہوں۔'' بلال نے اعتراف کرتے ہوئے سیدھے سبھاؤ کہہ دیا۔

''بلال.....! شاید تمہاری اور میری اس لئے بھی نبھ رہی ہے کہ تم سچ بولتے ہو اور اسی لئے مجھے تم پر

اعتماد ہے۔'' زوہیب نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

''خیر.....! زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں نے اس کا سارا پراجیکٹ سمجھ لیا ہے اور اس سارے سمجھنے سمجھانے سے پہلے ہی میں نے وہ چیک اسے دے دیا تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس کے ذہن میں کوئی ذرا سی بات بھی آئے۔'' بلال نے چونکتے ہوئے کہا۔

''یہ تم نے بہت اچھا کیا.....تم مطمئن ہو گئے ہو تو مجھے سکون آ گیا ہے۔ اب بتاؤ وہ.....'' زوہیب کہنے والا تھا کہ بلال نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''ارے ہاں.....! وہ فائزہ بھی مجھے ملی تھی.....جس کی تم بہت تعریفیں کرتے رہتے تھے۔ علی نے ملوایا تھا اس سے اور پھر میں بعد میں بھی اس سے ملا ہوں.....'' بلال نے چہکتے ہوئے کہا۔

''بعد میں.....کہاں؟'' زوہیب نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''یار وہ وہاں پر آئی تھی علی نے بلوایا تھا۔ اس کی شخصیت تو بالکل بڑی بارعب ہے یار.....! اتنی چھوٹی عمر میں اتنی سنجیدگی اور وقار.....تم اگر اس سے متاثر ہوئے ہو تو ٹھیک ہوئے ہو.....'' بلال تو جیسے نان سٹاپ شروع ہو گیا۔

''وہ تم مجھے بتا رہے تھے.....''

''ارے سنو تو یار.....! وہاں علی کے آفس میں تو بس تھوڑی سی ملاقات ہوئی۔ وقت تو خاصا ملا..... لیکن وہ کچھ دوسری باتوں میں کٹ گیا۔ میرا دل چاہا کہ میں اس سے تھوڑی دیر مزید باتیں کروں۔ پھر وہ جب میں بھائی اور بھابی کی طرف گیا تو وہیں پر نادیہ نے انہیں بلوا لیا.....'' بلال نے ملاقات کی تفصیل بتا دی کہ وہ اس سے کیسے ملا تھا اور کہاں.....

''تو پھر کیا باتیں ہوئیں.....؟'' زوہیب نے تیزی سے پوچھا۔

''پہلے تو وہ اسی پراجیکٹ پر بات کرتی رہی..... پھر وہی وطن سے محبت کا درس دیتی رہی..... میں چپ چاپ سنتا رہا۔ پھر میں جب ذرا بور ہونے لگا تو صاف کہا کہ میں بور ہو رہا ہوں۔'' بلال نے قہقہہ لگاتے ہوتے کہا تو زوہیب بھی ہنس دیا اور پوچھا۔

''پھر کیا ہوا.....؟''

''پھر کیا ہونا تھا.....اس نے اپنی پروفیسری ایک طرف رکھی اور سیدھے سیدھے عام لڑکیوں کی طرح باتیں کرنے لگیں..... بھابی اور نادیہ بھی وہیں تھیں۔ موضوع گفتگو بن گئے تم اور میں نے پھر تمہاری خوب برائیاں کیں۔''

''تم سے یہی امید تھی۔'' بلال کو اس پر ڈھیروں پیار آنے لگا تھا۔

''اور سنو.....! میں نے تو کیا بتانا تھا' تم جتنے دن وہاں رہے ہو' اس کا احوال بھی مجھے معلوم ہو گیا۔ بھائی شعیب بھی آ گئے تو محفل کا رنگ ہی دوبالا ہو گیا اور پھر جونہی مغرب ہوئی تو.....''

''تو.....'' زوہیب نے تیزی سے پوچھا۔

''چراغوں میں روشنی نہ رہی۔ محترمہ اٹھ کر چلی گئیں۔ ان کی نماز کا وقت ہو گیا تھا اور وہ نادیہ بھی اسی لمحے نماز کیلئے چلی گئی۔ لگتا ہے محترمہ کے اثرات نادیہ پر بھی پڑ رہے ہیں۔'' بلال نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

''ہاں یار.....! اس کی شاگرد جو ٹھہری، وہ اس سے متاثر بھی بہت ہے۔'' زوہیب نے وضاحت کی۔

''اچھی بات ہے یار.....! نئی جنریشن کو اپنے دین کے بارے میں بہت اچھی طرح جاننا چاہئے۔'' بلال نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور پھر اگلے ہی لمحے بولا۔ ''اور پھر جناب بھابی نے ان محترمہ کے چلے جانے کے بعد ایک بات بتائی کہ وہ تمہاری کہیں شادی کر رہے تھے اور تم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ دوبئ جانے سے پہلے کسی لڑکی کے بارے میں بتاؤ گے۔''

''ہاں.....! بھابی سے میں نے وعدہ کیا تھا لیکن وہ وعدہ نبھا نہیں سکا۔'' زوہیب نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

''وہ کیوں.....؟'' بلال نے پوچھا۔

''بس.....! کچھ ایسا ہو نہیں سکا..... تم چھوڑو اس بات کو.....'' زوہیب نے اس موضوع سے بچتے ہوئے کہا۔

''چلو.....! میں وہاں آ کر بات کروں گا۔'' بلال نے اسے کوئی جذباتی بات سمجھتے ہوئے کسی اور وقت پر پوچھنے کیلئے اس لمحے بات ختم کر دی۔

''ہاں.....! وہی تو میں پوچھ رہا تھا۔ بھابی سے بچوں سے بات کی' دوبئ آنے کے بارے میں؟'' زوہیب نے پوچھا۔

''ہاں..... کی ہے' وہ خوش ہیں' لیکن فی الحال تو تم ان کے وزٹ ویزے ہی بھجوانا..... پھر بعد میں دیکھا جائے گا..... ممکن ہے ان کا وہاں دل لگے یا نہیں.....''

''کیوں.....؟'' زوہیب نے پوچھا۔

''تمہاری بھابی ذرا پاکستان چھوڑنے پر چوں چوں کر رہی تھی۔ ایک لمبا لیکچر بھی ملا' لیکن اس میں سختی نہیں تھی..... خیر دیکھتے ہیں۔ بہرحال جس دن تم نے ویزے بھجوا دیئے..... میں واپس آنے کا بندوبست کر لوں گا..... سچی بات یہ ہے کہ میرا یہاں دل نہیں لگ رہا۔ بچے تو وہاں بھی میرے ساتھ ہوں گے.....'' بلال نے اسے صاف بتا دیا۔

''ٹھیک ہے میں کوشش کرتا ہوں..... تمہیں ایک دن میں صورتحال بتاتا ہوں۔'' زوہیب نے جواباً کہا اور پھر چند الوداعی باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

سورج ڈوب چکا تھا اور شہر کی روشنیاں جگمگا اٹھی تھیں۔ اس نے ایک نگاہ ڈالی کھڑکی کے پردے درست کئے اور واپس صوفے پر آ بیٹھا۔ اس کے ذہن میں فائزہ حسن تھی اور اس کی یادیں..... وہ گم سم سا ہو گیا

اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ گہری ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆

زندگی بھی بہتے ہوئے دریا کی مانند ہوتی ہے۔ جیسے دریا منبع سے نکلتا ہے تو وہاں احساس ہی نہیں ہوتا کہ پانی کہاں سے آ رہا ہے اور کس طرف جائے گا۔ شور مچاتا ہوا' قلقاریاں مارتا ہوا پھر نجانے کہاں کہاں کے چھوٹے ہوئے سوتے اس کے ساتھ شامل ہوتے ہیں اور کسی زندگی کی طرح اس کی پرورش کر کے ایک وجود کا احساس بنتا ہے۔ وہ اپنی شکل وصورت واضح کرتا ہے۔ اپنے منبع سے لیکر سمندر کی گود میں گرنے تک وہ نجانے کتنے موڑ لیتا ہے' کہاں وہ پرسکون ہو جاتا ہے' کہاں پر پرشور' کہاں اسے سنگلاخ پتھروں سے واسطہ پڑتا ہے اور کہاں میدانی علاقوں میں وہ اپنی وسعت دکھاتا ہے۔ زندگی فقط موت کا احساس ہوتا ہے کہ یہ ایک حقیقت ہے۔ سمندر میں جا کر ملتا ہے اور بس..... اس کے دورانیے میں کیا ہوتا ہے۔ رواں پانی کو معلوم ہی نہیں ہوتا۔ وہ تو اپنے بہنے پر بھی قابو نہیں رکھ سکتا۔ جیسے زندگی چلتی ہے' عمر بڑھتی ہے جسے ہم چاہیں بھی تو نہیں روک سکتے۔ ممکن ہے منبع پر تو اس کا رخ بدلا جا سکے۔ لیکن جب وہ میدانی علاقوں میں وسعت اختیار کر جاتا ہے یا پھر جہاں پر وہ بپھرا ہوا ہے..... وہاں اس کا رخ موڑنا بھی تو بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ پھر ایسا ہوتا ہے کہ حالات کی مون سون میں واقعات کی بارش ہوتی ہے تو اس میں بھی طغیانی آ جاتی ہے۔ اب یہ حالات کی مون سون اور واقعات کی بارش پر منحصر ہے کہ وہ کس قدر بپھرتا ہے اور سیلاب من کے اندر بسی کتنی ہی جذبات سے بنی بستیاں اجاڑتا ہے۔ خیالات کی فصل کس قدر تباہ ہوتی ہے اور سوچوں میں آباد کتنے راستے کھو جاتے ہیں۔

ان دنوں فائزہ حسن کی زندگی میں بھی حالات کی مون سون آ گئی تھی جس سے واقعات کی بارش نے جیون کے دریا میں طغیانی بھر دی تھی۔ زوہیب کا مہوش فاطمہ سے رابطہ اک نئے موڑ پر آ گیا تھا۔ یوں جیسے دریا کا رخ موڑ دینے کی کوئی بات ہو جائے۔ اس کے من میں تباہی ہونے والی تھی۔ جنہیں وہ بڑا مضبوط سمجھتی تھی وہ بند بھی دراڑوں کا احساس دے رہے تھے۔ یہی وہ وقت تھا جہاں اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ جذباتی بستیاں' خیالات کی فصلیں اور سوچوں سے آباد رستے گومگو کی حالت میں خاموش تھے۔ نجانے کس پل کیا ہو جائے..... اسے خود اپنے آپ سے خوف آ رہا تھا۔

زوہیب بہت زیادہ جذباتی کیفیت میں آ گیا تھا۔ اس کے سوال کہانیوں پر تبصروں سے آگے نکل کر مسائل کو سمجھنے اور پھر اپنی ذاتی زندگی پر آ گئے تھے۔ اب وہ ہر معاملے کو اپنی ذاتی زندگی کے تناظر میں دیکھتا تھا۔ اگرچہ اس نے اپنے ماضی کو نہیں ٹٹولا تھا لیکن حال اور مستقبل کے بارے میں ہر وہ سوال کرتا جو اس کے ذہن میں آتا یا اسے تھوڑی بہت بھی الجھن محسوس ہوتی۔ فائزہ اس کی ہر الجھن سمجھتی تھی اور اس کے تمام تر حل بھی تھے اس کے پاس مگر وہ انہیں سلجھا نہیں سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اسی ایک معاملے میں آ کر پھر سے الجھ گئی تھی۔ ایک شخص اپنی تمام تر شدتیں مہوش فاطمہ سے کہہ رہا ہے۔ اسی مہوش فاطمہ کو جو اس کے من میں جی رہی تھی۔ فائزہ کو زوہیب کی نیت' خلوص اور پیار کی شدتوں کا اندازہ تھا اور شاید وہ پگھل بھی جاتی لیکن اک خاص حد تک آ کر وہ بھٹک کر

رک جاتی..... زوہیب نے کبھی اس کا نام نہیں لیا تھا اور مہوش فاطمہ اس سے پوچھ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ کون ہے جسے تم نے اپنا مرکز بنا لیا ہوا ہے۔

فائزہ پہلے پہل اس کی ہر میل کا جواب بہت باقاعدگی سے دے رہی تھی۔ لیکن جب اس نے زوہیب کی شدتوں کو دیکھا تو یہ معاملہ تیسرے چوتھے دن پر ٹالنے لگی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی میل مختصر ہوتی گئی۔ وہ ہیولے اور زوہیب کے درمیان پھر سے آن کھڑی ہوئی تھی۔ اس بار وہ مہوش فاطمہ سے آنکھیں نہیں ملا پا رہی تھی کہ اک فیصلہ ہو گیا تھا اور اب تو اسے محض اپنے فیصلے پر ڈٹے رہنا تھا۔ شاید مہوش فاطمہ بھی اس کی استقامت دیکھ رہی تھی۔ پھر ایک دن جب وہ شدید الجھن کا شکار ہو گئی..... اندر سے اضطراب کچھ زیادہ ہی بڑھ گیا تو اس نے اپنے فیصلے کو از سر نو دیکھا۔ اس پر نظر ثانی کی گنجائش دیکھی جو کہیں بھی نہ پا کر وہ مضبوط ہو گئی۔ اس نے اپنے اندر کی طغیانی سے بغاوت کر دی۔ جس سے نہ صرف مون سون بلکہ بارش بھی تھم گئی۔ اس کے اندر جذبات کی بستی پھر سے آباد ہو گئی۔ خیالات کی فصلیں شاداب ہوئیں اور سوچوں کو پھر سے راستے میسر آ گئے۔ سارا منظر جب نکھر کر واضح ہو گیا تو فائزہ حسن کو خود پر ہنسی آ گئی اور وہ بہت دیر تک خود پر ہنستی رہی.....

اس نے اپنی زوہیب سے ابتدائی ملاقاتوں کے بارے میں یاد کیا تو خیال آیا..... وہ زوہیب سے محض اس لئے ملتی تھی کہ وہ تو اسے ایک تجربہ کرنے کیلئے بہترین شخص دستیاب ہوا تھا۔ کہیں وہ اپنے تجربے کی نذر تو نہیں ہو گئی..... کیا اس وقت اس نے فقط اپنے آپ کو مطمئن کیا تھا؟ خود کو جھوٹی تسلی دی تھی یا دھوکا دیا تھا اپنے آپ کو.....؟ اس خود کلامی میں اسے اپنا ارادہ واضح طور پر دکھائی دیا۔ اسے بہت کچھ یاد آ گیا۔ سو اس نے زوہیب سے محسوس کی جانے والی ساری جذباتی وابستگی ایک طرف رکھی اور یہ سوچنے لگی کہ اسے تبدیل کیسے کیا جا سکتا ہے.....؟ چند دن تک یہی سوال اس کے ذہن میں گونجتا رہا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سو اچانک ایک دن اسے خیال آیا کہ کیوں نا اسی کی بات اس پر لوٹا دی جائے..... ایک سوال جو اس نے کیا تھا' اسی سے ابتداء کر دی جائے..... سو اس نے زوہیب کی ایک طویل میل کے جواب میں صرف اتنا لکھا۔

''میں آپ کی جذباتی کیفیت کو سمجھ رہی ہوں۔ مجھے اندازہ بھی ہے کہ آپ نے میرے خیالات و افکار کو اپناتے ہوئے خود کو تبدیل بھی کیا ہے.....؟ لیکن کس حد یہ میں نہیں جانتی..... اور نہ ہی مجھے یہ جاننے کی ضرورت ہے۔ اہم بات ہے کہ آپ نے خود کو بدلا..... اور میرے خیالات و افکار کے مطابق اپنی شخصیت کو ڈھالنے کی کوشش کی..... لیکن یہاں پر آ کر مجھے کچھ شک سا محسوس ہوتا ہے جب آپ اپنے اس مرکز کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے جس سے آپ کو محبت ہے۔ کیا آپ کی محبت بھی ویسے ہی خیالات و افکار رکھتی ہے جیسے کہ آپ.....؟''

اس نے پرسکون جھیل میں اک کنکر مارا تھا۔ اگرچہ اسے اندازہ تھا کہ ان دنوں زوہیب کی جذباتی کیفیت ہیجان خیز ہے تاہم یہ ایک نئی سوچ کا کنکر تھا جو اس نے زوہیب کی انا کی جھیل میں گرایا تھا۔ اب لہریں کس حد تک جاتی ہیں۔ یہی اس نے دیکھنا تھا۔ اس کا اندازہ اسے دو دن بعد ہی ہو گیا۔

زوہیب نے ایک طویل پیغام میں بہت ساری باتیں کیں تھیں۔ اس نے یہ اعتراف کیا تھا کہ ایسا نہیں ہے۔ اسے یہ یقین تو ہے کہ ایسی لڑکی کہیں نہ کہیں ضرور ہوگی..... لیکن وہ اس کے تجربات' احساسات اور جذبات کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ جہاں تک اس کے مرکز کی بات ہے۔ وہ اس کے بارے میں بھی حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ وہ جس کو اپنا مرکز خیال کر رہا ہے وہ اگر پورے طور پر نہ سہی لیکن مہوش فاطمہ کے خیالات و افکار سے واقف ضرور ہے۔ وہ اس کے حسن سے نہیں' اس کے اندر کی خوبصورتی سے متاثر تھا اور یہ سب لاشعوری طور پر بے اختیار ہوا تھا۔ دھیرے دھیرے وہ اس کے سامنے سب کچھ بھول گیا۔ اسے اگر یاد رہا تو صرف وہی تھی..... ایسا کیوں ہوا' کیسے ہوا'' وہ بالکل نہیں جانتا۔

فائزہ نے وہ طویل میل پڑھی اور مسکرا دی۔ وہ اسے اب اس راہ پر لانا چاہتی تھی جہاں پر آ کر وہ فائزہ کو بھول جاتا اور کسی بھی ایسی لڑکی کو قبول کرنے کیلئے تیار ہو جاتا جو مہوش فاطمہ سے واقف ہے بھی یا نہیں..... وہ اسے احساس دلانا چاہتی تھی کہ اب اس کیلئے اس کا مقصد بہت اہم ہے۔ چراغ سے چراغ جلانا ہی اہم ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں۔ مگر یہ ایک بہت بڑی ذمہ داری تھی۔ وہ اگر اس کی ذاتی زندگی کی حدود میں داخل ہو کر کچھ تہہ و بالا کرنا چاہتی ہے۔ تو وہاں اسے بہت کچھ تعمیر بھی کرنا تھا۔ پھر یوں راہ میں چھوڑ جانا سب سے بڑی بے انصافی ہوتی جس پر وہ خود کو معاف نہیں کر سکتی۔ اسے یہ بھاری ذمے داری اپنے سر اٹھاتے ہوئے سو بار سوچنا تھا۔ اک فیصلہ کرنا تھا۔ پھر فیصلہ کر لینے کے بعد اسے ڈٹ جانا تھا۔ تب ایک دن یہ فیصلہ بھی ہو گیا۔ کیونکہ نہ تو فائزہ حسن کو اس سے دلچسپی تھی اور نہ ہی مہوش فاطمہ کو..... کہ اپنی زندگی اس کے نام کر دے۔ وہ محض ایک قاری تھا اور قاری کو اس کے مقام پر رکھتے ہوئے وہ انتہائی خلوص سے اس کی بہتری جانتی تھی۔

فائزہ کو یہ سوچنے میں چند دن لگ گئے کہ کہاں یہ توڑ پھوڑ کرنی ہے اور پھر کہاں تک تعمیر کرنی ہے کہ اس کا ضمیر مطمئن ہو جائے۔ توڑ پھوڑ سے تعمیر کی آخری حد تک اس کو پھر زوہیب کے ساتھ چلنا تھا۔ اسے کہیں راستے میں نہیں چھوڑنا تھا۔ اسے خود سے یہ کیا گیا وعدہ نبھانا تھا۔ سو چند دن بعد وہ بالکل تیار ہو گئی۔ اس نے یہ سب سوچ لیا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ فائزہ پھر اسی سطح پر آ گئی تھی کہ زوہیب اس کیلئے محض ایک تجربہ ہوگا اس سے زیادہ کچھ نہیں۔ اس دوران جو بھی جذباتی ہیجان آیا ہے اس نے اپنی زندگی سے یکسر خارج کر دیا۔ اس نے زوہیب کو ایک پراجیکٹ کے طور پر لیا یہاں تک کہ اس کے بارے میں تمام تر یادداشتوں کو دہرا کر جو اہم ترین نکات اس کی سمجھ میں آئے وہ اس نے اپنی ڈائری میں لکھ کر محفوظ کر لئے اور پھر ایک دن اس نے پوری یکسوئی سے بیٹھ کر اس کے متعلق سوچا کہ زوہیب کو میل کس طرح سے لکھے۔ ایسی کون سی باتیں ہوں جس سے اسے یہ احساس تک نہ ہو کہ ایک نئی طرز کی شروعات ہو چکی ہیں۔ شام تک اس نے یہ سب سوچ لیا اور پھر اس نے میل کر دی۔ اسے یقین تھا کہ اس میل کا جواب ضرور آئے گا۔ اس نے وہ تمام آپشن بھی سوچ لئے کہ کس قسم کا جواب آئے گا تو پھر اس کے بعد اس نے کیا لکھنا ہے۔

☆☆☆

ان دنوں زوہیب بہت زیادہ مصروف تھا۔ بلال کے پاکستان چلے جانے کے بعد تمام تر ذمے داری اس پر تھی۔ وہ صبح سے لے کر شام تک کاروباری معاملات میں الجھا رہتا۔ یہاں تک کہ وہ علی اصغر کو بھی فون نہیں کر پاتا تھا۔ وہ اگر کبھی کر لے تو بات ہو جاتی۔ اس دورانیے میں ایک اہم کام وہ کبھی نہیں بھولتا تھا اور وہ تھا مہوش فاطمہ کو میل کرنا اور اس کی طرف سے آئی ہوئی میل کو بہت اہتمام سے پڑھتا۔ معاملہ یہی پر ختم نہیں ہو جایا کرتا تھا کہ میل پڑھ لی یا پھر اس کے جواب میں لکھ دی۔ اصل کام اس پر سوچنا تھا۔ کبھی تو سوچ کی ڈوری اس قدر الجھ جاتی کہ اسے وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوتا۔ پوری پوری رات گزر جاتی اور وہ بیٹھا اپنے ہی خیالات کے تانے بانے میں الجھتا رہتا۔ جو اس سے سلجھائے نہیں سلجھا کرتی تھی۔ تنگ آ کر وہ مہوش فاطمہ کو اپنی ذہنی الجھن لکھ دیتا۔ جس کے جواب میں نہ صرف اس کا حل ہوتا بلکہ اک نئی سوچ اسے مل جاتی۔ اس سارے معاملے سے وہ پریشان نہیں تھا کہ یہ سب کچھ بہت دلچسپی سے کر رہا تھا۔ اسے خود بھی اپنی ہیجانی کیفیت کا اندازہ تھا اور اس کیفیت میں مہوش فاطمہ سے رابطہ' اس سے تبادلہ خیالات اور اپنی کتھارسس یہ اسے سکون بخش رہا تھا۔ اس کی حالت یوں ہو گئی تھی جیسے کوئی تنوعی عمل سے گزر رہا ہو۔ کاروباری زندگی کے بعد جو وہ اپنی ذاتی زندگی میں 'اپنے لئے کرتا تھا اس میں سرفہرست ہی تھا کہ وہ مہوش فاطمہ سے مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھا۔

مہوش فاطمہ سے رابطہ ہو جانے سے پہلے اس نے کبھی یہ سوچا بھی نہیں تھا کہ رابطے کے بعد اس کی ذہنی کیفیت اس حد تک بدل جائے گی۔ وہ پہلے جمود کا شکار تھا۔ جیسے اپنا کنواں کھود کر اپنے لئے پانی حاصل کرنا۔ مہوش فاطمہ تو بس جگہ کی نشاندہی کر دیا کرتی تھی کہ کنواں یہاں پر کھودنا ہے۔ اس کے خیالات و افکار کو اپنے ذہن میں لا کر خود ہی ان کی تشریحات کرتا رہتا تھا۔ یوں اسے معلوم ہوا کہ وہ اپنے بہت سارے خیالات میں' تشریحات میں کولہو کے بیل کی مانند تھا۔ چند بنیادی باتوں کے علاوہ اس کی سوچ کسی ایسے راستے پر نہیں تھی جس کے اختتام پر کوئی منزل ہو..... لیکن اب اس کی سوچیں ایسے دوراہے بلکہ سہ راہے پر تھیں کہ جہاں اسے منزل کا یقین تھا۔ اب تو اسے کسی ایک راستے کا تعین کرنا تھا۔

پہلا راستہ وہی تھا جس پر وہ چل رہا تھا۔ زندگی ایک خاص ڈگر پر چل رہی تھی۔ اس کی زندگی میں کتابوں اور دوستوں کا ہی حوالہ تھا اور وہ اس میں بے حد خوش تھا۔ ایک آزاد زندگی جس میں کوئی بھی ایسی زنجیر اس کے پاؤں میں نہیں تھی جو اسے ایک مرکز تک محدود رکھے۔ مہوش فاطمہ سے تعلق پر تو اور زیادہ اس میں وسعت آ گئی تھی۔ وہ کتابیں' وہ حوالے اور وہ حقائق..... جنہیں وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔ اسے معلوم ہو گئے تھے۔ زندگی کے بہتیرے ایسے راز اس پر عیاں ہو گئے تھے جن کی بدولت وہ زندگی کو مزید اچھی طرح نہ صرف سمجھ سکتا تھا بلکہ برت بھی سکتا تھا۔ اس کے پاس کیا نہیں تھا' دولت اور عزت کے ساتھ ایک ہلکی پھلکی اور پرسکون زندگی گزار رہا تھا۔ دوستوں کا اک وسیع حلقہ اس کے اردگرد تھا۔ ایک خاندان سے وہ جڑا ہوا تھا جس کی اپنے مقام پر ایک عزت تھی اک احترام تھا۔ ایک عام آدمی کی مانند' ایک عام سی زندگی گزار رہا تھا۔

دوسرا راستہ اس کی محبت تھی۔ جب تک وہ فائزہ سے نہیں ملا تھا' اس کے دل میں ایسا کوئی جذبہ وارد

نہیں ہوا تھا جس سے وہ اپنی زندگی میں ہیجان محسوس کرتا۔ اسے تو محبت کے معنی بھی تو نہیں معلوم تھے۔ پھر یہ جذبہ جیسے ہی اس میں وارد ہوا تو اس کی ساری کیفیات ہی بدل کر رہ گئی تھیں اسے پتہ ہی نہیں چلا کہ یہ ہو کیا گیا ہے۔ ایک انجانی قوت نے جیسے اس کے اندر کوئی تازہ روح پھونک دی ہو! جیسے وسیع صحرا میں پژمردہ نخلستان میں تیز بارش ہو جائے۔ درختوں اور پھولوں کی خوشبو کے ساتھ ریت کی اپنی منفرد مہک ہے وہ بھی شام جاں میں سرور بھر دے۔ وہ اک عام سی اور سپاٹ سی زندگی گزار رہا تھا ویران صحرا کی مانند اور اس میں جذبوں کا نخلستان پژمردہ ہو گیا تھا۔ اس میں محبت کی تیز بارش کے احساس نے احساسات میں اک منفرد زندگی بھر دی تھی جس سے اس کا روم روم تک مہک اٹھا تھا۔ یہ ایک بالکل نئی اور منفرد دنیا تھی۔ وہ خیالات میں نجانے کن وادیوں سے گزر جاتا اور کن آسمانوں کی سیر کر لیتا۔ اس میں امید کے نئے چراغ روشن ہو گئے تھے۔ جن کی جوت میں اسے دنیا اک نئی طرح کی دکھائی دے رہی تھی۔ اب اسے احساس ہوا تھا کہ زندگی کس قدر رنگین ہے۔ وہ فائزہ کا شکر گزار تھا کہ محبت کا احساس اسی نے دان کیا تھا۔ اس احساس کو مہوش فاطمہ نے بہت حد تک اس میں راسخ کیا تھا۔ اس کے ان پہلوؤں کے بارے میں اسے بتایا جو اس میں الجھن کا باعث تھے بالکل اس طرح جیسے کسی پیاسے کو پانی دے دیا جائے۔ اس کی یہ پیاس تھی کہ بڑھتی ہی چلی جا رہی تھی۔ پوری دنیا میں اک فائزہ کا وجود اس کیلئے بہت اہم ہو گیا تھا۔ وہ اسے سب سے بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔ اتنا بچا کر کہ اس نے فائزہ کے بارے میں مہوش فاطمہ کو بھی نہیں بتایا تھا۔ بس اسے اک نام دیا تھا ''مرکز''۔ اس نام کے پس منظر میں جو اتنی بڑی خواہشات کا میلہ تھا جس میں وہ خود آپ گم ہو کر رہ گیا تھا۔ اتنا سب کچھ اس کے اپنے اندر تھا اور یہ راز ابھی تک فائزہ تک بھی نہیں پہنچا تھا۔

فائزہ کا اس پر کیا ردعمل ہوگا.....؟ یہ سوچ کر ہی وہ بے چینیوں کی انتہا پر پہنچ جایا کرتا تھا۔ سب سے پہلا سوال اس کے ذہن میں یہی آتا تھا کہ اگر اس نے مجھے رَد کر دیا تو پھر؟ وہ اپنے آپ کو بہت سمجھایا کرتا تھا کہ اس کی اپنی شخصیت ایسی نہیں کہ وہ اسے رَد کر سکے۔ وہ رَد کیا ہی نہیں جا سکتا۔ فائزہ ایسی لڑکی نہیں ہے کہ جسے اتنا بھی معلوم نہ ہو کہ کس سے ملنا ہے اور کس سے نہیں ملنا۔ پاکستان میں رہتے ہوئے اس سے ہونے والی ملاقاتیں اس بات کی گواہ تھیں کہ وہ اسے رَد نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر کوئی اور وجہ ہو تو.....؟ اس سے اگلا سوال اسے مزید پریشان کر دیتا..... کیا اس کے ذہن میں ایسا کوئی معیار ہوگا جس پر وہ پورا نہ اتر سکے۔ محض ملاقات اور چاہا جانا۔ اس میں بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ اتنی بڑی خلیج ہوتی ہے کہ محبت کے بنا اس کے پار نہیں اترا جا سکتا..... کیا وہ اس قابل ہے کہ فائزہ اس کی محبت کو قبول کر لے.....؟ یہیں پر آ کر وہ الجھن کا شکار ہو جاتا..... وہ سوچتا کہ اس میں کیا کمی ہے.....؟ بہت کچھ سوچ لینے کے بعد تان آخر میں یہیں آ کر ٹوٹتی کہ اس کا بھی تو کوئی معیار ہوگا.....؟ کوئی دوسرا ایسا ہو سکتا ہے جو اس کے خیالوں پر چھایا ہو..... اس کے دل میں بستا ہو اور اس کے جذبات اسی کیلئے ہو..... کیا ایسی صورت میں اس کا مقام کیا ہوگا.....؟ اس نے تو پوری شدتوں کے ساتھ اس کو چاہا ہے..... اگر ایسا ہوا تو پھر وہ کیا کرے گا.....؟ اس کی سوچیں ڈربی میں دوڑنے والے گھوڑوں کی طرح تیار

ہوتی مگر وہ خود ان سے نگاہیں چرا جاتا وہ ایسا کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتا تھا جس میں فائزہ کے نہ ملنے کی بات ہو..... اسے یقین تھا کہ جب وہ پاکستان جائے گا تو حالات ایسے نہیں ہوں گے..... پہلے تو وہ محبت کو سمجھا ہی نہیں تھا..... اب اسے تھوڑا بہت احساس ہوا تھا' اب وہ اس سے بات کر سکتا تھا۔ وہ مہوش فاطمہ کا شکریہ ادا کرنا چاہتا تھا کہ جس نے اسے محبت کا وجدان دیا تھا۔

تیسرا راستہ اس کا وہ مقصد تھا جس کی نشاندہی نہ صرف مہوش فاطمہ نے کی بھی تھی بلکہ اس کے اپنے ضمیر کی آواز بھی تھی۔ مہوش فاطمہ نے تو محض اسے ایک احساس دیا تھا' وہ جو وقت کے ساتھ ساتھ ایک ایسی خواہش میں ڈھل گیا تھا کہ خواب بن کر رہ گئی تھی۔ پھر جیسے ہی علی اصغر نے اسے اس خواہش کو حقیقت میں بدل جانے کا احساس دلایا تو وہ ایک دم سے راضی ہو گیا۔ اسے کسی بھی طرح سوچنا نہیں پڑا تھا۔ اس نے لاشعوری طور پر سارے اہتمام کر ڈالے تھے۔ یہاں تک کہ اپنے دوستوں کو بھی اپنی اس خواہش کے بارے میں ہم خیال کر لیا تھا۔ اس راہ پر چلتے ہوئے' دوسروں کو اپنا ہم خیال بناتے ہوئے اسے بہت زیادہ محنت کرنا پڑی تھی۔ کیا فائزہ اس کی بات مان جائے گی.....؟ اگر وہ اس کی زندگی میں آ جاتی ہے تو کیا اس کے قدم بہ قدم چل کر اس کے مقصد میں اس کا ساتھ دے گی۔ جس نے ابھی سے ہی وقت نہ ہونے کے باعث اس کے پراجیکٹ سے معذرت کر لی تھی..... ممکن ہے اس کی ترجیحات کچھ اور ہوں..... ابھی تو اس کے پراجیکٹ کی ابتداء تھی۔ جس میں کام اتنا زیادہ نہیں تھا۔ لیکن آنے والے دنوں میں جب وہ پراجیکٹ پوری طرح چلنے لگتا' اس وقت تو اس کے پاس اپنے لئے بھی وقت نہیں ہوگا۔ اس کا تو یہ مقصد ایسا تھا جس میں اپنا آپ کھپا دینا پڑتا ہے۔ یہیں پر آ کر مختلف سوچیں اس کیلئے الجھن کا باعث بنتی تھیں۔ پہلے تو فائزہ تک پہنچنا اور پھر اپنے مقصد میں اسے ساتھ لے کر چلنا ہی ایک طویل سفر تھا جس کیلئے اس کے پاس وقت نہیں تھا۔ کیا فائزہ کے حصول کیلئے اسے وقت صرف کرنا چاہئے؟ کہیں یہ صرف کیا گیا وقت رائیگاں تو نہیں جائے گا؟ اور اگر فائزہ نہیں ہے تو پھر کوئی دوسرا ہو سکتا ہے.....؟ کوئی دوسرا.....؟ اس پر اس کی سوچ آ کر ٹھٹک جایا کرتی تھی وہ مزید کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔

شاید مہوش فاطمہ کو یہ الہام ہو گیا تھا کہ وہ اس سوال پر آ کر اپنی سوچوں سمیت ٹھٹک جاتا ہے کہ فائزہ کے علاوہ کوئی دوسرا.....؟ وہ حیران تھا کہ چند دنوں سے مہوش فاطمہ کی گفتگو میں ایسا ہی احساس تھا کہ ''مرکز'' کے علاوہ بھی کوئی دوسرا اس کی زندگی میں آ سکتا ہے؟ لیکن اس سے پہلے اس کا یہی سوال تھا کہ اسے کسی وجود سے محبت ہے یا پھر اپنے مقصد سے؟ یہ ایک سوال تھا جس کی کشمکش میں آ کر وہ پھنس گیا تھا۔ شاید یہی امتحان کی گھڑی تھی۔ انہی دنوں اسے یہ احساس ہوا کہ جیسے مہوش فاطمہ کا ضمیر ہو جس کے آگے وہ جوابدہ ہے۔ ضمیر کو بھی تو کسی نے نہیں دیکھا ہوتا۔ اس کا احساس ہی ہے نا.....؟ جو زیادہ احساس کرتا ہے وہ زیادہ باضمیر ہوتا ہے..... اور جو نہیں کرتا وہ بے ضمیر کہلاتا ہے۔ بلاشبہ باضمیر ہونا اور بے ضمیر ہونے میں انسانی رویہ بہت زیادہ بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ شاید یہی ایک کسوٹی ہے۔ مہوش فاطمہ کو جواب دینے سے پہلے اسے خود سوچنا تھا۔ اپنے آپ کو مطمئن کرنا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس نے خود سے آ کر کوئی اور فیصلہ کر لیا اور مہوش فاطمہ سے جھوٹ بولا تو

یہ منافقت ہوگی اور اپنے آپ سے صریحاً دھوکا ہوگا۔ وہ کشمکش میں تھا۔ کیا کرے.....؟

اور اس دن تو وہ مزید حیران ہو گیا..... اسے یقین ہو گیا کہ مہوش فاطمہ کو الہام ہوتا ہے۔ اس نے فقط اتنا لکھا تھا کہ تمہارے مرکز اور مقصد میں اتنا فرق ہے کہ ابھی تمہارا مرکز ایک خواب ہے..... اور تمہارا مقصد جو کبھی خواب تھا اب حقیقت میں بدل گیا ہے..... تم خود سوچو خواب اور حقیقت میں کس کو چنو گے.....؟ وہ جو کئی دنوں سے کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہا تھا..... اچانک لمحوں میں اس نے فیصلہ کر لیا..... ابھی خوابوں کو اپنی جگہ پر رہنا چاہئے..... خواب تو خواب ہوتے ہیں۔ انہیں حقیقت میں لانے کیلئے ایک عمر درکار ہوتی ہے۔ اگر وہ پورے نہ ہوئے تو پھر کیا پوری زندگی تج دی جائے.....؟ نہیں ایسا ممکن نہیں تھا۔ کیونکہ اس کا مقصد ایک حقیقت کی صورت اس کے سامنے تھا..... اور وہ خوابوں کے پیچھے بھاگنے والا سودائی بن کے نہیں رہنا چاہتا تھا۔ محض ایک وجود کی خاطر..... اور اس کے ساتھ ہی اس کے اندر کوئی شے زور دار کھنک کے ساتھ ٹوٹ گئی.....؟ کیا اتنی سی اس کی محبت تھی کہ طوفان بھی نہیں آیا اور وہ سب کچھ بکھر گیا..... جس کی آس میں وہ جی رہا تھا.....؟ نہیں جینے کیلئے اور بہت کچھ چاہئے ہوتا ہے.....؟ اس نے ایک عزم سے اپنے آپ کو یقین دلایا اور پھر اچانک اسے خیال آیا کیوں نا یہی سوال وہ مہوش فاطمہ کو بھیج دے..... اس کے ساتھ وہ خوش ہو گیا۔ دیکھیں کیا ہوتا ہے.....؟ وہ اٹھا اور اپنے کمپیوٹر کے پاس چلا گیا اور پھر اس نے محض اتنا سوال بھیجا۔

''کیا محبت کیلئے وجود کی ضرورت ہوتی ہے.....؟''

اسے یقین تھا کہ اس کے جواب میں ممکن ہے کوئی نیا پہلو اس کے سامنے آ جائے اور ایسا ہی ہوا۔ مہوش فاطمہ نے جواب میں لکھا تھا کہ نہیں..... یہ ضروری نہیں ہے۔ محبت تو بس کئے جانے کا نام ہے' جس میں کوئی صلہ نہیں مانگا جاتا۔ محبت تو آسانیاں پیدا کرنے کا نام ہے' اس کیلئے جس سے آپ محبت کرتے ہیں اور اس کے صدقے پوری انسانیت کیلئے..... اگر اس وجود میں موجود دل میں کوئی اور دھڑک رہا ہے تو کیا آپ اسے نکالنے کی کوشش کریں گے.....؟ ایسا ممکن نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ تو پتھر سے سر ٹکرانے والی بات ہوگی۔ جس کا حاصل سوائے توڑ پھوڑ کے اور کچھ نہیں..... اور پھر میرے نزدیک تو محبت مانگی نہیں جاتی' ہو جاتی ہے.....؟ مانگنا تو ہاتھ پھیلانے کے مترادف ہوتا ہے۔ محبت ایسی بھی نہیں ہے کہ اسے خیرات کیا جائے.....؟ یہ تو وہ انمول احساس ہے جسے نہ بانٹ کر حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس میں ٹوٹ پھوٹ ہوتی ہے۔ یہ تو وہ تحفہ ہے جس میں اپنا آپ کسی کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اس کی مرضی کے سامنے سرِ خم تسلیم کر دیا جاتا ہے اور پھر اسی کی رضا ہوتی ہے۔ اپنا آپ باقی نہیں بچتا..... ہاں.....! بندہ خود کو ایسے مقام تک لے جائے..... جہاں خود رضا دریافت کی جاتی ہے اور یہ محبت ہی وہ قوت تحریک ہے جو انسان کو اس عروج پر پہنچاتی ہے۔ محبت وہ نعمت ہے جو رفعتوں تک رسائی دے دیتی ہے۔ آپ جس قدر اپنی محبت میں مضبوط ہوں گے.....! جتنی ریاضت کریں گے۔ اس قدر اس مقام پر فائز ہوں گے۔ تمہاری محبت اتنی پرکشش' مضبوط اور پراعتماد ہو کہ تمہارا مرکز خود چل کر تمہاری مرضی معلوم کرے..... آپ خود سوچیں.....! اس میں وجود یا جسے آپ مرکز کہتے ہیں۔ اس کی ضرورت اس

صورت میں تو ہے کہ وہ ہو..... لیکن اسے ساتھ لے کر چلنا اور اس کے بغیر اپنے مقصد کا تصور نہ کرنا..... یہ غلط ہے.....؟ اب آپ بتائیں کہ آپ کا خیال کیا ہے.....؟

زوہیب نے وہ میل بہت غور سے پڑھی تھی اور اپنے آپ میں ایک نئی طرح کی توانائی محسوس کی تھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ اصل میں محبت کی روح کیا ہوتی ہے۔ جو قربانی کے سوا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا۔ اس کے پاس کوئی نیا سوال نہیں تھا۔ اس لئے اس نے اپنی نگاہیں کمپیوٹر سے ہٹا لیں۔ وہ چند دن اسی بات کی خوشگواریت میں رہنا چاہتا تھا۔ تب تک کوئی نئی بات اس کے ذہن میں آ ہی جاتی۔ بہرحال.....! ان دنوں وہ خود میں بہت زیادہ تبدیلی محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆

علی اصغر کو بلال کے شہر تک پہنچنے میں دو گھنٹے لگے تھے۔ اس دن بلال کو اپنی فیملی کے ساتھ دوبئی کیلئے فلائی کرنا تھا۔ جس میں بس تھوڑا سا وقت رہتا تھا۔ علی اصغر کی کوشش تھی کہ وہ وقت پر پہنچ جائے۔ اسی مقصد کیلئے اس نے اپنے شہر سے بلال کے شہر تک پہنچنے کیلئے بائی ایئر جانا ہی مناسب سمجھا تھا۔ اسے پورا یقین تھا کہ وہ اس کے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد بلال کی اڑنے والی فلائیٹ تک پہنچ جائے گا۔

علی اصغر ڈومیسٹک ٹرمینل سے بین الاقوامی ٹرمینل کی طرف آیا تو سامنے ہی بلال قدرے خوشگوار چہرے کے ساتھ کھڑا دکھائی دیا۔ اس کی گود میں اس کا بیٹا تھا۔ انہی لمحوں میں علی اصغر کو بلال خاصا بدلا ہوا محسوس ہوا..... وہ جب اسے ملا تھا' اس وقت اک تھکن اس کے چہرے سے عیاں تھی اور اب ایک خوشگوار چہرے اور پراعتماد آنکھوں والا بلال اس کے سامنے تھا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا اس کے پاس چلا گیا۔ جہاں اس کے ساتھ بیوی اور ایک بچی بھی تھی۔

''ارے علی صاحب..... آپ پہنچ گئے.....'' بلال نے انتہائی حیرت سے کہا جیسے اس کے یوں پہنچ جانے کی امید نہ ہو..... تاہم اس کے لہجے میں خوشگواری گھلی ہوئی تھی۔

''میں نے جب فون کر کے آپ کو بتایا تھا کہ میں آ رہا ہوں' تو بس پھر میں آ گیا۔'' علی اصغر نے خودش ہوتے ہوئے کہا۔

''اصل میں یار.....! میں چاہتا تھا کہ میں تم سے تھوڑی وہ باتیں کر لوں جس کے بارے میں زوہیب نے مجھ سے کرید کرید کے پوچھنا ہے۔ میں بھی ادھر ایسی مصروفیات میں پھنسا ہوں کہ دوبارہ تمہاری طرف آ ہی نہیں پایا.....'' یہ کہہ کر وہ چونکا اور اس سے ذرا فاصلے پر بیٹھی ایک خاتون کی طرف دیکھ کر اس نے کہا۔ ''آؤ.....! تمہیں تمہاری بھابی سے ملواؤں.....'' یہ کہتے ہوئے وہ اس طرف بڑھ گیا تو علی بھی اس کے ساتھ چل پڑا۔ رستے میں اس نے تحائف کا وہ بیگ اسے دے یا جو اپنے ساتھ لایا تھا۔

''یہ علی اصغر صاحب ہیں۔'' اس نے اپنی بیوی سے کہا اور تحائف کا بیگ اسے تھما دیا۔ وہ کھڑی ہو گئی۔ بلاشبہ اس کا تعارف اچھے لفظوں میں ہو چکا تھا۔ اس نے سلام کیا تو علی نے بہت اچھے انداز میں جواب

دیا۔

''بھائی جی.....! اس میں کیا ہے؟'' اس نے بیگ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس میں بھابی آپ کیلئے اور بچوں کیلئے کچھ تحائف ہیں۔'' آپ انہیں ساتھ لے جائیے گا۔'' علی نے کہا تو وہ خوش ہوگئی اور رسماً کہا۔

''اس کی کیا ضرورت تھی.....''

''ضرورت شاید نہ ہولیکن اپنی خوشی کیلئے میں لایا تھا۔'' علی نے بھی اس کے رسمی جملے کا جواب رسمی فقرے ہی سے دیا۔

''بہت شکریہ بھائی.....'' اس نے کہا تو بلال نے اپنا بیٹا اپنی بیوی کو تھما دیا۔ علی نے پھولے گالوں والی اس بچی کو پیار کیا جو حیرت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ تبھی بلال نے اشارے میں کہا۔

''بیگم.....! میں ذرا.....''

یہ کہہ کر وہ علی کے ساتھ قریبی کاؤنٹر کی جانب بڑھ گیا' جہاں سے اور چیزوں کے ساتھ چائے بھی ملتی تھی۔ ان میں باتوں کا سلسلہ دراز ہوگیا تھا۔ موضوع وہی ان کا پراجیکٹ تھا۔

''ٹھیک ہے.....! میں سمجھ گیا۔ اب اس کیلئے مزید جتنا بھی سرمایہ تمہیں چاہئے وہ بلا جھجک اور بروقت بتانا تاکہ پراجیکٹ کا کام کہیں بھی نہ رکے.....'' بلال نے ساری بات سن لینے کے بعد کہا۔

''نہیں انشاءاللہ.....! اس پراجیکٹ کا کام نہیں رکے گا.....!'' علی نے پورے یقین سے کہا۔

''ویسے تو زوہیب آتے ہوئے کچھ نہ کچھ لے کر ہی آئے گا۔'' بلال نے چائے کی چسکی لی۔

''تم..... اسے کہنا کہ پریشانی والی کوئی بات نہیں..... میرے پاس اتنا سرمایہ ہے کہ میں یہ اکیلے کام چلا سکتا ہوں۔'' علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو بلال ہنس دیا۔

''یہ تو بڑی اچھی بات ہے علی.....! ویسے میں ایک بات اور بھی سوچ رہا ہوں..... تمہاری بھابی وہاں جانے پر اتنی راضی نہیں ہے۔ وہ جو مشرقی خواتین نہیں ہوتیں۔ اپنا گھر' اپنا خاندان..... چاہے سو طرح کے مسائل ہوں..... وہ شوہر سے زیادہ اپنے سسرالی خاندان کو اہمیت دیتی ہیں۔ یہ بھی ایسی ہے۔ اب پتہ نہیں۔ اس کا وہاں جا کر دل بھی لگتا ہے یا نہیں..... میں یہ سوچ کر زوہیب کو مستقل بنیادوں پر پاکستان میں نہ آنے دوں..... میرے خیال میں ہم اسے فری کر دیں گے کہ وہ جہاں بھی رہے..... کیا خیال ہے؟'' بلال نے ایک طویل تمہید کے بعد اس سے کہا۔

''بلال.....! یہ تو آپ کا فیصلہ ہوگا نا..... وہ جہاں بھی رہے' خوش رہے..... ویسے میں نے بھی ایک بات سوچی ہے.....'' علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''وہ کیا.....؟'' بلال نے تجسس سے پوچھا۔

''اب اس کی شادی ہو جانی چاہئے۔ بہت سارا وقت اس نے تنہا گزار لیا ہے۔'' علی نے ہنستے ہوئے

کہا۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن اسے کوئی لڑکی پسند آئے تو نا.....'' بلال نے مایوسی سے لہجے میں قدرے تلخی سے کہا۔

''تم اسے ذہنی طور پر تیار کرنا..... یہاں آیا تو میں بھی کروں گا.....'' علی نے سنجیدگی سے کہا۔

''بات تو پھر.....!'' وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

''اسے چھوڑو.....! میرے خیال میں ایک لڑکی ہے ایسی.....'' علی نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

''کون ہے وہ.....؟'' وہ چونکتے ہوئے بولا۔ پھر اچانک کہا۔ ''کہیں وہ فائزہ تو نہیں جو''

''ہاں.....!'' علی نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔ ''پچھلے دنوں جب وہ یہاں آیا تھا تو ان کے درمیان بہت لمبی ملاقاتیں چلتی رہی ہیں۔ گھنٹوں ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہتے تھے اور تو اور موصوف اس کے پاس یونیورسٹی پہنچ جاتے۔ اس کے علاوہ میں نے کسی میں بھی اس کی دلچسپی نہیں دیکھی.....''

''اچھا.....!'' بلال کیلئے یہ اطلاع نئی تھی۔ اس کیلئے اس لئے بہت دلچسپی اور حیرت سے سنا تھا۔ وہ چند لمحے یونہی کھڑا سوچتا رہا اور پھر چونکتے ہوئے بولا۔ ''نہیں مجھے نہیں لگتا ایسا کچھ ہوگا..... یا ان میں کوئی ایسا تعلق بن پائے گا.....''

''وہ کیوں.....؟' علی نے بھی حیرت سے پوچھا۔

''وہ اس لئے جناب کہ اگر فائزہ کے دل میں تھوڑی بہت بھی اس کیلئے گنجائش ہوتی نا تو وہ ہمارے اس پراجیکٹ کیلئے بھرپور دلچسپی لیتی.....'' بلال نے کہا۔

''یار.....! وہ کام تو کر رہی ہے نا۔''

''لیکن بہت محدود.....! ایسا کام تو فقط رکھ رکھاؤ کیلئے ہوتا ہے۔ تم نے اسے ذمہ داری سونپی اور اس نے کمال خوبصورتی سے ٹال دیا۔ میرے ساتھ باتوں میں بھی اس نے یہی ظاہر کیا ہے کہ وہ بہت مصروف ہے اور یہ ذمہ داری نہیں لے سکتی'' یہ کہتے کہتے اس نے پرخیال لہجے میں کہا۔ ''ہاں.....! یہ ممکن ہے کہ زوہیب کے دل میں کوئی بات ہو۔ اس کی دلچسپی ہو تبھی تو بار بار اس کا نام لیتا ہے کہ پراجیکٹ میں اسے شامل کیا جائے۔''

''نہیں.....! وہ اسے پراجیکٹ میں اس لئے شامل نہیں کر رہا ہے کہ شاید وہ اس کے دل کو لگ گئی ہے' حقیقت میں ایسی کسی خاتون کی پراجیکٹ کو ضرورت ہے۔ جو ایجوکیشن سے بھی تعلق رکھتی ہو اور کسی معتبر ادارے سے بھی متعلق ہو..... اور پھر مخلص ہو.....'' علی نے اسے سمجھایا۔

''خیر.....! اب بات تو الجھن میں ہے' اصل بات تو زوہیب ہی جانتا ہے نا۔'' بلال نے الجھتے ہوئے علی کی جانب غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''اس میں الجھن والی کوئی بات بھی نہیں ہے۔ اگر فائزہ اور زوہیب کے بارے میں بات ہے بھی یا

نہیں ہے۔ ہمیں اس سے کیا۔ وہ بس شادی کر لے چاہے کسی سے بھی کرے۔ تم نے اسے ذہنی طور پر تیار کرنا ہے۔'' اس نے جواب میں کہا۔

''ٹھیک ہے' میں اسے کہوں گا.....! لیکن ہوسکتا ہے کہ میں یہ کام کر ہی نہ پاؤں۔ کیونکہ میرے جاتے ہی وہ پاکستان آنے کیلئے پر تولنے لگے گا..... وہ یہاں.....'' یہ کہتے ہوئے وہ ٹھٹک گیا اور پھر بولا۔''یار ایک اور خاتون ہے جس کا وہ بہت ذکر کرتا ہے۔ مہوش فاطمہ! کہیں اس سے.....'' بلال نے کہا تو علی ہنس دیا۔

''تم اتنے ہی معصوم ہو یا بن رہے ہو.....؟''

''کیا مطلب.....؟'' وہ حیرت سے بولا۔

''ارے وہ تو بس ایک نام ہے.....! پتہ نہیں کہاں رہتی ہے' کیسی ہے اور یہ بھی نہیں پتہ کہ اس کا کوئی وجود بھی ہے یا نہیں..... ورنہ ایسا تو نہیں ہوتا کہ وہ کوئی ہو اور وہ سامنے نہ آئے..... اس کے بارے میں تو خود زوہیب کو بھی نہیں پتہ..... جتنا وہ اس سے متاثر ہے اور جس قدر وہ اس کا ذکر کرتا ہے۔ اب تک تو وہ اس کے پاس پہنچ گیا ہوتا.....''

''اصل میں یار.....! یہ اپنا زوہیب بھی تھوڑا کھسکا ہوا ہے۔ زیادہ کتابیں پڑھ کے..... اور یہ فلسفیاتی قسم کی باتوں سے یہ بھی بس.....'' بلال نے اپنے تئیں اصل وجہ بتائی۔

''بس کیا.....!'' علی نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہی نہ یار کہ ایسی کیا بات ہے نہ اس کی سمجھ آتی ہے اور نہ ہی وہ اپنے بارے میں کسی کو کچھ سمجھاتا ہے۔ وہ ہماری طرح نارمل اور عام سا بندہ کیوں نہیں ہے؟'' بلال نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''وہ سب کچھ ہے یار جو تم کہہ رہے ہو..... بس اس کے ساتھ حالات وہ نہیں رہے جیسے ہم جیسے عام اور نارمل بندوں کے ساتھ ہوتے ہیں۔ خیر.....! تم اسے تھوڑا ذہنی طور پر تیار کر سکو تو ٹھیک ہے.....؟ ورنہ اس نے یہاں آنا تو ہے ہی۔'' علی نے تقریباً مایوس ہوتے ہوئے کہا۔

''میرے خیال میں اسے تم ہی سنبھالنا..... وہ میرے بس کی بات نہیں ہے اور دوسرا میرے پاس اتنا وقت ہی نہیں ہوگا کہ میں اس کے ساتھ ایسی باتیں کر سکوں..... اب دیکھو نا وہ شروع سے ہی الگ تھلگ رہتا ہے۔ تنہائی پسند ہے۔ الگ اپارٹمنٹ میں اکیلا رہتا ہے۔'' بلال نے علی سے معذورت خواہانہ انداز میں کہا تو علی سمجھ گیا کہ یہ اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ اس نے حتمی لہجے میں کہا۔

''چلیں ٹھیک ہے.....! میں ہی اسے دیکھوں گا.....''

اس سے پہلے کہ وہ مزید بات کرتے..... اس کی فلائیٹ کا اعلان ہونے لگا۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھے اور واپسی کیلئے مڑ گئے..... تبھی بلال نے کہا۔

''بہرحال.....! تم مجھے اس معاملے میں ضرور انفارم کرتے رہنا۔''

''میں ضرور کر دوں گا.....!'' یہ کہہ کر اس نے رکتے ہوئے کہا۔''اب مجھے اجازت۔'' علی نے کہا تو،

بلال بولا۔

''اب کیا پروگرام ہے؟''

''یہیں تمہارے شہر میں چند دوست ہیں۔ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ یہ رات ان کے ساتھ گزاروں گا اور کل واپس چلا جاؤں گا.....''

''او کے.....!'' بلال نے الوداعی انداز میں اس سے ہاتھ ملائے۔ بغل گیر ہوا اور چل دیا۔ علی نے ایئر پورٹ سے باہر کا رخ کیا۔ اس کے ذہن میں بہت کچھ چل رہا تھا۔

☆☆☆

نادیہ اس دن ڈیپارٹمنٹ پہنچی تو پارکنگ میں فائزہ حسن کی گاڑی کھڑی دکھائی دی۔ وہ اسے بہت ہی اہم خبر دینا چاہتی تھی۔ اس لئے اپنے کلاس فیلوز میں جانے کی بجائے وہ فائزہ کے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے پاس چند طالبات بیٹھی ہوئیں تھیں۔ وہ بھی کرسی کھینچ کر ان کے پاس بیٹھ گئی اور فائزہ کی بات سننے لگی۔ جو طویل ہوتی چلی جا رہی تھی جبکہ نادیہ کو خبر سنانے کی بے چینی ہو رہی تھی۔ خدا خدا کر کے ان کی بات ختم ہوئی تو وہ سب طالبات اٹھ گئیں۔

''سناؤ نادیہ کیا حال ہے.....؟'' فائزہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں.....! آپ کیلئے ایک خبر ہے.....؟'' نادیہ نے تجسس سے کہا۔

''میرے لئے.....تو سناؤ بھئی.....'' فائزہ نے خوشدلی سے کہا۔

''چاچو آ گئے ہیں۔ رات پہنچے ہیں۔'' نادیہ نے کہا تو فائزہ نے اتنی زیادہ حیرت نہیں دکھائی جیسی نادیہ کو توقع تھی۔ یہ خبر فائزہ نے یوں سنی تھی جیسے اس کی کوئی اہمیت ہی نہ ہو۔ پھر وہ دھیرے سے مصنوعی حیرت سے بولی۔

''اچھا.....! ٹھیک ہیں وہ.....؟''

''ہاں..... بالکل ٹھیک ہیں۔ انہوں نے آتے ہی آپ کا پوچھا تھا مجھ سے۔'' نادیہ نے اس خبر کو اہم بنانے کیلئے اس کا ایک خاص پہلو اس کے سامنے اجاگر کیا۔

''کیوں پوچھا انہوں نے.....'' فائزہ نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا تو نادیہ ایک لمحے کو جھجک گئی۔ پھر فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے بولی۔

''اب میں تو نہیں بتا سکتی انہوں نے کیوں آپ کے بارے میں پوچھا۔ ہاں اندازہ لگا سکتی ہوں کہ آپ کی ان سے خاصی ملاقاتی رہی ہیں نا پچھلی بار تو.....'' وہ اپنی جونک میں کہہ رہی تھیں تو فائزہ نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

''خاص ملاقاتوں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس میں تکلفات کی دیوار گر جائے..... وہ ایک خاص موضوع پر تھیں، چلتی رہیں، تم بھی جانتی ہو..... لیکن اب میرا ایسی کہانیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اور نہ اس کی

لینے والی ہے' وہ کیا نام تھا اس کا.....'' فائزہ کو یہ جھوٹ بولتے ہوئے بہت مشکل ہو رہی تھی اور پھر جان بوجھ کر اس نے مہوش فاطمہ کا نام نہیں لیا تھا' اس کے خاموش ہوتے ہی یہ نام نادیہ نے لے دیا تو وہ بولی۔''ہاں..... وہی.....!''

''لیکن ہم دونوں خاندانوں میں ایک اچھا تعلق تو ہے.....''

''میں نے کب کہا نہیں ہے نادیہ..... خیر.....! میں تمہیں بتا دوں..... تمہارا اطلاع دینے کا انداز مجھے ہرگز پسند نہیں آیا۔'' اس نے انتہائی نرم لہجے میں کہتے ہوئے اپنی ذات کے گرد حصار کو مضبوط بناتے ہوئے کہا۔ اسے معلوم تھا کہ اس سے نادیہ خاصی ڈسٹرب ہو گی۔ مگر ایسا ضروری تھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی زوہیب کے ساتھ ملاقاتوں کا سلسلہ دوبارہ شروع ہو جائے۔

''دیدی.....! آپ کو کیا ہو گیا ہے.....؟ آپ کا رویہ پہلے تو ایسا نہیں تھا۔'' نادیہ حیرت میں پڑ گئی۔

''میرا رویہ.....؟ نادیہ تم کچھ غلط مت سوچو..... میری بات پر غور کرو..... اور جاؤ' کلاس کا وقت ہونے والا ہے۔''

فائزہ نے قدرے سختی سے کہا تو وہ مزید حیران ہو گئی کہ آخر دیدی کو ہوا کیا ہے۔ اس کے خبر سنانے سے پہلے تو وہ بالکل ٹھیک تھیں۔ نادیہ نے ایک بار غور سے فائزہ کی طرف دیکھا اور پھر ایک جھٹکے سے اٹھ گئی۔ اس نے کمرے سے جاتے ہوئے یہ بھی نہیں دیکھا کہ فائزہ بھی اسے غور سے دیکھ رہی ہے۔

نادیہ سارا دن کلاس میں ڈسٹرب رہی۔ یہاں تک کہ جب وہ لیکچر دینے کیلئے گئی تو نادیہ کی شاکی نگاہوں میں اس کیلئے ناراضگی تھی۔ فائزہ نے اسے محسوس تو کیا لیکن نظر انداز کر گئی۔ اس نے یہ بہت پہلے ہی سوچ لیا تھا کہ اب وہ زوہیب سے پہلے والا تعلق نہیں رکھے گی۔

کیونکہ ان ملاقاتوں کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ دوسروں کی سوچ اک نئی ڈگر پر چل نکلی تھی۔ جب اس سوچ کا اظہار اس پر ہوا تو اس کا ردعمل بہت شدید ہوا..... وہ بہت دنوں تک سنبھل نہیں پائی تھی۔ اس ردعمل کے اثرات اب تک تھے۔ وہ اس سوچ کو مزید پختہ نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ اس کیلئے اسے خود سے مضبوط ہونا تھا۔ جہاں تک زوہیب کے بارے میں اس کے ذاتی خیالات تھے' جو اس کا اپنا ارادہ تھا' وہ مہوش فاطمہ کی صورت میں پورے ہو رہے تھے۔ مقصد رابطہ رکھنا تھا' وہ مہوش فاطمہ کی حیثیت میں رکھے ہوئے تھی اور پھر جو اطلاع نادیہ نے اسے دی تھی' یہ اس کیلئے نئی بھی نہیں تھی۔ زوہیب نے دوبئی سے چلتے وقت مہوش فاطمہ کو میل کی تھی۔ اسے پاکستان پہنچنے کا وقت تک بتایا تھا اور درخواست کی تھی کہ اگر ممکن ہو سکے تو اپنا فون نمبر دے دے۔ وہ بات کر لے گا۔ فائزہ کو پورا علم تھا کہ وہ رات پہنچ گیا ہو گا۔ ہاں..... بس نادیہ نے اس کی تصدیق کر دی تھی۔

اس وقت وہ سیکنڈ ایئر کی کلاس لے کر اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے اپنا پرس کھولا اور فون دیکھا۔ یہ اس کا معمول تھا کہ جب وہ کلاس لے رہی ہوتی تھی تو اس کا سیل فون سائیلنس پر ہوتا تھا۔ کلاس کے بعد وہ ایک نظر فون پر ڈال لیتی۔ تب اسے احساس ہو جاتا تھا کہ کس کس کا فون آیا ہے اور اس کی توقع کے عین

مطابق علی اصغر نے اسے فون کیا ہوا تھا۔ یہ کوشش ایک بار نہیں' کئی بار کی ہوئی تھی۔ اس نے ایک لمحے کو سوچا اور علی اصغر کو فون کر دیا..... دوسری طرف سے اس کی چہکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

''بہت شکریہ آپ نے فون کر لیا۔ میرا خیال ہے' آپ کلاس میں ہوں گی۔''

''جی ہاں.....! میں کلاس لے رہی تھی۔ فرمائیے.....'' اس نے سرد لہجے میں انتہائی تکلف سے کہا تو علی نے قدرے دھیمے لہجے میں بتایا۔

''وہ..... یہ..... زوہیب آئے ہیں..... آپ ان سے بات کریں۔'' علی نے فون زوہیب کو دے دیا تھا کہ اگلے ہی لمحے زوہیب کی آواز سنائی دی۔ ''اسلام علیکم.....!''

''وعلیکم اسلام.....! کہئے کیسے ہیں آپ.....؟'' فائزہ کے لہجے میں ذرا سی بھی خوشگواریت نہیں تھی۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں.....؟ آپ کیسی ہیں۔'' وہ خوشی سے بولا تھا۔

''میں بھی ٹھیک ہوں.....'' اس کے لہجے میں سرد مہری اتری ہوئی تھی۔

''لیکن لگتا نہیں ہے..... یا تو آپ فائزہ نہیں ہیں یا پھر.....'' زوہیب کے لہجے میں حیرت گھلی ہوئی تھی۔ اس کا کھردرا لہجہ اس کے اعصاب پر شاک کی طرح لگا۔

''جی میں فائزہ حسن ہی بات کر رہی ہوں..... آپ بولیں بات کریں' کیا کہنا چاہ رہے تھے آپ؟'' اس نے سپاٹ سے لہجے میں کہا۔

''میں نے اس وقت تو بس آپ سے' آپ کی خیریت ہی دریافت کرنا تھی۔ لگتا ہے کہ آپ بہت زیادہ مصروف ہیں۔ چلیں پھر کسی وقت بات کر لیں گے۔'' زوہیب نے جلدی سے کہا اور پھر خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔ تبھی فائزہ روشن سکرین پر نگاہ ڈالتے ہوئے مسکرائی اور فون واپس اپنے پرس میں رکھ لیا۔ اسے یہ پوری طرح احساس تھا کہ اب زوہیب کا ردعمل کیا ہوگا۔

ان دنوں گرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ اس لئے عصر کا وقت تو یوں لگتا جیسے دوپہر ہی ہو..... مگر وہ اپنے کمرے کی خنک فضا میں نماز پڑھ چکی تھی اور اب وہ پوری طرح لکھنے کیلئے تیار تھی۔ اسے یہ بالکل احساس نہیں تھا کہ نادیہ اور زوہیب کے ساتھ اس نے کیسا رویہ اپنایا ہے۔ لازمی طور پر اس کا ردعمل اچھا نہیں ہوگا۔ اس نے ذرا بھی نہیں سوچا اور نہ ہی اس بات کا اس کے ذہن پر کوئی دباؤ تھا۔ اس لئے وہ پوری یکسوئی کے ساتھ لکھتی رہی۔ ایسے وقت میں اس کا فون بند ہی ہوا کرتا تھا۔ پھر جیسے ہی مغرب کی اذان اس کے کانوں میں پڑی اس نے اپنا قلم روک دیا۔ پھر اسے بند کر کے ایک طرف رکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ آج اس نے بہت زبردست فقرے لکھے ہیں اور نجانے لفاظی کہاں سے آ گئی تھی..... یہ کیسے ہوا.....؟ یہی سوچتے ہوئے وہ کرسی پر سے اٹھی اور باتھ روم میں چلی گئی..... جیسے ہی وہ وضو کر کے باہر نکلی تبھی ایک خیال اس کے ذہن میں آیا۔ بلاشبہ یہ اس کے ذہن پر بوجھ تھا جو نادیہ اور زوہیب کے ساتھ رویہ اپنا کر اس نے وہ بوجھ لاشعوری طور پر اتار پھینکا ہے۔ یہی سوچتے سوچتے ایک خیال اور اس کے ذہن میں آ گیا کہ زوہیب پر تجربہ کسی ایسے ہی جذبے کے تحت تو

نہیں کیا جا رہا ہے؟ وہ ٹھٹک گئی وہ اس پر سوچنا چاہتی تھی لیکن وہ اس طرف دھیان نہیں لگانا چاہتی تھی۔ سو اپنے رب کے حضور کھڑی ہو گئی۔

رات جب وہ سونے کیلئے اپنے بستر پر لیٹی تو سب سے پہلے یہی خیال اس کے ذہن میں آیا..... شاید اس کا ذہن بھی اسی سوال پر سوچنا چاہ رہا تھا کہ زوہیب پر تجربہ کسی ایسے ہی جذبے کے تحت تو نہیں کیا جا رہا ہے؟ وہ اپنے ضمیر کی عدالت میں آ کھڑی ہوئی..... جہاں یہی سوال اس پر الزام کی صورت لگ چکا تھا۔ وہ اس سے نگاہیں نہیں چرا سکتی تھی اس لئے جوابدہ تھی۔ تب اس نے وہاں پر واشگاف الفاظ میں اس الزام کی تردید کی تھی۔ وہاں پر اس نے یہی بیان دیا کہ وہ محض ایک تجربہ کرنا چاہتی تھی۔ جس میں کسی انتقام' نفرت یا منفی جذبہ کارفرما نہیں تھا۔

''تو پھر کیوں.....؟'' اس سے پوچھا گیا۔

''میرا اور زوہیب کا تعلق ایک لکھاری اور قاری کا ہے..... زوہیب کا اس حوالے سے میری طرف بڑھنا..... اپنے بارے میں بتانا ہی اس تجربے کا محرک بنا اس میں اس کا کوئی نقصان نہیں تھا۔ بلکہ وہ تو اسے مثبت راہوں کی طرف لے جا رہی تھی.....''

''یہ غلط ہے.....! تم کسی کو اس کی مرضی کے خلاف کس طرح اکسا سکتی ہو اور اسے منفی جذبہ بھی نہیں مان رہی ہو.....! کسی کی سوچ پر قبضہ کرنا' اسے ماؤف کر کے' اپنی پسند کے مطابق تبدیل کرنے کو تم کیا کوئی معمولی عمل قرار دیتی ہو..... یہ کسی کے ذہن پر تسلط جمانے والی بات ہے اور تم نے ایسا کر کے جرم کیا ہے۔ انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی ہے.....''

''نہیں نہیں..... ایسا نہیں ہے۔ میری یہ سوچ ہرگز نہیں تھی۔''

''کیوں نہیں تھی..... کیا زوہیب نے اپنے آپ کو اس تجربے کیلئے خود پیش کیا تھا۔ اگر پیش نہیں کیا تھا تو کیا تم نے اس کی مرضی معلوم کی.....؟''

''ہاں.....! ایسا تو نہیں ہوا.....! اس میں فقط میری مرضی شامل تھی اور میں چاہتی تھی کہ وہ جو دھیرے دھیرے مثبت راہوں کی طرف چل رہا ہے اسے تیز کر دوں.....''

''تمہارے پاس ایسا کون سا معیار ہے کہ تم مثبت اور منفی راہوں کی نشاندہی کر سکو.....!''

''میرے پاس میرے معاشرتی تقاضے' اخلاقیات کے اصول اور مذہب کی تعلیمات میں' میں نے انہی کی بناء پر سوچ کر یہ فیصلہ کیا ہے۔''

''لیکن تمہیں اختیار کس نے دیا ہے..... کہ تم اپنی سوچ کو کسی دوسرے پر مسلط کرو..... بناء اس کی اجازت کے' بغیر اس کی مرضی کے اس کو بتائے بغیر.....! کیا یہ دھوکہ نہیں ہے..... کیا تمہارے سارے معاشرتی تقاضے درست ہیں.....؟ کیا سارے اخلاقیات کے اصول درست تسلیم کر لئے گئے ہوئے ہیں؟ اور کیا مذہبی تعلیمات کی تشریحات میں آپ نے پوری طرح اطمینان کر لیا ہے۔ اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو پھر بھی دھوکہ

کبھی مثبت نہیں رہا۔''

''دیکھیں.....! ایک شخص خود اعتراف کر رہا ہے کہ وہ میرے نظریات و افکار کو اپنا رہا ہے اور انہی کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی میں تبدیلی لانے کی کوشش کر رہا ہے..... کیا یہ اس کی مرضی نہ ہو گی.....! ہاں' میں یہ مانتی ہوں کہ میں فائزہ حسن اس کے سامنے مہوش فاطمہ کے طور پر نہیں ہوں..... لیکن زوہیب کا اظہار تو یہی ہے نا کہ وہ مہوش فاطمہ کے خیالات و نظریات کو مانتا ہے۔ وہ اسے اہمیت دیتا ہے۔ کیا یہ اس کی مرضی نہ ہوئی.....؟ میں اسے کوئی دھوکہ نہیں دے رہی۔''

''کیا تم فائزہ حسن کے روپ میں مہوش فاطمہ نہیں ہو.....؟''

''لیکن میں نے کبھی فائزہ حسن کے طور پر اسے بدلنے کی کوشش نہیں کی اور نہ ہی میں ایسا چاہتی ہوں..... اس کا تعلق مہوش فاطمہ سے ہے اور اس کے ساتھ رابطہ ہے۔ وہ فائزہ حسن سے ایسی کوئی بات بھی نہیں کرتا.....''

''لیکن تم یہ ضرور مانو گی کہ اس تجرباتی عمل میں اس سے مہوش فاطمہ نہیں' فائزہ حسن ملی تھی اور لوگوں کی رائے سے متاثر بھی فائزہ حسن ہوئی ہے۔ بلکہ وہ خود بھی.....! وہ خود بھی زوہیب سے متاثر ہوئی ہے اسے اگر مہوش فاطمہ سہارا نہ دیتی تو شاید وہ بھی اب تک اپنے اس تجربے کی نذر ہو چکی ہوتی۔''

''ہاں.....! میں کھلے دل سے یہ اعتراف کرتی ہوں کہ ایسا ہوا ہے لیکن میرا رویہ ان سے انتقاماً نہیں' محض اپنی ذات کی حفاظت تھا..... میں نہیں چاہتی کہ لوگ میری ذات پر انگلیاں اٹھائیں..... میں اپنی ذات پر یہ برداشت نہیں کر پاؤں گی۔ مجھے محبت سے زیادہ اپنی عزت پیاری ہے۔ میں کسی قیمت پر بھی اسے کھونا نہیں چاہتی۔ چاہے اس کیلئے میری جان چلی جائے.....!''

''یہ تمہارا ذاتی فیصلہ ہے.....! ہم اس پر کچھ بھی نہیں کہیں گے لیکن اس طرح کی جذباتی باتیں کر کے تم موضوع کو اس کے فوکس سے ہٹا رہی ہو..... میں نے پوچھا کہ.....''

''نہیں.....! میں نے انتقام سے نہیں' محض اس کی بہتری کیلئے سوچا ہے۔ میں نے اس میں تبدیلی کی کوشش اپنی ذات سے دلچسپی ختم کرنے کیلئے کی ہے۔ میں اسے جرم نہیں مانتی' مجھے اپنا دفاع کرنے کا پورا حق حاصل ہے.....''

شاید اس کے لہجے میں اب بغاوت اترنے لگی تھی۔ اس لئے ضمیر کی عدالت کچھ وقت کیلئے ٹل گئی..... وہ چاہتی تو اپنا موقف بہت اچھے اور زیادہ تفصیل سے بیان کر سکتی تھی لیکن ایسا اس نے اس لئے نہیں کیا کہ کہیں عدالت کا قیمتی وقت ضائع نہ ہو جائے.....! صبح اس نے یونیورسٹی بھی جانا تھا۔ سو ساری سوچیں ایک طرف رکھ کر وہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☆☆☆

رات دھیرے دھیرے اپنا سفر طے کرتی چلی جا رہی تھی۔ یہ وقت ایسا ہوتا ہے کہ جب آسمان سے کسی

دھند کی مانند سکون اترتا ہے اور پوری زمین پر پھیل جاتا ہے۔ فطری طور پر یہ وقت آرام اور سکون کا ہوتا ہے۔ لیکن انسانوں نے یہ وقت بھی اپنی خواہشات کے مطابق ڈھال لیا ہے۔ وہ اس پرسکون احساس کو محسوس ہی نہیں کرتے اور رات کو بھی دن کی مانند بنانے پر تلے ہوئے ہیں اور ایسا کرنے والے لوگ ڈپریشن کا شکار نہ ہوں تو پھر کیا ہوں..... جس وقت انسان کا سکون غارت ہوتا ہے' ایسے نفسیاتی عارضے لاحق ہوتے ہیں۔

زوہیب پر بھی اس وقت شدید ذہنی دباؤ تھا۔ اسے احساس ہی نہیں تھا کہ رات گزرتی چلی جارہی ہے اور اس میں پرسکون نیند کے مزے لئے جاتے ہیں۔ وہ تو بس مسلسل سوچ رہا تھا۔ اسے فائزہ کے رویے کی قطعاً سمجھ نہیں آئی تھی۔ وہ جب یہاں سے گیا تھا' اس وقت فائزہ کا رویہ مختلف تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ جیسے آج اس نے انتہائی کھردرے اور سپاٹ لہجے میں بات کی تھی۔ اس کے لہجے سے تھوڑی بہت تو خوشی عیاں ہونی چاہئے تھی۔ وہ کیوں بدل گئی.....؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جس کا اسے جواب چاہئے تھا جو سوائے فائزہ کے دوسرا کوئی اور نہیں دے سکتا تھا۔

وہ جب دوبئی سے چلا تھا' اس وقت اس کے ذہن میں بہت سارے خیالات گردش کر رہے تھے۔ لیکن اس کی اپنی ترجیحات تھیں کہ اس نے کیا کرنا ہے۔ اس میں سرفہرست فائزہ سے ایک طویل ملاقات تھی۔ جس میں اسے پراجیکٹ کیلئے راضی کرنا تھا۔ زوہیب کے گمان میں تھا کہ اگر فائزہ راضی ہو جاتی ہے تو پھر اس کا ساتھ بہت آسان ہوگا۔ دونوں کو' ایک دوسرے کو سمجھنے میں مشکل نہیں ہوگی۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ ان کی پہلے ہونے والی ملاقاتوں میں صرف ایک ہی شخصیت مرکز تھی اور وہ تھی مہوش فاطمہ.....! لیکن اب ایسا نہیں تھا۔ زوہیب کے اپنے من کی صورت حال بدل گئی تھی۔ وہ اب فائزہ حسن کو مہوش فاطمہ کے حوالے نہیں جاننا چاہتا تھا۔ اب اسے یہ غرض نہیں تھی کہ فائزہ کس قدر مہوش کے خیالات و افکار سے متاثر ہے۔ وہ تو اب اسے جاننا چاہتا تھا۔ اس کے قریب ہو کر اسے محسوس کرنا چاہتا تھا۔ اپنے ہونے کا احساس دلانا چاہتا تھا۔ ایسی خواہش محض یونہی نہیں تھی۔ اس کی بنیادوں میں بہت ہی خوشگوار اور خوبصورت جذبے ہمک رہے تھے۔ اُس نے پورے خلوص کے ساتھ سوچا تھا کہ اگر اس کی طرف بڑھی' اس کے معیار پر وہ پورا اترا تو زندگی بھر اس کا دامن خوشیوں سے بھرتا رہے گا۔ اس کی چاہت ایک نہ ختم ہونے والے سفر کی مانند ہوگی جس میں کسی بھی منزل کا تعین نہیں کیا جاتا اور سفر جاری رہتا ہے۔ جہاں اس کے خیالات میں اتنی شدت تھی' وہیں اس نے اتنے ہی خلوص کے ساتھ یہ بھی سوچا تھا کہ اگر فائزہ کے دل میں کوئی اور ہوا..... وہ اگر کسی اور کی چاہت میں ڈوبی ہوئی ہوگی تو پھر وہ اس کی راہ سے ہٹ جائے گا اور پورے خلوص سے اس کی مدد کرے گا۔ یہ مدد ایسی ہوگی کہ اس کا احساس فائزہ کو بھی نہیں ہوگا۔ مہوش فاطمہ سے اس نے یہی سیکھا تھا کہ محبت میں پا لینا ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔ اکثر اوقات کھو دینے میں بھی پا لینے کا پورا اہتمام موجود ہوتا ہے۔ لیکن یہ فائزہ.....! اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اچانک اسے ہو کیا گیا ہے؟

یہی سوچتے ہوئے زوہیب کو یہ خیال آیا کہ ممکن ہے اس سے کوئی غلطی ہوگئی ہو.....؟ اس نے یہاں

سے جانے کے وقت سے لے کر واپس آنے تک پورے دورانیے کو اپنے خیالات میں لاکر سوچا' ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ پہلے پہل وہ ہفتے میں دوبار فون کر لیتا تھا' پھر دس پندرہ دن اور پھر آخری دنوں میں تو وہ وقتاً فوقتاً کال کر لیا کرتا تھا۔ تب اس کا لہجہ اور رویہ بالکل نارمل تھا۔ کیا اس کے آجانے سے کچھ ہوا ہے یا پھر وہ اپنے اس رویے میں کوئی پیغام دینا چاہتی ہے.....؟

ایسا کیا ہو سکتا ہے.....؟ اس کی ہی تو اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ دوبئی سے چلتے وقت اس کی تین ترجیحات تھیں' سب سے پہلے تو اسے اپنے پراجیکٹ کی فکر تھی۔ وہ اس کیلئے تمام تر وسائل کو ایک جگہ جمع کر لینا چاہتا تھا۔ وہ ایسا کچھ بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا جس کی بناء پر اس کے پراجیکٹ میں کوئی تھوڑی بہت بھی خامی رہ جائے..... دوسری ترجیح اس کی یہ تھی کہ فائزہ کی قربت حاصل کرنا..... اس میں یا تو وہ اس کی ہو جاتی یا پھر ہمیشہ کیلئے اس کی زندگی سے نکل جاتی..... دونوں صورتوں میں وہ خود کو ذہنی طور پر تیار کر کے آیا تھا اور تیسری ترجیح یہ تھی کہ مہوش فاطمہ سے رابطہ بڑھانا۔ وہ اب تک چیٹ کی اندھی دنیا میں اس سے مخاطب تھی۔ یوں جیسے وہ اندھیرے میں آواز لگا دیتا' تو اس کے جواب میں مہوش فاطمہ کی آواز کسی بازگشت کی مانند سنائی دے جاتی۔ اکثر اوقات اسے یہ لگتا کہ جیسے مہوش فاطمہ اس کے خیالات پڑھ لیتی ہے اور پھر اسی کی سوچ کے مطابق اسے جواب دیتی ہے۔ یہ احساس اسے کئی بار ہوا تھا.....

وہ جیسے ہی پاکستان میں پہنچا' علی اصغر اسے ایئر پورٹ پر لینے کیلئے موجود تھا۔ رات گہری ہو گئی تھی' ورنہ وہ چاچے عاشق کے ہوٹل پر بیٹھ کر اپنے پراجیکٹ کے بارے میں تفصیل سنتا۔ بہرحال ایئر پورٹ سے گھر تک آتے ہوئے اسے بہت کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ اسے یہ سن کر بہت اچھا لگا تھا کہ فائزہ نے اپنے وعدے کے مطابق ایک نصاب ترتیب دے کر اسے دے دیا تھا۔ اس میں جتنا بھی خرچ آیا تھا' اسے فائزہ نے ہی برداشت کیا۔ وہ نصاب علی کے آفس میں پہنچ چکا تھا۔ اس نے وہیں طے کر لیا تھا کہ وہ فائزہ کا شکریہ ادا کرے گا اور اسے راضی کر لے گا۔ اس نے کوئی وقت ضائع نہیں کیا اور صبح علی کے آفس پہنچ گیا۔ وہاں جا کر اس نے کام کے بارے میں تفصیلی جائزہ لیا اور مطمئن ہو گیا۔ تبھی اس نے فون کیا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ضرور کچھ ایسا ہوا ہوگا جس کی بناء پر اس کا لہجہ اور رویہ تبدیل ہو گیا ہے۔ ورنہ فائزہ سے یہ توقع بالکل بھی نہیں کی جا رہی تھی۔ پھر وہ جتنی دیر بھی علی کے آفس میں رہا بہت افسردہ رہا..... دوپہر کے بعد جب واپس گھر آیا۔ تبھی سے اس کے ذہن میں یہی باتیں ایک بوجھ کی مانند لدی ہوئی تھیں۔ اس نے شام اپنے گھر والوں کے ساتھ گزاری۔ وہ لان میں بھی بیٹھا رہا مگر لاشعوری طور پر یہی سوچتا رہا۔ اس کی شدت سے یہ خواہش تھی کہ وہ فائزہ سے ملے۔ اس سے یہ سوال کرے.....؟ لیکن پھر یہ سوچ کر ارادہ بدل دیتا رہا کہ پتہ نہیں اس کے دماغ میں کیا ہوگا' یوں ملاقات کرنے سے کوئی مزید خرابی نہ ہو جائے۔ وہ محتاط تھا اور اسی وجہ سے اب تک ڈپریشن لئے سوچ رہا تھا۔

''کیا میں اسے فون کر لوں.....'' یہ سوچ کر اس نے کلاک کی طرف دیکھا' جہاں رات کے دو بج رہے تھے۔ وہ دل مسوس کر رہ گیا۔ اتنی رات گئے فون کرنا تو ویسے ہی بداخلاقی کے زمرے میں آتا تھا۔ تو پھر کیا

کرے..... کیا صبح یونیورسٹی چلا جائے.....؟ کیا اس طرح ملاقات میں کوئی ایسی بات تو نہیں ہو گی کہ وہ کہیں ناراض ہو جائے.....! یہی سوچتے ہوئے اس نے طے کر لیا کہ ملاقات تو کرنی ہے' کب اور کیسے اس کا فیصلہ بعد میں ہوتا رہے گا' فی الحال اسے سونا چاہئے ورنہ وہ صبح وقت پر اٹھ نہیں سکے گا اور نہ ہی وقت پر سائیٹ دیکھنے جا سکے گا۔ یہ خیال آتے ہی اس نے لائٹ آف کی اور سونے کیلئے لیٹ گیا۔ شاید اس کا دماغ پہلے ہی سونے کی طرف مائل تھا۔ اس لئے جیسے ہی اس نے خود کو نیند کے حوالے کیا تو تھوڑی دیر بعد وہ اس دنیا سے غافل ہو گیا۔

اگلی صبح سائٹ پر سے واپسی کے وقت جب وہ ایک چوراہے پر آئے جہاں سے ایک راستہ یونیورسٹی کی جانب جاتا تھا تو علی نے بات چھیڑ دی۔ اس نے عام سے انداز میں کہا۔

''یہ فائزہ کو اچانک کیا ہوا ہے.....؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں.....'' زوہیب نے اطمینان سے جواب دیا۔ جس کی علی کو توقع نہیں تھی۔

''کیا مطلب.....! کچھ ایسی بات نہیں ہوئی' کیا اس کے رویے کو تم نارمل لے رہے ہو' اس نے ایسا کیوں کہا۔'' علی جیسے پھٹ پڑا تھا۔ اس کے لہجے میں دکھ گھلا ہوا تھا۔

''او میرے بھائی.....! میں نے یہی کہا ہے کہ مجھے معلوم نہیں۔ اگر معلوم ہوتا تو میں بتاتا۔ مجھے خود پتہ نہیں ہے کہ وہ اپنے رویے میں ایسی کیوں ہو گئی ہے۔'' زوہیب نے عام سے انداز میں کہا۔

''کوئی نہ کوئی وجہ تو رہی ہو گی..... میں سمجھتا ہوں کہ میں نے اسے بہت احترام کے ساتھ ٹریٹ کیا ہے۔ عام حالات میں اگر کوئی مجھ سے اس طرح کی بات کرتا' جس طرح وہ مجھ سے کرتی رہی ہے تو میں اسے ذرا بھی اہمیت نہ دیتا۔ یہ تم نے کہا تھا' اس لئے میں نے اسے اہمیت دی' ورنہ شہر بھر میں ایسے کتنے لوگ میرے حلقے میں ہیں جو اس طرح کے کئی نصاب بنا کر مجھے دے دیتے۔'' اس نے کوئی بہت تیر نہیں مار دیا۔'' علی کہتا ہی چلا گیا' جیسے وہ زوہیب کو یہ باور کرانا چاہتا ہو کہ فائزہ کو اگر اس نے اہمیت دی ہے تو فقط زوہیب کی وجہ سے۔ ورنہ اس طرح کے رویے والے لوگوں کو وہ برداشت نہیں کرتا۔ یہ سن کر زوہیب کافی دیر تک خاموش رہا۔ ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ اسے خاموش پا کر علی پھر سے شروع ہو گیا۔'' دیکھو زوہیب.....! جس قدر تم نے فائزہ کی تعریفیں کیں تھیں اور جس قدر تم نے اسے مخلص بتایا تھا' وہ ایسی نہیں' اسے زعم ہے اپنے آپ پر' وہ کسی کو کچھ نہیں سمجھتی' نہ سمجھے لیکن ہمارے ساتھ تو ایسا رویہ نہ رکھے جس سے ہماری تضحیک ہوتی ہے۔''

''نہیں.....! وہ کسی کی تضحیک نہیں چاہے گی۔'' زوہیب نے اعتماد سے کہا۔ تو علی نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور پھر کچھ بھی نہیں بولا۔ اس نے اپنی توجہ ڈرائیونگ پر رکھی۔ لیکن اس کے ذہن میں فائزہ کا رویہ ہی گھومتا رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اب وہ جتنی بھی بات کرے گا' زوہیب اسے تسلیم نہیں کرے گا۔ اس لئے علی نے اس موضوع پر بات کرنا ہی فضول سمجھا۔ وہ اپنے آفس آ جانے تک بالکل خاموش رہا۔ یہاں تک کہ آفس میں اطمینان سے بیٹھ جانے کے بعد زوہیب نے علی سے کہا۔

''دیکھو علی.....! میں مانتا ہوں کہ فائزہ کا رویہ مناسب نہیں ہے لیکن کوئی وجہ جانے بغیر ہمیں اس سے

بدگماں نہیں ہونا چاہئے۔''

''تو کیا اب بھی گنجائش ہے کہ اس سے بات کی جائے۔ ایسا رویہ ہونے کے باوجود بھی.....؟'' علی نے تھوڑا احتجاجی لہجے میں کہا۔

''ہاں.....! میں وجہ معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ ورنہ میں بھی جانتا ہوں کہ شہر بھر میں بہتیرے ایسے لوگ ہیں جو مخلص ہیں اور ہمارے ساتھ بہترین تعاون کرنے والے ہوں گے۔'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے' جیسا تم چاہو' لیکن اب اس سے جو بھی رابطہ ہوگا' وہ تمہارا ہی ہوگا۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہوگی۔'' علی نے لاپرواہی سے کہا تو زوہیب ہنس دیا۔ پھر بولا۔

''ڈونٹ وری یارا..... تم پریشان نہ ہو..... میں دیکھ لوں گا۔'' اس نے گویا اس موضوع پر بات ہی ختم کر دی پھر زوہیب وہاں کافی دیر تک بیٹھا رہا لیکن ان کے درمیان فائزہ موضوع گفتگو نہ بنی۔

اسی شام جب زوہیب اپنے گھر کے لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ذہن میں فائزہ ہی تھی۔ کچھ دیر سوچتے رہنے کے بعد اس نے فائزہ کو فون کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس نے اپنے سامنے میز پر پڑا ہوا فون اٹھایا اور فائزہ کا نمبر ڈائل کر دیا۔ دوسری طرف سے فون بند ہونے کی اطلاع ملی۔ اسے یوں لگا جیسے کسی برف پوش پہاڑ پر برف کی ایک اور تہہ جم گئی ہو..... وہ کچھ دیر تک اس کی سرد مہری کے بارے میں سوچتا رہا اور پھر اسے ذہن سے نکال کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ جہاں اس کا کمپیوٹر پڑا تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت کو مہوش فاطمہ سے شیئر کرنا چاہتا تھا۔ اس نے بہت کچھ لکھا' اس میں کچھ اوٹ پٹانگ تھا اور تھوڑی بہت سنجیدہ باتیں تھیں۔ زوہیب کا مقصد محض اپنا ذہنی دباؤ کم کرنا تھا۔ کافی دیر تک یونہی کمپیوٹر کے ساتھ کھیلتے رہنے کے بعد جب وہ اٹھا تو کمرے سے باہر اندھیرا اُتر چکا تھا۔ سارا منظر اندھیرے کی سرمئی چادر میں لپٹا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اٹھا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔ چند لمحے یونہی خالی الذہن رہنے کے بعد اس نے فون اٹھایا اور دوبارہ کوشش کی۔ اس دفعہ فون بند نہیں تھا۔ چند گھنٹیاں جانے کے بعد اس نے فون اٹھا لیا۔

''جی.....!'' فائزہ نے دھیرے سے کہا۔

''میں زوہیب بات کر رہا ہوں'' اس نے انتہائی محتاط انداز میں قدرے نرمی سے کہا۔

''جی زوہیب صاحب..... کیسے ہیں آپ.....؟'' اس کے لہجے میں قدرے خوشگواریت تھی جیسے وہ بات کرنا چاہتی ہو۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں..... اور آج آپ کا موڈ بھی خاصا ٹھیک لگ رہا ہے۔'' زوہیب نے بھی اس کی خوشگواریت محسوس کرتے ہوئے قدرے بے تکلفی سے کہا۔

''میرا موڈ ہمیشہ ٹھیک رہتا ہے۔ زوہیب صاحب.....!'' یہ کہتے ہوئے وہ ذرا سی ہنسی اور پھر بولی۔ ''آپ شاید کل کے حوالے سے بات کر رہے ہیں۔''

''جی بالکل' میں اس طرح کے رویے کو سمجھ نہیں سکا؟'' زوہیب کے لہجے میں شکایت گھلی ہوئی تھی۔

''مگر آپ کو سمجھنا چاہئے تھا کہ میرا ایسا رویہ آپ کے ساتھ کیوں ہے.....؟'' اس نے نرمی سے کہا۔

''کیا مطلب.....؟'' زوہیب چونک گیا۔

''زوہیب صاحب.....! ہم جس معاشرے میں جی رہے ہیں اور جس طرح کی ثقافت سے ہمارا تعلق ہے۔ اس میں ایک عورت کو بہت دیکھ بھال کر چلنا پڑتا ہے۔ آپ کو پتہ ہے کہ اس معاشرے میں عورت کیلئے معافی کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔'' فائزہ نے اشارے میں اسے بات سمجھانا چاہی۔

''میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں..... اور آپ کے اس قدر پرتکلف انداز کی وجہ کے بارے بھی تھوڑا بہت احساس ہو رہا ہے مجھے' لیکن.....! ایسا کیوں.....؟ اس کی وجہ مجھے بھی تو معلوم ہونی چاہئے۔''

''کیوں.....؟ آپ کو وجہ کیوں معلوم ہونی چاہئے۔ کیا تعلق اور کیا رابطہ ہے آپ کا میرے ساتھ؟ آپ کہیں گے مہوش فاطمہ.....! تو آپ کو بتاؤں' میں نے اسے پڑھنا بند کر دیا ہے۔'' فائزہ کے لہجے میں پھر سے کھردرا پن اتر آیا تھا۔ تبھی زوہیب نے انتہائی تحمل سے کہا۔

''سوری فائزہ.....! آپ کی ان دونوں باتوں میں یکسانیت ہونے کے باوجود' میں یہ جاننا ضروری چاہوں گا کہ قطع تعلق کی وجہ کیا ہے۔ میں' میرے متعلق کوئی فرد یا پھر آپ کا کوئی مسئلہ.....؟''

''ظاہر ہے میرے اپنے ذاتی مسائل ہیں..... میں سمجھتی ہوں کہ آپ سے ملاقاتوں کا ایک طویل سلسلہ رہا ہے اور اسی بناء پر آپ نے بہت مان سے دوبارہ مجھ سے رابطہ کیا ہے' لیکن میں معذرت خواہ ہوں کہ اب میں ویسی ملاقاتوں کا سلسلہ نہیں رکھ پاؤں گی۔ میرے خیال میں آپ کو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ میں تلخ تجربات سے گزری ہوں۔ میں نے اس معاشرے میں رہنا ہے' ایک عام عورت سے زیادہ مجھے محتاط رویہ اپنانا ہوگا۔ پلیز.....!'' فائزہ نے صاف بات کرتے کرتے اشاروں میں ہی بات کر گئی۔

''میں نہیں سمجھتا کہ آپ کو کس طرح کے تلخ تجربات سے واسطہ پڑا ہے۔ ظاہر ہے وہ لوگ ہمارے اردگرد ہی ہوں گے۔ میں یا آپ دونوں کسی کی سوچ پر پہرا تو نہیں بٹھا سکتے اور نہ ہی انہیں اپنی مرضی کے مطابق سوچنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔ لیکن ایک بات میں ضرور کہنا چاہوں گا۔'' زوہیب کے لہجے میں قدرے شدت اتر آئی تھی۔

''بولیں میں سن رہی ہوں۔'' فائزہ نے دھیرے سے کہا۔

''کیا آپ کے اور میرے درمیان جو اک خوبصورت سا تعلق رہا ہے اور میرا خیال ہے اب بھی ہے۔ کیا اس تعلق کی وجہ سے ہم اپنے آپ سے شرمندہ ہیں.....؟ کیا اس تعلق پر ہمارے ضمیر نے ہمیں ملامت کی؟ یا کسی طرح بھی یہ تعلق ہمارے لئے بوجھ بنا.....؟''

''دیکھیں.....! نہ ہم شرمندہ ہیں' کم از کم میں تو نہیں اور نہ ہی میرے ضمیر نے ملامت ہے۔ ہاں.....! جہاں تک بوجھ کی بات ہے تو یہ تعلق میرے لئے بوجھ ضرور بنا ہے۔ آپ کی یہ بات درست ہے کہ یہ

ہمارے اردگرد کے لوگ ہی ہیں جنہوں نے یہ احساس دلایا.....'' فائزہ نے کھل کر بات کہہ دی۔

''لیکن اگر اب ہمارے درمیان وہ پہلے والا تعلق نہیں رہتا نا تو پھر یہ احساس زیادہ پختہ ہو جائے گا کہ ہمارے درمیان تعلق کی بنیاد کچھ اور تھی۔ آپ کا محتاط ہونا ٹھیک ہے۔ لیکن اس طرح نہیں کہ یکدم قطع تعلق کر لیا جائے۔'' زوہیب نے اسے سمجھانا چاہا

''آپ اب تک میری بات نہیں سمجھ رہے ہیں۔ میں کسی کی نگاہوں میں گرنا نہیں چاہتی۔ میں آپ کی بات ماننے سے انکار کرتی ہوں اور اس پر معذرت خواہ بھی نہیں ہوں۔'' فائزہ نے صاف لفظوں میں کہہ دیا۔

''ٹھیک ہے فائزہ' جیسا آپ چاہیں.....آپ کے فیصلے پر سر تسلیم خم ہے۔ آئندہ میں آپ سے رابطہ بھی نہیں کروں گا' ہاں' ایک درخواست کروں گا۔'' زوہیب نے حتمی لہجے میں کہا۔

''بولیں' میں سُن رہی ہوں.....'' فائزہ نے دھیرے سے کہا۔

''آپ کے اچھے جذبات میرے لئے ہمیشہ رہنے چاہئیں۔'' زوہیب نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

''وہ تو پہلے سے ہی ہیں اور انشاء اللہ رہیں گے.....'' فائزہ نے انتہائی اعتماد سے کہا۔ تب زوہیب نے کوئی الوداعی بات نہیں کی اور فوراً فون بند کر دیا پھر آنکھیں بند کر کے کتنی ہی دیر تک یونہی بیٹھا رہا۔ وہ خود پر قابو پانا چاہتا تھا' سو اسے تھوڑا وقت لگا۔ جب اس نے خود کو قدرے نارمل محسوس کیا تو اُٹھ کر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔

اس وقت وہ چاچے عاشق کے ہوٹل پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے علی اصغر بیٹھا ہوا تھا۔ ابھی تک چائے ان کے سامنے نہیں آئی تھی۔ انہیں وہاں آئے ہوئے ابھی تھوڑا ہی وقت ہوا تھا۔ لیکن ان کے درمیان خاموشی تھی۔ سو اس خاموشی کو علی اصغر نے ہی توڑا۔

''تم مجھے کافی افسردہ دکھائی دے رہے ہو' کیا بات ہے؟''

علی کے یوں پوچھنے پر اس نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا

''تم نے واقعی ہی ایسا محسوس کیا ہے یا پھر یونہی کہہ رہے ہو.....''

''تمہارے چہرے پر لکھا ہوا ہے۔'' علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں یار.....! افسردہ ہوں.....'' وہ مایوسی بھرے لہجے میں بولا۔ ''میں نے سوچا کچھ اور تھا' مگر ہو کچھ گیا ہے۔ جو کچھ میں سوچ کر آیا تھا نا اس کی شروعات ہی غلط ہوئیں۔ میرے خیال میں یہ ایک واضح اشارہ ہے کہ وہ کچھ نہ کروں جو کرنے جا رہا ہوں۔''

''میں سمجھا نہیں تم کہنا کیا چاہ رہے ہو.....کھل کر کہو تو میں بھی سمجھ سکوں.....؟'' علی نے الجھتے ہوئے لہجے میں کہا تو زوہیب نے فائزہ سے فون پر ہونے والی گفتگو اسے بتا دی سب کچھ اطمینان سے سن لینے کے بعد وہ بولا۔

''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم اسے اتنی اہمیت دے رہے ہو تو کیوں.....؟''

''یار.....! وہ مجھے اچھی لگی ہے میں نے تمہیں بتایا تھا نا کہ مجھے اس میں سے مہوش فاطمہ نظر آتی ہے۔'' زوہیب نے صاف لفظوں میں بتا دیا۔ تو علی نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یار.....! ایک تو یہ مہوش فاطمہ نے مجھے مار دیا ہے پتہ نہیں کون ہے اور..... خیر.....! مجھے یہ بتاؤ تم فائزہ سے شادی کرو گے..... کیا وہ تمہاری پسند ہے.....؟''

''پسند تو ہے..... بہت ساری لڑکیوں میں سے فقط وہی مجھے پسند آئی ہے لیکن.....! اب میں اس سے شادی نہیں کروں گا.....'' زوہیب نے حتمی لہجے میں کہا۔

''یار.....! یہ کیا کہہ رہے ہو تم..... مجھے تمہاری سمجھ نہیں آ رہی ہے۔ ایک طرف تم اسے پسند کرتے ہو اور دوسری طرف..... اور تم نے جو اس کے بارے میں بتایا۔ میں مانتا ہوں کہ مشرقی لڑکی کو ایسا ہی ہونا چاہئے ہمارا یہ معاشرہ بہت ظالم ہے۔ یہ واقعی کسی عورت کو معاف نہیں کرتا۔ لیکن کیا اتنی سی بات پر تم اس سے ناراض ہو گئے ہو اور اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے ہو.....''

''تم نے کبھی محبت کی ہے.....؟'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو علی ایک دم سے چونک گیا اور پھر حیرت سے بولا۔

''یہ کیا سوال ہے..... میں تم سے کوئی اور بات کر رہا ہوں اور تم مجھ سے محبت کے بارے میں دریافت کر رہے ہو سوال چنا جواب گندم.....؟''

''اس لئے تم میری بات نہیں سمجھو گے.....! میری جان' میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے فائزہ سے محبت ہو گئی ہے۔ میں اسے چاہتا ہوں۔''

''اب تم..... میرا مطلب ہے..... تم پاگل ہو گئے ہو.....'' علی نے شدت جذبات سے کہا اور پھر خود پر قابو پاتے ہوئے دھیرے سے بولا۔ ''مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے کہ تمہیں اس سے محبت کیوں ہے۔ بہت اچھی بات ہے۔ لیکن تم اس سے شادی کرنے سے بھی انکاری ہو.....! واٹ نان سینس یار.....!''

''یار.....! محبت میں اس سے کرتا ہوں..... وہ تو نہیں..... میں کسی کو زبردستی کیوں اپنی زندگی میں شامل کروں۔ ممکن ہے اس کے دل میں.....''

''بھاڑ میں گئیں یہ تمہاری رومانٹک باتیں..... تم اس کو سمجھو' وہ تمہیں اپنے معاشرتی تقاضوں کے بارے میں بتا رہی ہے۔ اپنے کلچر کا حوالہ دے رہی ہے۔ اب وہ تمہیں یہ سیدھے سبھاؤ کس طرح کہہ دے کہ میرے گھر میں رشتہ لے کر آؤ.....! ارے گھامڑ ہو تم.....'' علی نے جوش میں اسے بالکل ہی رگید کر رکھ دیا۔

''نہیں میرا نہیں مطلب کہ وہ ایسا کہہ رہی ہو گی۔ وہ یہ سب باتیں کسی اور ریفرنس میں کہہ رہی ہے۔''

''مطلب.....! کس ریفرنس میں.....''

''یہی کہ میں اس سے رابطہ نہ رکھوں.....''

''تو ٹھیک کہہ رہی ہے نا..... اب وہ تم سے محض مہوش فاطمہ کے حوالے سے باتیں کرتی رہے۔ کیا فائدہ اسے..... یونہی خالی خولی باتیں کرنے کا کیا فائدہ۔''

''اس کی طرف سے جب کوئی واضح اشارہ.....''

''پاگل مت بنو..... اور سمجھنے کی کوشش کرو..... یہاں ابھی اتنا ایڈوانس ماحول بھی نہیں ہوا کہ لڑکے اور لڑکیاں اپنے رشتے خود طے کرتے پھریں۔ یہ حرکتیں خاندان کے وقار کے منافی ہوتی ہیں۔ ہمارا معاشرتی تقاضا ہمارا کلچر ہی ہے کہ اپنے گھر والوں کو ان کے گھر بھیجو جیسا ہمارا چلن ہے۔ ہوتا ایسے ہی ہے نا..... وہ یا تو رشتہ دینے کیلئے ہاں کر دیں گے یا انکار..... اب وہ اس سطح پر ہے کہ اپنے گھر میں اس کی رائے کو اہمیت دی جاتی ہو گی۔ وہ پڑھا لکھا اور سمجھ دار خاندان ہے' وہ تم سے رشتہ طے کرنے سے پہلے اس سے ضرور پوچھیں گے..... اگر مرضی نہ ہوئی تو ہی انکار ہوگا..... ورنہ.....''

''ہاں.....! یہ تو ہے.....'' زوہیب نے سوچتے ہوئے کہا۔

''میری سمجھ میں بھی یہ بات آ گئی ہے کہ وہ ہمارے پراجیکٹ میں' ہمارا ساتھ کیوں نہیں دے رہی۔ اچانک اس نے اپنا رویہ کیوں بدلا۔ وہ ہمیں احساس دلانا چاہتی تھی جیسے کہ اب ہم بات کر رہے ہیں نا..... سوچ رہے ہیں اس کے رویے پر.....''

''یار.....! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو..... میں تمہاری بات مانتا ہوں۔ منطقی اعتبار سے وہ بالکل درست لگتی ہے لیکن.....! پتہ نہیں میرا دل کیوں نہیں مانتا کہ ایسا نہیں ہے۔''

''یہ تمہارے اندر کا خوف ہے..... جو تمہیں کچھ بھی نہیں کرنے دے رہا ہے۔ تم اپنے اندر کے خوف سے ہی ڈر رہے ہو..... اور اسی وجہ سے تم اسے کھو دو گے تم یہ چاہتے ہو کہ وہ تمہارے ساتھ تمہارے پراجیکٹ میں کام کرے اور پھر وہ کسی لمحے تم سے اظہار محبت کرے اور تم اس پر احسان کرتے ہوئے اسے اپنا لو گے.....'' علی نے کہا تو زوہیب خاموش رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا جواب دے۔ وہ نجانے کہاں کے قلابے کہاں ملا رہا ہے۔ زوہیب کو خاموش پا کر وہ تیزی سے بولا۔ ''تمہاری خاموشی تمہارے اندر بسی اس خواہش کا اظہار کر رہی ہے تو زوہیب ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ وہ کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے جو اظہار محبت کرتی پھرے۔ خیر.....! تم کچھ نہیں کر سکو گے۔ مجھے ہی یہ سب کرنا پڑے گا۔''

''کیا کرو گے تم.....؟'' زوہیب نے تیزی سے پوچھا۔

''اب میں اپنی شادی کا پیغام تو اس کے ہاں لے جانے سے رہا۔ ظاہر ہے' میں شعیب بھائی سے بات کروں گا اور..... وہ بھابی سے.....''

''وہ تو مجھے پہلے ہی کہہ چکی ہیں کہ میں اپنی پسند سے انہیں آگاہ کر دوں تو باقی سارا کام ان کا.....''

''تو پھر بس بتا دو.....! دیکھ لینا۔ اس کا نتیجہ تمہاری سوچوں سے بالکل مختلف ہوگا۔''

''ٹھیک ہے' میں بتا دوں گا۔'' اس نے چھوٹے کو چائے لاتے ہوئے دیکھ کر کہا۔ یہ لڑکا اب وہاں پر نیا تھا' اب یہ اس لڑکے کی قسمت اچھی تھی کہ یہ دونوں وہاں پر چائے پینے آ گئے تھے۔ زوہیب نے بغور اسے دیکھا تو وہ چائے رکھ کر چلا گیا۔ ان کے درمیان خاموشی پھر سے آن ٹھہری۔

''اب کیا سوچ رہے ہو.....'' علی نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میں تمہاری باتوں پر سوچ رہا ہوں اور انہیں مہوش فاطمہ کی باتوں سے.....''

''خدا کیلئے یار.....! یہ مہوش فاطمہ ہمارے درمیان سے نکل نہیں سکتی۔ تم پلیز اس کا نام کم از کم میرے سامنے مت لیا کرو.....! اچھی مصیبت ہے بھئی۔''

''تم کیوں خائف ہو اس سے۔'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے کہا اور پھر چائے کا سپ لینے کیلئے جھکا۔

''کوئی بھی بات ہو..... اس کا حوالہ کیا ضروری ہوتا ہے۔ خدا کیلئے اس کے ''چنگل'' سے نکل آؤ۔ وہ قصے کہانیاں لکھنے والی' خیالی دنیا میں رہنے والی خاتون، یہ حقیقی دنیا۔ تم کس کی مطابقت کس سے کر رہے ہو؟''

''کیا تم جانتے ہو' کہ وہ قصے کہانیاں لکھنے والی اور خیالی دنیا میں رہنے والی ہے۔''

''مجھے معلوم ہو جائے نا کہ وہ کون ہے تو میں اس کا گلا دبا دوں..... اب پلیز اس کا نام ہمارے درمیان نہیں آنا چاہئے۔ پلیز.....!'' علی نے اکتاتے ہوئے کہا تو زوہیب کھلکھلا کر ہنستے ہوئے بولا۔

''نہیں آئے گا.....''

اس پر علی فقط مسکرا کر رہ گیا۔ پھر ایک گہرا سپ لے کر بولا۔

''اب وہی کرنا جو میں کہہ رہا ہوں..... نہیں کر سکو گے تو مجھے بتانا.....''

''کر لو یار.....'' زوہیب نے کہا۔

''اب چھوڑو اس موضوع کو' بتاؤ دوبئی میں کیسے وقت گزرا.....'' علی نے آنکھ مارتے ہوئے کہا تو وہ دونوں ہی ہنس دیئے..... ان کے درمیان وہ باتیں چھڑ گئی تھیں جن کا تعلق فائزہ سے نہیں تھا۔

☆☆☆

رات کا سناٹا اس کے اردگرد پھیلا ہوا تھا۔ اس قدر خاموشی میں وہ پوری یکسوئی کے ساتھ لفظ لفظ کہانی بنتی چلی جا رہی تھی۔ وہ کہانی کے اس باب تک آئی ہوئی تھی جہاں اس کے کردار ایک ایسی کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں جہاں انا اور محبت کے درمیان ٹھن جاتی ہے۔ دو کرداروں کے درمیان مکالمے لکھتے ہوئے وہ بھی اپنے آپ کو اسی کہانی کا کوئی کردار محسوس کر رہی تھی۔ وہ وہیں کہیں ان کے درمیان تھی' جہاں اس کے کردار موجود تھے۔ وہ پوری جولانیوں کے ساتھ لکھتی چلی جا رہی تھی۔ یوں جیسے وہ ہواؤں میں اڑتی چلی جا رہی ہے۔ یہاں تک کہ کہانی کا وہ باب ختم ہو گیا۔ اس نے قلم کو تھام لیا۔ کہانی ایک سطح پر آ کر ٹھہر گئی تھی۔ اس نے محسوس کیا کہ وہ ہواؤں میں کافی دیر تک اڑتے رہنے کے بعد زمین پر آ چکی ہے۔ اک تھکن کا احساس اس کے رگ و پے

میں سرائیت کر گیا۔ اس لئے فائزہ نے قلم بند کیا۔ اپنے کاغذات کو کلپ بورڈ سمیت دراز میں رکھا اور گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔ وہ مدوجزر کے بعد اترتے ہوئے دریا کی سی کیفیت میں تھی جہاں تھکن کے احساس میں ایک پرسکون لذت ہوتی ہے۔ وہ تھوڑی دیر تک اسی کیفیت میں رہی۔ پھر دھیرے دھیرے یہی کیفیت تحلیل ہوتی چلی گئی۔ اب اسے اٹھ کر محض بیڈ تک جانا تھا اور پھر ایک پرسکون گہری نیند اس کا انتظار کر رہی تھی۔ لیکن ابھی اس نے ایک اور کام کرنا تھا۔ ابھی اس نے کمپیوٹر کھول کر اپنے لئے آئے ہوئے پیغامات کو دیکھنا تھا۔ اس نے کمپیوٹر آن کر دیا۔

اس کے میل بکس میں تھوڑے سے پیغامات تھے۔ یہ انہی قارئین کی طرف سے آئے تھے جو اس سے محض مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھے۔ ان کے درمیان زوہیب کی میل بھی تھی۔ فائزہ نے سب سے آخر میں اس کی میل کھولی۔ اس نے لکھا تھا.....

محترمہ مہوش فاطمہ.....! آپ ہمیشہ آسمانِ ادب پر درخشاں ستارے کی مانند روشن رہیں..... میری ہمیشہ آپ کیلئے صحت وسلامتی کے ساتھ یہی دعا ہوگی۔ آج میں آپ سے اپنی کچھ ذاتی باتیں کرنا چاہتا ہوں..... کیونکہ آج میرے پاس کہنے کیلئے فقط یہی بات ہے اور اس بات کے ساتھ چند مزید باتیں' جنہیں آپ میری الجھن بھی کہہ سکتی ہیں یا پھر شاید میں لاشعوری طور پر آپ سے حوصلے کا خواہشمند ہوں۔

وہ بات یوں ہے کہ اب جبکہ میں خود مرکز کے قریب آ چکا ہوں۔ میرا مرکز مجھ سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے۔ اتنا دور کہ اس کا احساس تو ہے لیکن وہ مجھے دکھائی نہیں دے پا رہا ہے۔ اس کے دکھائی نہ دینے کی وجوہات کیا ہیں' میں نہیں جانتا..... لیکن میں ان وجوہات کو تلاش کرنے کیلئے اپنے مرکز سے رابطہ رکھنے کی مسلسل کوشش کرتا ہوں یہاں تک کہ میں ان وجوہات تک رسائی حاصل کرلوں..... یا پھر ابھی وقت کا انتظار کروں کہ حالات میرے نصیب میں کیا لاتے ہیں.....؟

میں اب اپنا مرکز کھونا نہیں چاہتا' میں اسے حاصل کر لینا چاہتا ہوں۔ لیکن اس تک پہنچنے کیلئے چند رکاوٹیں حائل ہیں سب سے بڑی رکاوٹ تو خود مرکز ہے وہ مجھ سے رابطہ ہی نہیں چاہتا۔ میں ایسا کیا کروں کہ اس تک رسائی حاصل کرلوں' اسے اپنی بات بتا سکوں' اسے اپنا حال دل کہہ سکوں۔ آپ نے بتایا کہ تھا کہ میں اپنے پراجیکٹ میں اس کی دلچسپی دیکھوں اور پھر اس حساب سے اندازہ لگا لوں..... اس نے جب ملنے سے ہی انکار کر دیا تو میرے پراجیکٹ میں اس کی دلچسپی کیا ہوگی۔ تو کیا ایسی صورت میں اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کرنا ٹھیک رہے گا؟

میں سمجھتا ہوں کہ اس کے رابطہ نہ کرنے کی وجہ میں کوئی نہ کوئی ایسی بات ہوگی' کوئی مضبوط دلیل' کوئی مضبوط وجہ' ورنہ میرے خیال میں ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ میرے ساتھ رابطہ نہ کرے میں نہیں سمجھتا کہ میرے جذبات رائیگاں جا سکتے ہیں..... میں نے بہت سوچا ہے اور اس تک رسائی کی خواہش کو دل میں دبا کر بیٹھا ہوں۔ لیکن مجھے یہ کیسے معلوم ہوسکتا ہے کہ میری یکطرفہ محبت' مجھ تک ہی محدود رہے گی' اسے احساس تک نہیں

ہوگا۔ ممکن ہے وہ میری محبت کو کسی اور انداز میں قبول کرنا چاہتی ہو۔ میں بس ایسی ہی الجھنوں میں گرفتار ہوں، میں کیا کروں' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔ کیا آپ میری رہنمائی کر سکتی ہیں؟ میں منتظر ہوں..... زوہیب۔

فائزہ نے وہ میل بہت غور سے پڑھی' اس میل میں اس کیلئے کوئی نئی بات نہیں تھی لیکن بہرحال یقین ہو گیا تھا کہ زوہیب کے جذبات اس کیلئے کیا ہیں۔ اس نے سوچا کہ یہ ایک ایسا موقعہ ہے' جہاں اس کے جذبات بہت ہی حساس نوعیت کے ہو گئے ہیں وہ الجھن کا شکار ہو گیا ہے۔ ایسے میں اس کی ذہنی کیفیت کا اثر اس کے پراجیکٹ پر ضرور پڑے گا۔ وہ بہت سوچ کر اسے جواب لکھنا چاہ رہی تھی۔ یہی وہ وقت تھا کہ جہاں سے وہ اسے ایک نئی راہ پر لگا سکتی تھی۔ وہ اسے فائزہ کی راہ سے ہٹا دینا چاہتی تھی۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر اسے کسی کام سے منع کر دیا جائے تو اس کا ردعمل کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ اس میں ایک احساس محرومی رہ جاتا ہے' لیکن اگر اس کام کے متبادل ایک نیا کام رکھ دیا جائے تو احساس محرومی پیدا نہیں ہوتا۔ انسان دھیرے دھیرے پہلے والے کام سے اکتا جاتا ہے۔

لیکن اگر پہلے کام میں بہت زیادہ پختگی ہو تو بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ جب وہ کوئی متبادل نہیں اپناتا۔ یہاں پر بھی کچھ ایسی ہی صورت حال تھی۔ اس نے زوہیب کے سامنے متبادل کے طور پر پراجیکٹ رکھا تھا' وہ اسے اہمیت بھی دے رہا تھا' لیکن ایک جیتا جاگتا وجود اپنی جس قدر اہمیت رکھتا تھا' اس سے تو وہ خود انکار نہیں کر سکتی تھی۔ ایسا وجود جس سے زوہیب کی جذباتی وابستگی ہو چکی تھی۔ وہ کتنی دیر تک سوچتی رہی لیکن اسے کوئی ایسی بات سمجھ میں نہیں آ سکی۔ سو اس نے سب کچھ دماغ میں سے نکالا اور اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ صبح نماز کے بعد اسے جواب دے دے گی۔

وہ صبح نماز پڑھ چکی تو اٹھ کر کھڑکی کے پاس چلی گئی تاکہ وہاں سے تازہ ہوا لے سکے۔ اس وقت سورج نہیں نکلا تھا۔ فائزہ نے کھڑکی میں کھڑے ہو کر تازہ ہوا اپنے سینے میں بھری اور آنکھیں بند کر کے اس کی خوشگواریت کو محسوس کیا..... اسے بہت اچھا لگا۔ یوں جیسے اک نئی توانائی اس کے اندر آ گئی ہو..... قدرت نے انسان کیلئے کیا کچھ انمول خزانے اس کائنات میں پھیلا دیئے ہوئے ہیں۔ یہی سوچتے ہوئے وہ واپس مڑی' اس نے کھڑکی کھلی رہنے دی' تاکہ تازہ ہوا اندر آ سکے۔ وہ کمپیوٹر کے پاس آ کر بیٹھی اور آئے ہوئے پیغامات کا جواب دینے لگی۔ باقی سب قارئین کے جواب دینے کے بعد اس نے زوہیب کی میل کو ایک بار پھر غور سے پڑھا۔ بہت غور سے پڑھنے کے بعد اس نے جواب لکھنا شروع کیا۔

محترم زوہیب.....!

اللہ آپ کی الجھنیں دور کرے..... لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جب انسان خود اپنے آپ کو نہ بدلنا چاہے تو پھر اللہ بھی اس کی مدد نہیں کرتا۔ آپ نے اپنی الجھن خود تخلیق کی ہوئی ہے اور معذرت کے ساتھ عرض کروں گی کہ آپ خود اس تخلیق کردہ الجھن سے نہیں نکلنا چاہتے۔ میں آپ سے ایک سوال کرتی ہوں..... آپ کو اپنے ''مرکز'' میں کیا اچھا لگتا ہے اس کی کس چیز سے محبت ہے آپ کو..... اس کی آنکھیں' چہرہ' وجود..... یا پھر

آپ مجھے اس سے محبت کرنے کی وجہ بتا سکتے ہیں.....؟ میں آپ کو بتاؤں کہ محبت ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی..... بس محبت ہو جاتی ہے۔ اگر آپ کے اس مرکز کا وجود نہ رہے تو کیا آپ اس سے محبت کرنا بند کر دیں گے یا آپ کی محبت ختم ہو جائے گی۔ کیا اس پر آپ کو اختیار ہے آپ کے پاس.....؟ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچتا' سوائے محبت کرتے رہنے کے.....

میں نے جو اوپر بات کہی ہے وہ اپنی جگہ' لیکن آپ اب بھی اپنی محبت میں پختہ نہیں ہوئے..... میں دوبارہ معذرت خواہ ہوں کہ میرا لہجہ آپ کو تلخ لگے گا اور شاید آپ اسے بدتمیزی خیال کریں..... لیکن مجھے آج کہنا ہوگا کہ آپ کے اندر ابھی سنجیدہ لوگوں کی پختگی نہیں آئی۔ وہی نوجوانوں والی تھرل ہے اگر آپ کو اپنے مرکز سے محبت کرنے کی وجہ مل جائے تو سمجھ لیجئے گا کہ آپ کی زندگی میں ابھی سنجیدگی نہیں آئی۔ میں آپ کی میل پڑھ کر خود حیران رہ جاتی ہوں کہ جب آپ محبت کے معاملے میں بالکل ہی ناسمجھ ہو جاتے ہیں۔ جیسے محبت نے آپ کے حواس گم کر دیئے ہیں۔ آپ انتشار کا شکار ہو گئے ہو یا پھر محبت کے ردعمل میں ابھرنے والے احساسات کو ہی نہیں سمجھ پا رہے ہیں یا پھر میں یہ سمجھ لوں کہ آپ محض بات کہنے یا محض رابطہ رکھنے کیلئے ہی ایسے سوال کرتے ہیں۔ کبھی کبھی مجھے یہ بھی خیال آتا ہے کہ شاید آپ میرا امتحان لے رہے ہیں.....؟

میں نے بارہا یہی بات دہرائی ہے کہ آپ کی محبت آپ کے پاس ہے۔ وہ آپ کے پاس ہی رہتی ہے۔ آپ اسے کسی پر مسلط نہیں کر سکتے..... محبت تو قبولیت ہے..... ہو جائے تو بندہ خوش قسمت نہ ہو تو بدقسمت پھر بھی نہیں رہتا..... اک پاکیزگی شرط ہے' پھر دیکھیں آپ کے اندر کیا کیا پھوٹتا ہے۔ آپ کی صلاحیتیں کیا رنگ لاتی ہیں۔ یہ اعجاز محبت ہے کہ وہ انسان کے اندر مثبت صلاحیتوں کو جنم دیتی ہے۔ جیسا کہ آپ نے کہا' آپ کا مرکز آپ سے دور ہوتا جا رہا ہے' کیوں؟ یہ سوچا ہے آپ نے؟ اس کی وجہ تلاش کریں جیسے ہی آپ کو اس کے دور ہونے کی وجہ معلوم ہوگی' آپ کو وہ حل بھی دکھائی دے جائے گا' جیسے اس وقت آپ کو ضرورت ہے۔

اگر آپ کی محبت محض بدن تک محدود ہے تو پھر وہ کوئی بھی جسم ہو سکتا ہے' صرف آپ کا مرکز ہی نہیں سوچئے اور غور کیجئے گا..... لیکن اگر آپ کی محبت اپنے مرکز سے ہے اور یہ حتمی بات ہے تو پھر اس سے محبت کیجئے' اس طرح کہ اسے اس ادا کے ساتھ بھی قبول کریں..... وہ اگر ستم کرتا ہے تو ستم ہی سہی..... اس کی چاہت میں اپنا آپ رنگ دیں' یہی محبت ہے۔ اس کے دل کو فتح کریں..... جسم پر تسلط کوئی بھی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کیلئے تو بس قوت چاہئے..... جذباتی یا غیر جذباتی قوت..... میرے خیال میں آپ کو اپنی روحانی قدروں کے بارے میں جاننا چاہئے۔ محبت تو وہ انمول تحفہ ہے۔ جو آپ کا رابطہ آپ کی روح سے کروا سکتی ہے۔ دعا کیجئے.....! آپ کو محبت کے حقیقی ثمرات ملیں.....

ممکن ہے کچھ لوگوں کی نگاہ میں محبت لاحاصل بھی ہوتی ہے' مگر میرے نزدیک ایسا نہیں ہے۔ آپ اس یقین کو پختہ ایمان کی مانند اپنے اندر رکھ لیں کہ محبت بھرے جذبات کبھی رائیگاں نہیں جائے۔ محبت لاحاصل ہوتی ہی نہیں ہے۔ بس محبت میں کھوٹ نہ ہو' اسے صبر کی کسوٹی پر پرکھیں۔ محبت کا وہ نایاب عطیہ جو آپ کو عطا ہو

چکا ہے' اس سے مستفید ہوں۔ آپ اپنے مرکز سے دور رہ کر بھی محبت کر سکتے ہیں' ایسی محبت کہ آپ کا مرکز خود آپ کے پاس چل کر آ جائے اور ایسا ہو جانا کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں ہے۔ میرے خیال میں اب آپ کی الجھن دور ہو جانی چاہئے..... فقط مہوش فاطمہ.....

اس نے اپنی لکھی ہوئی میل کو پڑھا اور اسے بھیج دیا۔ پھر کمپیوٹر آف کر کے یونیورسٹی جانے کیلئے تیار ہونے لگی۔

اس وقت فائزہ نے اپنی اس دن کی آخری کلاس لی اور اپنے کمرے میں آ گئی۔ معمول کے مطابق اس نے اپنا سیل فون دیکھا تو زوہیب کی کافی ساری کالز آئی ہوئی تھیں۔ ایک لمحے کو وہ ٹھٹک گئی..... کیا وہ اسے کال کرے یا پھر اس کی کال آنے کا انتظار کرے..... وہ چند لمحے سوچتی رہی' پھر خود پر مسکرا دی' بات تو ایک ہی ہے۔ اس نے زوہیب کو کال کر لی۔

''بہت شکریہ محترمہ فائزہ کہ آپ نے کال کر لی.....'' اس کے لہجے میں خوشی بھری ہوئی تھی۔

''جی فرمائیں.....! آپ نے کیسے یاد کر لیا۔'' جواباً وہ بھی خوشگوار لہجے میں بولی۔

''اگرچہ آپ سے فون پر ایک طویل بات کے بعد مجھے آپ سے یہ تو نہیں کہنا چاہئے کہ میں آپ سے ملاقات کا خواہشمند ہوں' لیکن میں پھر بھی آپ سے اپنے پراجیکٹ کے حوالے سے رابطہ کرنا چاہوں گا۔ کیا آپ کچھ وقت دے پائیں گی.....''

''میں نے کہا نا کہ میں معذرت خواہ ہوں.....'' اس کے لہجے میں ساری خوشگواریت تحلیل ہو گئی۔

''چلیں.....! ٹھیک ہے۔'' زوہیب نے یوں کہا جیسے اسے پہلے ہی سے اس کا جواب معلوم ہو۔'' میں بھی معذرت خواہ ہوں کہ میں نے آپ سے رابطہ کیا۔ سو اللہ حافظ۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ تب فائزہ نے چمکتی ہوئی سکرین پر دیکھتے ہوئے ایک انجانا سا دکھ محسوس کیا۔ وہ بے خبر تو یہی سمجھتا ہے نا کہ فائزہ کو اس کے جذبات کے بارے میں کچھ نہیں پتہ..... وہ تو اپنی ساری باتیں مہوش کو بتاتا ہے لیکن وہ..... اسے تو پتہ ہے نا..... تو اس کا اپنا رویہ اس کا ساتھ ایسا کیوں ہے.....؟ اسے خود سمجھ نہیں آ رہی تھی اس نے صبح لکھا تھا کہ محبت ہو جانے کی کوئی وجہ نہیں ہوتی..... اس کے اپنے رویے کی وجہ کیا ہے.....؟ کیا محض اس لئے کہ دنیا کیا کہے گی.....؟ کیا وہ کمزور ہے؟ کیا وہ ڈر جائے گی..... یا پھر.....! وہ خود اپنے آپ سے ڈر رہی ہے.....؟ کیا وہ جو باتیں اس نے زوہیب کو بھیجی تھیں' اگر وہ اس کیلئے بھیجے تو وہ اس سے زیادہ نہیں سوچ سکی۔ اس نے بے دردی سے اپنی سوچوں کو کچل دیا۔ وہ جلد از جلد اپنے گھر پہنچ جانا چاہتی تھی۔ وہ آج بہت کچھ سوچنا چاہ رہی تھی۔

☆☆☆

اس دن موسم بہت خوشگوار ہو رہا تھا۔ گرمیاں ختم ہونے کے ساتھ ہی ساون کی بارشوں نے ماحول میں ٹھنڈک کا احساس بھر دیا تھا۔ رُت بدلنے کے ساتھ ساتھ رویوں میں بھی خاصی تبدیلی آ گئی تھی۔ اک سکون تھا جو ہر سو پھیلا ہوا تھا۔ اس دن بھی تیز بارش کے بعد ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ہر شے نکھری اور رنگوں

بھری دکھائی دے رہی تھی۔ اس دن بھابی بارش کی وجہ سے خاصی پریشان ہو رہی تھی۔ کیونکہ مہمان آنے والے تھے' جنہیں اس نے چائے پر بلایا تھا۔ بھابی نے سوچا تھا کہ ان کے بیٹھنے کا اہتمام باہر لان میں کرے گی مگر بارش کی وجہ سے اسے اپنا پروگرام کھٹائی میں پڑتا ہوا دکھائی دے رہا تھا..... لیکن پھر جب موسم نکھر گیا۔ کوئی کوئی بادل فضا میں تیر رہا تھا تو بھابی نے بھی سکھ کا سانس لیا۔ لان میں بیٹھنے کا انتظام کر کے وہ کچن میں آ گئی تھی۔

اس وقت عصر ہو چکی تھی جب مہمان آ گئے وہ پیدل ہی تھے۔ انہیں کہیں دور سے نہیں' بلکہ ساتھ والے گھر سے ہی آنا تھا۔ وہ دونوں مسز شعیب اور شعیب بھائی تھے۔ یہ جوڑا پہلی بار ان کے ہاں آیا تھا۔ اس لئے منصور حسن ان کے انتظار میں تھا۔ جیسے ہی بھابی نے ان کی آمد کا احساس کیا فوراً ہی ملازمین کو ہدایات دیتی ہوئی کچن سے نکل آئی۔ تب تک وہ دونوں منصور حسن کے پاس بیٹھ گئے تھے۔ بھابی بھی انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے ان کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

''بہت خوشی ہوئی کہ آپ تشریف لائے۔ غالباً آپ پہلی بار ہمارے گھر آئے ہیں۔'' بھابی نے شعیب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''جی بالکل.....! میں نے کئی بار چاہا کہ منصور صاحب کے ساتھ بیٹھوں ان کے ساتھ گپ شپ کروں۔ لیکن فرصت ہی نہیں ملتی.....''

''شعیب صاحب فرصت تو نکالنے سے نکلتی ہے نا.....'' بھابی نے مروت میں کہا۔

''جی' ایسا ہی ہے۔ لیکن میں نے بھی تو سوچ لیا تھا نا کہ بس چند دنوں کی بات ہے' میں ریٹائر ہو جاؤں گا..... پھر تو منصور صاحب ہی میرے کام آئیں گے نا.....'' یہ کہتے ہوئے وہ ہنس دیئے تو منصور حسن بھی کھلکھلا کر ہنس دیا۔

''یہ خوب رہی..... ویسے آپ کو شطرنج تو آتی ہے نا یا پھر مجھے سکھانا پڑے گی۔'' شعیب نے کہا تو منصور بولا۔

''ارے واہ.....! آپ نے تو بیٹھے بٹھائے مسئلہ حل کر دیا۔ یہ الجھن بھی دور ہوئی..... اب جما کرے گی بازی.....''

''ویسے یہ آپ لوگوں کا خواب ہی ہوگا..... وہ زوہیب نے آپ کیلئے کچھ اور ہی پلان کر رکھا ہے۔'' مسز شعیب نے کہا۔

''ارے وہ کیا.....؟ مجھے بتایا تک نہیں' مشورہ بھی نہیں لیا۔'' شعیب نے حیرت سے کہا۔

''وہ جو یہاں پر بزنس جما رہا ہے' اسے آپ کو ہی دیکھنا پڑے گا۔'' مسز شعیب نے اسے اطلاع دی۔

''نہ بھئی، اب مجھ سے تو نہیں ہوتا کام، اب تو شطرنج ہی چلے گی۔'' شعیب نے اعلان کرتے ہوئے کہا اور پھر چونکتے ہوئے بولا۔ ''ویسے یہ باتیں تو گھر میں کرنے والی ہے..... یہ ذکر ادھر کیا لے بیٹھی ہو؟''

''میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا.....'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''منصور بھائی.....! آپ محسوس مت کیجئے گا' دراصل میری بیگم کو مجھ پر رعب جمانے کی عادت ہے۔'' اس نے مصنوعی سنجیدگی سے کہا تو سبھی ہنس دیئے..... اتنے میں ثناء ملازمین کے ساتھ چائے لے کر آ گئی۔ جس کے ساتھ کافی سارے لوازمات تھے۔

''بھابی.....! آپ نے تو اچھا خاصا اہتمام کیا۔'' مسز شعیب نے کہا۔

''اب یہ کہیں گے یونہی سا تو ہے.....'' منصور حسن نے چہکتے ہوئے کہا تو پھر سب مسکرا دیئے..... بڑے ہی خوشگوار ماحول اور ہلکی پھلکی گفتگو میں چائے پی جاتی رہی..... تبھی شعیب بھائی نے سنجیدگی سے کہا۔

''یہ سب مذاق کی باتیں تو اپنی جگہ..... ہم بہرحال آپ سے بہت ہی اہم اور سنجیدہ قسم کی گفتگو کیلئے حاضر ہوئے ہیں.....'' ان کے اس طرح کہنے پر ماحول ایک دم سے سنجیدہ ہو گیا۔

''جی فرمائیں۔'' منصور حسن نے کہا۔

''ویسے مجھے اس قسم کی گفتگو کا پہلے کوئی تجربہ نہیں ہے اور میں سوچ رہا ہوں کہ بات کہاں سے شروع کروں۔''

''کہئے آپ.....''

''دیکھیں.....! ہم سب بیٹیوں والے ہیں..... اور ایسے معاملات میں گفتگو بہت محتاط انداز میں کرنا پڑتی ہے۔ دراصل.....! مجھے پہلے احساس ہی نہیں تھا کہ ہماری ملاقات کچھ اس طرح کی گفتگو کیلئے ہو گی۔''

شعیب جو تھوڑی دیر پہلے خاصے چہک رہے تھے اور ایک دم سے محتاط ہو گئے تھے اور بہت گنے چنے لفظوں میں بات کر رہے تھے۔ تبھی منصور حسن نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

''آپ کہیں.....! میں سن رہا ہوں.....''

''میرا بھائی زوہیب..... آپ نے بھی دیکھا ہو گا..... میرے خیال میں آپ سے وہ ملا بھی ہے۔''

''ہاں.....! میں جانتا ہوں اس کے بارے میں..... بہت اچھا ہے وہ پچھلی دفعہ جب آیا تھا تو خاصی ملاقاتیں رہی تھیں اس سے..... اس بار وہ اب تک نہیں ملا۔'' منصور حسن نے کہا۔

''ہاں.....! وہ پچھلی بار جب آیا تھا تو ہم بہت خوش تھے۔ بہت عرصے بعد وہ ہمارے درمیان رہنے آیا تھا اور میں اس کے بارے میں بہت پریشان تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ اپنے گھر بار کا ہو جائے..... مگر پتہ نہیں اس کے دماغ میں کیا سمائی ہوئی تھی..... خیر.....! یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ ہم نے آپ کے ہمسائے میں گھر لے لیا اور آپ جیسے اچھے لوگوں سے ہمارا رابطہ ہوا.....'' شعیب کہتے کہتے رکا تو مسز شعیب بولی۔

''آپ تو تمہید باندھتے ہی سارا دن لگا دیں گے۔'' اس کے یوں کہنے پر ماحول میں تناؤ قدرے کم ہو گیا جو شعیب کی گفتگو سے پیدا ہو چکا تھا۔

''چلو تم بتا دو بیگم صاحبہ.....'' شعیب نے مسکراتے ہوئے کہا تو مسز شعیب جھینپ گئی۔

''نہیں بتائیں آپ.....'' وہ بولی تو شعیب نے کہا۔

''منصور بھائی.....! ہمیں بہرحال فائزہ بہت اچھی لگی ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ وہ ہمارے گھر کی رونق بن جائے۔ ہم آپ سے زوہیب کیلئے فائزہ کو مانگتے ہیں۔'' اس کے یوں کہنے پر منصور حسن نے ایک طویل سانس لی اور بڑے نپے تلے انداز میں کہا۔

''یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ آپ ہمارے ہاں آئے.....اور آپ نے ایسا سوچا۔ اگرچہ میں اس گھر کا سربراہ ہوں۔ لیکن میں اپنی بہن کی رائے کے بغیر ایسا کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ میں نے اسے بہت ناز ونعم سے پالا ہے۔ مجھے اس کی خوشی مقدم ہے.....سو میں اس کی مرضی کے بغیر آپ سے کوئی بات نہیں کرسکتا۔''

''ہونا بھی ایسے ہی چاہئے۔ زندگی انہوں نے گزارنی ہے۔'' شعیب نے کہا تو مسز شعیب بولی۔

''منصور بھائی.....! میں سمجھتی ہوں کہ بہن یا بیٹی کی رائے لینا بہت ضروری ہے لیکن جہاں تک فائزہ کا معاملہ ہے میں جانتی ہوں کہ شادی کے بارے میں اس کے خیالات کیا ہیں.....ہم.....''

''میں سمجھتا ہوں.....! آپ دونوں نے یعنی میری بیوی اور آپ نے جو ایک کوشش کی' اس کا مجھے کچھ دن پہلے ہی علم ہوا ہے۔ میں بھی چاہتا ہوں کہ میری بہن اپنے گھر کی ہو جائے.....لیکن کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے معاملات زبردستی کے ہوتے ہیں.....؟''

''بلاشبہ نہیں.....!'' مسز شعیب نے حتمی انداز میں نے کہا اور پھر بولی۔ ''دیکھیں.....! پچھلی بار جب نے کوشش کی تھی' اس وقت زوہیب بھی نہیں مانا تھا' تب میں نے اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ ہاں اس نے ایک بات ضرور کی تھی کہ وہ اپنی پسند کے بارے میں مجھے بتائے گا..... میں خوش ہوگئی اور انتظار کرنے لگی۔ لیکن وہ اپنی پسند بتائے بغیر چلا گیا..... اب اس کا یوں' آنا' بزنس جمانا اور اپنی پسند کے بارے میں بتا دینا کہ وہ مطمئن ہے۔ تو ہم بھی مطمئن ہیں..... اب فقط فائزہ کی مرضی معلوم کرنا ہے جو ہمیں پہلے ہی پتہ ہے۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ نے اب تک کوشش نہیں کی.....آپ.....''

''آپ کی بات بالکل بجا ہے میں اگر کہوں گا تو وہ انکار نہیں کر سکے گی..... یہ مجھے یقین ہے۔ لیکن اس کی مرضی تو نہ ہوئی.....'' منصور نے حتمی انداز میں کہا تو بھابی دھیرے سے بولی۔

''ویسے منصور.....! ممکن ہے' اس کے خیالات بدل گئے ہوں.....جس طرح ابھی یہ زوہیب کی مثال ہے۔ شاید وہ ہمارا انتظار کر رہی ہے۔''

''کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔'' شعیب نے سنجیدگی سے کہا تو منصور حسن چند لمحے سوچتا رہا اور پھر حتمی انداز میں بولا۔

''میں آپ کو چند دنوں بعد ہی کچھ بتا سکوں گا.....''

''ہمیں بھی کوئی جلدی نہیں ہے..... یہ معاملہ بہت زیادہ وقت چاہتا ہے۔ میرے خیال میں یہ خوش اسلوبی سے ہی طے ہونا چاہئے۔'' شعیب نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا.....تب ماحول خوشگوار ہوگیا۔ وہ جو

ایک مرحلہ تھا بات کرنے کا وہ طے ہو گیا تھا..... پھر وہ یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے' جس میں گھوم پھر کر انہی کا ذکر آ جاتا تھا..... مغرب تک وہ یہی باتیں کرتے رہے اور پھر وہ دونوں اپنے گھر چلے گئے۔

ڈنر کے وقت گھر کا ماحول معمول کے مطابق تھا۔ لیکن منصور حسن اپنی جگہ بہت گہرائی تک سوچ رہا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ فائزہ کیا جواب دے گی۔ لیکن وہ پورے خلوص سے چاہتا تھا کہ وہ اپنے گھر کی ہو جائے..... وہ بہت کچھ سوچتا چلا جا رہا تھا۔ لیکن اپنے بچوں اور فائزہ کے سامنے ایسا کوئی احساس نہیں دینا چاہتا تھا۔ وہیں پر شعیب اور مسز شعیب کی آمد کے بارے میں سرسری سی بات بھی ہوئی..... جسے انہوں نے ٹال دیا..... ڈنر سے فراغت کے بعد جب بھابی اپنے کمرے میں گئی تو منصور حسن گہری سوچ میں تھا۔

''کیا سوچ رہے ہیں آپ.....؟'' بھابی نے پوچھا اور پھر ان کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گئیں.....

''وہی جو تمہیں معلوم ہے.....؟'' منصور حسن نے قدرے بے چارگی سے کہا۔

''آپ اتنا زیادہ نہ سوچیں..... مجھے معلوم ہے کہ آپ اس سے بات نہیں کر پائیں گے۔''

''تو پھر کیا جواب دیں گے ان لوگوں کو.....؟''

''میں خود بات کروں گی فائزہ سے اور آج ہی کروں گی..... آپ پریشان نہ ہوں۔ آپ آرام کریں میں جاتی ہوں اس کے پاس۔''

''دیکھنا کہیں پہلے کی طرح.....''

''نہیں.....! مجھے امید ہے کہ وہ مان جائے گی.....'' بھابی نے اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے کہا اور اٹھ گئی۔ پھر کمرے سے نکلتے ہوئے اس کا رخ فائزہ کے کمرے کی طرف تھا۔

اس وقت فائزہ میز پر جھکی لکھنے میں مصروف تھی۔ یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہے اور پوری یکسوئی کے ساتھ تحریر کی بنت میں کھوئی ہوئی ہے۔ انہی لمحات میں بھابی اس کے کمرے میں آئی تو چند لمحے اسے احساس ہی نہ ہوا۔ پھر اس نے چونک کر دیکھا۔ ایسا اسی وقت ہوتا تھا جب بھابی نے اس سے بہت ہی اہم بات کرنا ہوتی تھی۔ اس نے قلم بند کیا اور ایک جانب رکھتے ہوئے بولی۔

''جی بھابی.....! کوئی خاص بات.....'' اس کے لہجے میں تجسس گھلا ہوا تھا۔

''ہاں.....! بہت ہی اہم بات ہے۔'' بھابی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو فائزہ نے پوری توجہ سے بھابی کے چہرے پر دیکھا جہاں اسے بہت کچھ لکھا ہوا محسوس ہوا۔

''بولیں.....!'' فائزہ نے اختصار سے پوچھا۔

''تمہیں تو پتہ ہے نا کہ آج مسز شعیب اور.....'' بھابی عام سے لہجے میں کہتے کہتے رک گئی۔

''ہاں مجھے معلوم ہے۔'' فائزہ نے کہا۔

''اور تجھے یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ وہ ہمارے ہاں کیوں آئے تھے۔'' بھابی اتنا کہہ کر خاموش ہو گئی تاکہ فائزہ کا ردعمل دیکھ سکے مگر وہ خاموش رہی تو بھابی نے کہا۔ ''دیکھو.....! جب تک بات مجھ تک محدود تھی' میں

نے تم سے پوچھا اور تم نے انکار کر دیا۔ اس کے بعد میں انہیں ٹالتی رہی..... اب تم کہو گی کہ میں نے انہیں حتمی جواب کیوں نہیں دیا۔ تو میری بہن..... میرے پاس کوئی ایسا جواز' کوئی ایسی وجہ نہیں تھی جس کو بنیاد بنا کر میں انہیں حتمی جواب دیتی۔ کیا میں ان سے یہ کہتی کہ فائزہ شادی ہی نہیں کرنا چاہتی.....؟''

''آپ اپنی بات کہیں' میں سن رہی ہوں۔'' فائزہ نے دھیرے سے کہا۔ تو بھابی چند لمحے خاموش رہی پھر بولی۔

''بات اب میرے ہاتھ میں نہیں رہی۔ شعیب صاحب نے پچھلے دو ہفتوں سے خود یہ بات چلائی ہے اور انہوں نے جو بات بھی کی ہے' تمہارے بھائی سے کی ہے۔ آج بہت ساری باتوں کے بعد فیصلہ یہی ہوا ہے کہ تمہاری رائے پوچھ لی جائے.....''

''وہ تو آپ کو معلوم ہی ہے۔'' فائزہ نے جلدی سے کہا۔

''مجھے تو معلوم ہے اور تمہارے بھائی کو بھی پتہ ہے لیکن وہ اس معاملے میں خود تم سے بات کرنا چاہیں گے۔ کیا تم انہیں یہ کہہ سکو گی کہ تم شادی نہیں کروں گی.....؟'' بھابی نے گہری سنجیدگی سے کہا تو فائزہ ایک دم سے پریشان ہو گئی اسے یوں لگا کہ جیسے سب کچھ بکھر جانے والا ہے۔ وہ قوت..... جس نے اس کے پورے وجود کو ٹوٹنے اور بکھرنے سے بچایا ہوا تھا' وہ زائل ہوتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ لمحوں میں بے چین ہو گئی۔ اسے یوں لگا جیسے اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر طوفان پہنچ چکا ہے' جس میں اس کے آشیانے کو بکھرنے میں چند لمحے لگیں گے..... طوفان کی آمد تک وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اسی بے بسی کے عالم میں کسی پر کیا گزرتی ہے ایسی ہی کیفیت سے اس وقت فائزہ گزر رہی تھی۔ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا وہ خاموش رہی جیسے بولنے کی سکت بھی اس سے چھین لی گئی ہو کافی دیر چپ رہنے کے بعد وہ دھیرے سے بولی۔

''بھابی.....! یہ کیا ہو گیا ہے..... میں اچھی بھلی زندگی گزار رہی تھی۔''

''میں سمجھتی ہوں کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو..... لیکن تم ہی انصاف سے کہو' کیا تم نے کبھی اپنے دل کا حال مجھے بتایا ہے میرے پاس بھی تو بتانے کیلئے کوئی وجہ نہیں ہے۔ بولو.....! اگر تمہارا بھائی ہی مجھ سے پوچھے کہ تم شادی کیوں نہیں کرنا چاہتی ہو تو میرے پاس کیا جواب ہے.....؟''

''بات یہ نہیں ہے..... آپ کو معلوم ہے کہ میں بہت محتاط.....''

''تمہاری ہر بات سچی ہے۔ مجھے تم سے کوئی گلہ' کوئی شکایت نہیں ہے۔ تم کیا سوچتی ہو' کیا کرتی ہو' مجھے اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں' تم اپنی زندگی خود جینا چاہتی ہو۔ میں اس پر ایک لفظ بھی کہنے کا حق نہیں رکھتی' لیکن.....! میں تم سے فقط یہی کہنے آئی ہوں کہ میری طرف سے دل صاف رکھنا' اب بات تمہارے بھائی ہی کریں گے۔'' بھابی نے اپنی صفائی دیتے ہوئے پرزور لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے بھابی.....! میں نہیں چاہتی کہ ان کا مان ٹوٹے لیکن.....! اک ذرا سا وقت تو مجھے ملنا چاہئے..... میں ذرا خود کو سنبھال لوں..... اس قابل ہو جاؤں کہ بھائی سے بات کر سکوں..... پلیز.....!'' فائزہ

نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا تو بھابی کو بھی اس کی آواز اجنبی لگی جیسے یہ فائزہ نہیں کوئی اور بات کر رہا ہے۔ بھابی کا دل کٹ کر رہ گیا۔ لیکن یہ وقت ایسا نہیں تھا کہ فائزہ سے ہمدردی کی جاتی بھابی کا دل بھر آیا۔ اس لئے اپنے چہرے پر جذبات کو چھپانے کیلئے وہ اٹھ کھڑی ہوئی.....

''میں تمہارے بھائی سے بات کروں گی۔ ان سے کہہ دوں گی کہ فائزہ وہ کرے گی جو آپ چاہتے ہیں۔''

''ابھی نہیں.....! چند دن ٹھہر کے..... ممکن ہے زوہیب ہی اس خواہش سے دستبردار ہو جائے تو پھر.....''

فائزہ نے بھابی کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے حسرت ملے لہجے میں کہا تو بھابی چونک گئی.....

''ٹھیک ہے' تم کوشش کر کے دیکھو..... پھر جو بھی صورتحال ہو' مجھے ضرور بتانا..... میں انتظار کروں گی.....'' بھابی نے کہا اور کمرے سے نکل آئی۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے بھابی کو ذرا بھی خوشی محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ فائزہ کے اقرار میں کئی طرح کے دکھ گھلے ہوئے تھے۔ یہ تو ایسا ہی تھا کہ جیسے کسی مقتل میں خوشی کا جشن منایا جائے..... اسے ٹوٹی ہوئی' بکھرتی ہوئی فائزہ سے بہت ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ آخری زینہ اترتے ہی اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے شوہر کو کیا بتائے گی..... اسے دونوں کا ہی مان رکھنا تھا۔

☆☆☆

اس دن زوہیب اپنے اس آفس میں تھا جو سائیٹ کے قریب انہوں نے بنایا تھا۔ شروع شروع میں وہ علی کے آفس میں ہی ہوتا تھا۔ اس دوران انہوں نے یہ آفس سیٹ کر لیا۔ یہاں رہ کر وہ اپنے پراجیکٹ کے بارے میں بہت اچھے طریقے سے نگرانی کرنے کے ساتھ ساتھ بلال سے بھی بخوبی رابطہ رکھ سکتا تھا۔ اس آفس میں آ جانے سے کام میں حیرت انگیز طور پر تیزی آئی تھی اور علی بھی اپنے کاموں میں پوری توجہ دے پاتا تھا۔ اس دن زوہیب بہت بے چین تھا۔ تھوڑی دیر پہلے اسے فائزہ کا فون آیا تھا۔ وہ اس سے وقت مانگ رہی تھی۔

''یہ آپ کیا بات کر رہی ہیں فائزہ..... میں جتنا بھی مصروف ہوں' آپ کیلئے تو وقت نکالا جا سکتا ہے۔''

''نہیں.....! میں آپ سے بہت اہم بات کرنا چاہتی ہوں..... اس کیلئے فقط آپ کا ہونا ہی ضروری ہے' اس کے علاوہ کوئی نہیں۔ میں جو آپ سے بات کرنا چاہوں گی' اس کیلئے آپ کی توجہ چاہئے' کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔''

''ایسا ہی ہوگا..... آپ میرے آفس تشریف لے آئیں' میرے خیال میں یہ زیادہ بہتر ہوگا' یہاں پر کوئی ڈسٹرب نہیں کرے گا۔''

''ٹھیک ہے' میں تھوڑی دیر بعد آ رہی ہوں..... میرا انتظار کیجئے گا.....'' یہ کہنے کے ساتھ ہی فائزہ

نے فون بند کر دیا تھا۔ تب سے زوہیب یہی سوچ رہا تھا کہ وہ کس طرح کی بات کرنا چاہتی ہے۔ اسے یہ احساس تو ضرور تھا کہ فائزہ کا یوں اس کے پاس آ کر کوئی بات کرنا' رشتے کی بات کرنے کا ہی ردعمل ہے' لیکن وہ بات کیا کرے گی' یہی اسے تجسس تھا۔ ورنہ جو اس سے رابطہ تک نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ اچانک اس سے ملنا کیوں چاہتی ہے..... نجانے کتنے خیال اس کے ذہن میں آ جا رہے تھے اور وہ انہی بھول بھلیوں میں کھویا ہوا اس کا شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ تبھی اسے فائزہ کی گاڑی دکھائی دی۔ جو اس کے آفس کی جانب ہی آ رہی تھی۔

زوہیب اس وقت کھڑا ہو گیا۔ جب فائزہ اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ زوہیب نے غور سے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں گہری سنجیدگی چھائی ہوئی تھی۔ ایک لمحے کو تو وہ اسے بالکل اجنبی فائزہ محسوس ہوئی جس کے ساتھ وہ پہلے کبھی ملا ہی تھا۔ یوں جیسے ان کا تعلق کسی گہری دھند میں چھپ گیا ہو۔

''پلیز.....! تشریف رکھئے۔'' زوہیب نے کہا تو فائزہ انتہائی تکلف سے بیٹھ گئی۔ تب اس نے بیٹھتے ہی کہا۔ ''بہت خوشی ہوئی کہ آپ یہاں تشریف لائیں۔ اگر آپ اس پراجیکٹ کی نگرانی سنبھال لیتی تو میرے خیال میں آپ.....''

''نہیں زوہیب صاحب.....! اس آفس کو آپ کی ہی ضرورت ہے اور پھر میں یہاں آپ کے پراجیکٹ کے حوالے سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتی۔'' فائزہ نے دھیمی سی مسکان کو زبردستی اپنے چہرے پر لاتے ہوئے کہا۔

''چلیں' ہم اس حوالے سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ آپ ہی بات کریں..... لیکن کافی پینے کے بعد.....'' زوہیب نے خوشدلی سے کہا تو فائزہ خاموش ہو گئی..... پھر ان کے درمیان یہ خاموشی طویل ہوتی چلی گئی۔ یوں جیسے تیز بارش کے ہونے سے پہلے موسم میں حبس بھر جائے۔

ایک ملازمہ نے کافی کے ساتھ خاصے لوازمات رکھ دیئے تو فائزہ یہ سب دیکھتی رہی۔ اس خاطر مدارت پر وہ ایک لفظ بھی نہیں بولی۔ شاید وہ لاشعوری طور پر اسے یہ احساس دلانا چاہتی تھی کہ وہ فقط اس سے بات کرنے آئی ہے' ان تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ سو وہ لاتعلق سی بیٹھی رہی۔ یہاں تک کہ کافی کا مگ اس کے سامنے رکھ دیا گیا۔

''یہاں کافی اچھی مل جاتی ہے.....'' زوہیب نے سکوت توڑنے کی کوشش کی لیکن فائزہ یونہی خاموش رہی۔ پھر دونوں خاموشی سے کافی پیتے رہے۔ زوہیب نے جب دیکھا کہ وہ کوئی بات نہیں کر پا رہی ہے اور نہ ہی اس نے کسی لوازم کی جانب ہاتھ بڑھایا ہے تو وہ بولا۔ ''جی فرمائیں.....! آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔''

''یہ سنتے ہی فائزہ نے کافی کا مگ رکھ دیا اور بڑے سکون کے ساتھ بولی۔'' میں سب سے پہلے آپ سے یہ پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ آپ نے جو رشتہ میرے لئے بھجوایا ہے' آپ کے ذہن میں کیا تھا۔''

''میرے ذہن میں.....!'' زوہیب یہ کہتے ہوئے ایک لمحے کو خاموش ہوا اور پھر بولا۔ ''آپ تھی میرے ذہن میں۔''

''کیوں.....؟ میں ہی کیوں آتی ہوں آپ کے ذہن میں.....'' فائزہ کا لہجہ بہت نرم تھا۔

''اس لئے کہ آپ مجھے بہت اچھی لگی ہیں۔ پسند ہیں مجھے آپ اور.....'' زوہیب کہتے کہتے رک گیا جیسے وہ اظہار محبت کرنے سے اپنے آپ کو بچا گیا ہو.....

''لیکن کیا یہ سب میرے لئے ضروری نہیں ہے۔ کیا مجھے یہ کوئی حق حاصل نہیں کہ جو میرا زندگی کا ساتھی ہو' وہ مجھے بھی پسند ہو..... وہ مجھے بھی اچھا لگتا ہو۔''

''ہاں.....! ہونا تو ایسے ہی چاہئے..... میں سمجھتا ہوں کہ عورت کو یہ حق دینا چاہئے۔ لیکن میں آپ سے ایک سوال کروں گا.....'' زوہیب نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا کیونکہ یہاں فائزہ نے اس کی ذات کی نفی کر دی تھی۔

''بولیں.....!'' فائزہ دھیرے سے بولی۔

''وہ سوال یہ ہے کہ آپ کے پاس ایسی کیا وجہ ہے جس کی بنیاد پر آپ مجھے ناپسند کر رہی ہیں جبکہ میرے پاس یہ دلیل ہے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں.....'' زوہیب نے شدت جذبات میں اظہار محبت کر دیا۔

''آپ..... محبت..... مجھ سے.....'' فائزہ نے یوں کہا جیسے اس پر طنز کر رہی ہو..... اس کے لہجے سے حیرت ظاہر نہیں ہو رہی تھی۔

''ہاں فائزہ.....! میں آپ سے محبت کرتا ہوں کیونکہ محبت کیا ہوتی ہے' اس کا احساس آپ ہی نے مجھے دیا ہے۔ اس راہ کی نشاندہی کی ہے..... جس پر چلتے ہوئے میں نے محبت کو پایا ہے۔'' زوہیب قدرے جذباتی ہو چکا تھا۔

''یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ میں آپ کو ناپسند کرتی ہوں..... آپ بہت اچھے ہیں اور آپ کی ذات سے کم از کم میرے لئے ناپسندیدگی کی کوئی بات نہیں ہے..... لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں اس تعلق کیلئے بھی آپ کو پسند کروں جو آپ میرے ساتھ بنانا چاہتے ہیں۔ کسی کے اچھے ہونے کی بناء پر اسے اپنا آپ تو نہیں سونپ دیا جاتا اور باقی رہی محبت کی بات تو یہ آپ کا اپنا مسئلہ ہے' آپ مجھ سے محبت کرتے رہیں میں نے کب منع کیا ہے' کیا محبت کا مطلب یہ ہے کہ آپ مجھے اپنی تحویل میں لے لیں۔'' فائزہ کہتی چلی گئی۔ لیکن اس کے لہجے میں سے نرماہٹ غائب نہیں ہوئی۔

''نہیں.....! میں آپ کو آپ کی مرضی سے ہی اپنی زندگی میں لانا چاہتا ہوں.....'' زوہیب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ تو وہ تیزی سے بولی۔

''تو پھر یہ سب کیا ہے.....؟''

''دیکھیں.....! میں آپ سے صرف اسی لئے ملنا چاہتا تھا کہ آپ کے سامنے' اپنی خواہش کا اظہار کر سکوں۔ آپ سے آپ کی مرضی دریافت کر سکوں..... اس تعلق کے ہونے میں اگر کوئی الجھن ہے تو اسے دور کر

سکوں' مگر آپ نے مجھ سے ملنا پسند نہیں کیا اور پھر جب آپ سے فون پر بات ہوئی تو میں نے یہی خیال کیا کہ آپ ایک مشرقی خاتون ہونے کے ناطے سے' معاشرتی تقاضوں کے عین مطابق چلنا چاہتی ہیں..... سو.....! میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔ اس تعلق کیلئے جو ہماری معاشرتی روایات ہیں' اسی کے مطابق میرے گھر والے آپ کے ہاں گئے ہیں۔ یہ آپ کا حق ہے کہ آپ انہیں جواب دے دیں۔ انہیں ناکام لوٹا دیں۔''

''میں یہ نہیں کہوں گی کہ آپ نے اچھا کیا ہے یا غلط..... آپ نے جب فون پر بات کی تھی' تب آپ نے مجھے یہ بتایا تھا کہ آپ کیا چاہتے ہیں.....؟ مجھے الہام تو نہیں کہ آپ کیا سوچ رہے ہیں؟ اگر اس وقت آپ یہ بات مجھ سے کہہ دیتے نا تو آج مجھے آپ سے یہ سب کچھ کہنے کی ضرورت نہ پڑتی۔''

''دیکھیں فائزہ.....! آپ کو انکار کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اب بھی کچھ نہیں ہوا..... لیکن آپ کو انکار کی وجہ بہرحال ضرور بتانا ہوگی.....''

''کیا یہ آپ کی ضد ہے۔ کیا اس طرح آپ دوسرے کی ذاتی زندگی میں مداخلت نہیں کر رہے ہیں۔'' فائزہ نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

''فائزہ.....! یہ میری ضد نہیں ہے' پلیز مجھے سمجھنے کی کوشش کرو میں نے جو ایک طویل زندگی گزاری ہے۔ اس کے بعد آپ ہی مجھے پسند آئی ہو..... آپ اگر ایسا نہیں چاہیں گی' کچھ بھی نہیں بتانا چاہیں گی تو میں کون ہوتا ہوں زبردستی کرنے والا۔ ہمارے درمیان اگر ایسا تعلق نہیں بھی بنے گا تو کوئی بات نہیں' میں آپ سے محبت پھر بھی کروں گا..... لیکن میں اپنی محبت کو یوں تنہا زندگی کے ریگزار میں نہیں دیکھ پاؤں گا۔''

''میں تنہا نہیں ہوں.....'' فائزہ نے کہا تو جیسے ایک بم پھٹ گیا۔ زوہیب نے ہونقوں کی طرح اس کی طرف دیکھا۔ وہ اٹکتے ہوئے بولا۔

''تو پھر.....! میرا مطلب..... آپ نے.....''

''نہیں وہ نہیں جو آپ سوچ رہے ہیں..... میرے ساتھ کسی کی یاد ہے..... میں اس کی یاد کے سہارے ہی نہیں اس کے انتظار میں بھی ہوں..... مجھے یقین ہے کہ وہ ایک دن آئے گا..... وہ میری زندگی میں ضرور آئے گا۔ وہ جسے میں نے دیکھا نہیں..... لیکن اپنی زندگی سے بھی زیادہ چاہا ہے۔''

''میں سمجھا نہیں..... تم کیا کہنا چاہ رہی ہو..... یاد بھی ہے' اسے دیکھا بھی نہیں' اس کا انتظار بھی ہے۔ یہ کیا الجھن ہے.....؟'' زوہیب نے کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''آپ اسے نہیں سمجھ سکیں گے..... میں ایک ایسے شخص کے انتظار میں ہوں۔ جس نے میری زندگی بدل دی تھی۔ اس کا مجھ پر احسان ہے اور میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ جس طرح آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح نہیں' بلکہ اس سے کہیں بڑھ کر میں اس سے محبت کرتی ہوں' میری محبت تو عشق میں بدل چکی ہے۔ ہاں زوہیب صاحب.....! میں نے اسے دیکھا نہیں' لیکن میں اسی کو چاہتی ہوں..... میں اگر آپ کی زندگی میں آ بھی گئی تو آدھی ادھوری آؤں گی۔ میرا وجود تو آپ کے پاس ہو لیکن میرا دل' میرا

ذہن کہیں اور ہوگا..... میں آپ کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتی۔'' فائزہ نے تیزی کے ساتھ بہت مشکل سے کہا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں فائزہ.....! میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔'' زوہیب ایک دم سے منتشر ہو کر رہ گیا۔ تو فائزہ نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

''اور پھر.....! وہ میری زندگی میں آئے گا' اس کا مجھے پورا یقین ہے..... وہ جب آ گیا' میں اس کیلئے ساری دنیا تیاگ دوں گی۔ پھر اس میں آپ کی گنجائش نہیں ہوگی..... تب پھر کیا ہوگا.....''

''یہ تو آئندہ آنے والے دنوں کی باتیں ہیں نا..... جس طرح یہ آپشن ہے کہ وہ آئے گا' اسی طرح یہ بھی تو ہے نا کہ وہ نہیں آئے گا.....'' زوہیب نے خود کو سنبھالتے ہوئے اپنی بات کو سہارا دیا۔

''بات اس کے آنے یا نہ آنے کی نہیں ہے..... وہ آئے گا اور ضرور آئے گا' مجھے اپنی محبت پر اعتماد ہے ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ نہیں آئے گا.....'' فائزہ نے پورے یقین سے کہا۔

''آپ کیسے کہہ سکتی ہیں.....'' زوہیب نے زچ ہوتے ہوئے پوچھا۔

''کیا آپ کو یقین نہیں آ رہا ہے' میں نے اپنی زندگی صرف اسی کے نام کی ہوئی ہے اور پوری زندگی اسی کے نام پر تیاگ دینے کا حوصلہ ہے مجھ میں..... میں نے اپنے کردار پر ایک چھینٹا بھی نہیں پڑنے دیا۔ صرف اسی کیلئے' میں اپنے رب سے دعا میں فقط یہی مانگتی ہوں کہ اے رب العالمین.....! مجھے اس کی محبت میں اتنا ہی مضبوط کر دے جتنا مجھے تم پر یقین ہے۔ مجھے اپنے رب پر بھروسہ ہے زوہیب صاحب میری دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جائیں گی.....''

''اتنے یقین کی وجہ' تمہارے اپنے اندر کا اعتماد ہے یہی کہنا چاہ رہی ہیں نا آپ.....''

''بالکل.....! لیکن اک بات اور بھی ہے..... آپ میری اور اپنی محبت کو آمنے سامنے رکھ کر پوری دیانتداری سے فیصلہ کریں..... جسے میں نے دیکھا نہیں' بس اس کا احساس ہے..... میں اس کے انتظار میں دنیا تیاگ دینے کا حوصلہ اور اعتماد رکھتی ہوں اور آپ.....! آپ کی محبت..... کیا ہے.....؟ اس کی وضاحت کر سکتے ہیں آپ.....؟'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے تو زوہیب نے سیدھا ہوتے ہوئے کہا۔

''ہاں.....! میں کر سکتا ہوں'' زوہیب کے لہجے میں اس وقت بلا کا اعتماد تھا..... ''میں وہ کچھ کر سکتا ہوں جس کا آپ کو گمان بھی نہیں ہوگا..... مگر ممکن ہے کہ آپ میری بات کو اہمیت نہ دیں..... اس لئے کہ آپ میرے بارے میں فقط منفی سوچتی آتی ہیں.....''

''میں بھی تو سنوں.....! کیا کر سکتے ہیں آپ.....؟'' فائزہ نے قدرے طنز بھرے لہجے میں کہا۔

''میں آپ کے ساتھ اس شخص کو تلاش کر سکتا ہوں..... یہی میری محبت کی آزمائش ہو گی.....''

زوہیب نے پورے اعتماد سے کہا تو فائزہ ایک دم سے چونک گئی..... اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن زوہیب نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''آپ شاید یہ خیال کریں گی کہ میں آفر دوں گا کہ آپ مجھ سے شادی کر لیں اور ہم مل کر اسے تلاش کر لیں گے.....! فائزہ جی..... آپ کا وجود میرے لئے اہمیت

اس لئے رکھتا ہے کہ آپ میرے سامنے ہیں' آپ کی باتیں' آپ کا کردار میرے لئے ایک حقیقت ہے آپ کا وجود ہے تو آپ کی روح ہے..... آپ کے ہونے کے احساس سے بھی میں محبت کرتا ہوں لیکن شادی کا بندھن اس کیلئے ضروری نہیں ہے' آپ کا سامنے ہونا بھی ضروری نہیں..... میں بھی اپنی محبت کی آزمائش چاہتا ہوں..... وہ جیسے بھی ہو..... آئیں..... یہیں پر فیصلہ کرتے ہیں.....''

''کیسا فیصلہ.....؟'' فائزہ نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ آپ کسی اور محبت سے کرتی ہیں اور میں آپ سے' زندگی کی راہ پر اکٹھے چلتے ہیں..... آپ اس شخص کی تلاش جاری رکھیں اور میں آپ کو تلاش کرتا رہوں گا۔ ساتھ چلتے ہوئے آپ کا انتظار کروں گا..... یہاں تک کہ میری زندگی کا آخری دن آ جائے۔ یا پھر..... اپنی تلاش کے سارے غم مجھے دے دیں..... میں اسے تلاش کروں گا..... اور اسے لا کر آپ کے سامنے کھڑا کر دوں گا..... تب آپ میری محبت کا یقین کر لینا۔''

''یہ فیصلہ ممکن نہیں ہوگا.....'' فائزہ نے دھیرے سے کہا۔

''میں رشتوں میں آدھی ادھوری ہونے کا قائل نہیں ہوں..... میں آپ کو اپنا غم اپنا دکھ کیوں دوں' اپنی سانسیں آپ کے پاس گروی کیوں رکھوں..... مجھے آپ سے کوئی غرض نہیں ہے۔ تو پھر..... میں کیوں آپ کو اپنی ذات کی سلطنت میں داخل کروں..... ہاں.....! آپ کی محبت' میرے لئے ہو گی' میں انکار نہیں کرتی..... لیکن اس دعویٰ کی وجہ سے آپ میری ذات کو مسخ نہیں کر سکتے' سوری میں آپ کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دوں گی.....'' فائزہ نے حتمی لہجے میں کہا۔

''اب تو تیر کمان سے نکل گیا ہے۔ میرے بس میں کچھ نہیں رہا چاہو تو تم انکار کر سکتی ہو.....'' زوہیب نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''تو یہی آپ کی مجھ سے محبت تھی.....؟'' فائزہ نے انتہائی تلخی سے کہا۔

''سوری فائزہ.....! اب آپ اپنی ہی بات کا انکار کر رہی ہیں..... کس ناطے سے آپ مجھ پر یہ دباؤ ڈال رہی ہیں.....'' میری محبت کو ہی ڈھال بنا رہی ہیں..... کس تعلق سے آپ مجھے منع کرنے آئی ہیں۔ میں آپ سے محبت کرتا ہوں اس لئے آپ مجھے مجبور کر دیں گی..... جذباتی طور پر اس لئے بلیک میل کریں گی کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں..... اور میں آپ کی بات اس لئے مان جاؤں گا کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں..... یہی حالات ہوتے اور میری جگہ کوئی ایسا شخص ہوتا جو آپ سے محبت نہیں کر رہا ہوتا تو..... تو پھر آپ کا رویہ کیا ہوتا.....؟ اس لہجے اور مان سے بات کر رہی ہوتیں.....؟ بتائیں مجھے.....؟''

''نہیں شاید ایسا نہ ہوتا.....! آپ ٹھیک کہتے ہیں.....'' فائزہ نے ایک دم سے کہا' اس کے لہجے میں اشک گھلے ہوئے تھے۔

''میں پھر بھی اپنی بات پر قائم ہوں..... وہ شخص اگر ملتا ہے تو میں آپ کے سامنے لا کر کھڑا کرنے کی

ہمت رکھتا ہوں..... تب مجھے یہ سکون تو ہوگا نا کہ میں نے اپنی محبت کیلئے کچھ کیا۔ اسے اس کی محبت دے دی..... بتاؤ' کون ہے وہ.....؟'' زوہیب کا لہجہ ایک دم سے بدل گیا۔ جس میں اس پرانے زوہیب کی جھلک تھی۔ جب وہ ذرا سی بے انصافی پر بے چین ہو جاتا کرتا تھا۔ وہ فائزہ کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا جہاں کئی رنگ تھے اور خاموشی تھی۔ کافی لمحے یونہی اس خاموشی کی نذر ہو گئے۔ تب وہ انتہائی حیرت بھرے لہجے میں بولی۔

''کاش' اس کا پتہ میرے پاس ہوتا تو میں اسے اب تک تلاش نہ کر سکتی..... آپ..... آپ شاید سمجھ نہیں پا رہے ہیں کہ میری محبت کس نوعیت کی ہے.....'' وہ الجھتے ہوئے بولی۔

''آپ سارے رشتے ناطے اور تعلقات کو ایک طرف رکھ دیں۔ اگر آپ مجھے ہمدرد سمجھتی ہیں اس قابل سمجھتی ہیں کہ میں آپ کی نگاہ میں اچھا انسان ہوں..... تو خدارا اپنے دل کی بات کہہ دیں.....!! آپ یقین رکھیں' میں بھی دنیا تیاگ سکتا ہوں اپنی محبت میں.....'' زوہیب نے کہا تو فائزہ یوں ہو گئی جیسے اس کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو..... جیسے اس راز کو کھولنے میں اس کی ساری قوت صرف ہو جانے والی ہے یا پھر اس قدر خوف زدہ کہ جیسے اگر اس نے اپنا یہ راز کہہ دیا تو پھر اس کے بعد اس کی زندگی نہیں رہے گی..... زوہیب کے کہے ہوئے لفظ اس کے ذہن میں یوں بازگشت کی طرح پھیل گئے تھے جیسے کسی وادی میں زور سے آواز لگا دی جائے اور پھر اپنی ہی آواز کو بار بار کتنی ہی دیر تک سنتے رہیں۔ وہ خاموش رہی..... شاید اس کی حالت کا اندازہ کر کے زوہیب نے پانی کا گلاس اس کی جانب بڑھا دیا..... وہ چند لمحوں تک اس کی طرف ہونقوں کی طرح بے خیالی میں دیکھتی رہی۔ پھر اٹھا کر پی لیا..... جس سے اس کی طبیعت قدرے سنبھل گئی۔ اس کی حالت اس وقت یوں تھی جیسے کوئی تنویمی عمل سے گزر رہا ہو..... پھر اس نے دھیمے سے لہجے میں ٹوٹتے ہوئے لفظوں کے ساتھ کہنا شروع کیا۔

''وہ میری زندگی میں ایک ڈراؤنی رات تھی.....! میں پاگل پن کی انتہا پر تھی۔ کسی نے مجھے اپنی محبت کے جال میں پھانس لیا تھا مگر وہ محبت نہیں ہوس تھی..... میں تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی تھی..... زریاب کا ہاتھ میری عزت کے درپے ہو گیا تھا' وہ محبت کے سارے سپنے ایک لمحے میں کرچی ہو کر میرے ضمیر' میری سوچ کو لہولہان کر گئے تھے کوئی راہ فرار نہیں تھی..... بس موت ہی مجھے نجات دے سکتی تھی..... ایسے میں وہ فرشتہ اچانک آ گیا..... اندھیرا تھا..... میں اسے نہ دیکھ سکی..... اور پھر میری حالت ایسی تھی کہ سب کچھ دھندلا دکھائی دے رہا تھا..... وہ میرا خضر راہ بن گیا اور انگلی پکڑ کر مجھے میرے گھر کے دروازے پر چھوڑ گیا۔ میں پھر بھی اس کا چہرہ نہیں دیکھ پائی..... اس کی کہی ہوئی ایک بات میری زندگی کا نصب العین بن گئی..... اس نے کہا تھا کہ اپنی عزت کا خیال رکھنا' یہی متاع زندگی ہے اور آج تک اسے تلاش.....''

فائزہ کہتی چلی جا رہی تھی اور زوہیب ماضی کے ان دیاروں میں جا پہنچا تھا جہاں وہ خود اک منتشر زندگی گزار رہا تھا..... فائزہ پتہ نہیں کیا کچھ کہتی چلی جا رہی تھی' لیکن وہ بت بن گیا..... اس کا روم روم حیرت میں ڈوب گیا کیا یہی تھی وہ لڑکی.....؟ زوہیب نے سوچا تو اسے اپنے اروگرد کا بھی ہوش نہیں رہا فائزہ کے کہے

ہوئے ہر لفظ نے اس کے اندر دھماکہ کر دیا تھا۔ اسے یوں لگا کہ اگر اس نے خود پر قابو نہ پایا تو ابھی دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جائے گا..... اس قدر حیرت جس سے اس کا دماغ پھٹنے والا ہو گیا۔ وہ فائزہ کے ہلتے ہوئے لبوں کو دیکھ رہا تھا۔ لیکن اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''زوہیب صاحب.....! کیا آپ میری بات سن رہے ہیں.....'' فائزہ نے جب دوسری بار زور سے اسے پکارا تو جیسے وہ نیند میں سے جاگا ہو.....

''ہاں.....! ہاں..... سن رہا ہوں.....'' اس نے اٹکتے ہوئے کہا۔ اسے خود پر قابو نہیں ہو رہا تھا' ایسے لمحات میں وہ کیا خاک سمجھ سکتا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ لیکن دور کہیں لاشعور میں یہ احساس ضرور موجود تھا کہ تم نے کسی بھی ردعمل کا اظہار فوری طور پر نہیں کرنا.....

''کیا آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔'' فائزہ نے دوبارہ پوچھا تو وہ حواسوں میں آنے لگا۔

''ہاں.....! میں نے کہا نا' میں ٹھیک ہوں.....''

''لیکن یہ آپ کی حالت.....'' فائزہ نے تشویش سے کہا.....

اس وقت تک وہ خود پر بہت حد تک قابو پا چکا تھا۔

''آپ مجھے کوئی ماورائی کہانی سنا کر مطمئن نہیں کر سکتیں.....'' زوہیب نے خون کی تیز گردش میں لرزتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''یہ ماورائی کہانی نہیں ہے.....'' فائزہ نے احتجاج کیا۔

''نہ سہی.....! لیکن میں فیصلہ کر چکا ہوں..... میں اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹوں گا.....''

''ابھی تو آپ نے..... اتنی جلدی آپ بدل جائیں گے۔'' فائزہ نے ششدر ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ نے اس شخص کے ساتھ سفر بھی کیا' اس نے آپ کو گھر تک ڈراپ بھی کیا اور آپ نے اس کا چہرہ نہیں دیکھا' فقط آواز گونج رہی ہے اس کے کہے ہوئے لفظوں کی۔'' زوہیب نے مسکراتے ہوئے' وہ خود پر پوری طرح قابو پا چکا تھا۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں..... کاش میں اس کا چہرہ دیکھ سکتی۔'' فائزہ نے حسرت سے کہا۔

''تب پھر آپ کیا کرتیں.....؟'' زوہیب نے پوچھا۔

''میں اب تک اسے تلاش کر چکی ہوتی.....'' فائزہ نے پورے اعتماد سے کہا۔

''آپ بھی مہوش فاطمہ کو پڑھ چکی ہیں اور میں نے بھی پڑھا۔ اس نے ایسا ہی ایک آئیڈیا اپنی ایک کہانی میں دیا تھا..... خیر.....! اگر آپ کے پاس کوئی مضبوط وجہ ہے انکار کرنے کی تو کر دیں..... میں اب اپنی بات اپنے بڑوں سے کر چکا ہوں..... میں ان کا مان نہیں توڑوں گا..... یہ غلطی آپ کی ہے کہ آپ نے میری بات نہیں سنی..... سوری میں مجبور ہوں.....'' زوہیب نے حتمی لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے مسٹر زوہیب.....! میں مر تو سکتی ہوں لیکن'' فائزہ نے غصے میں اٹھتے ہوئے کہا۔

''مریں آپ کے دشمن.....! اپنے بڑوں کا مان رکھیں' ورنہ آپ کی موت' انہیں ساری زندگی کیلئے بے موت مار دے گی..... یہ ضرور یاد رکھئے گا.....'' زوہیب نے اطمینان سے کہا تو جیسے جلتی پر تیل ڈال دیا گیا ہو..... فائزہ نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے دیکھا' پھر اپنا پرس اٹھا کر بولی۔

''زوہیب صاحب.....! مجھے قربانی دینا آتا ہے۔''

اس نے کہا اور پلٹ کر باہر چلی گئی..... زوہیب کا جی چاہا کہ اتنا کھل کر ہنسے کہ پوری کائنات کے اس قہقہوں میں شریک ہو جائے..... اسے اپنی محبت کا صلہ یوں ملے گا۔ ایسا اس نے سوچا بھی نہیں تھا..... فائزہ کی گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز آئی اور پھر فضا میں معدوم ہوگئی' وہ چلی گئی تھی۔ زوہیب واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا' اسے خود پر قابو پانے میں اب بھی مشکل ہو رہی تھی۔ جیسے کسی بڑے زلزلے کے بعد اس کا احساس بہت دیر تک رہتا ہے۔ وہ اندر سے اب بھی لرز رہا تھا۔ وہ اس پر سوچنا چاہتا تھا۔ وہ تو یہ سب کچھ بھول گیا تھا اور اتنے عرصے کے بعد وہ نیکی ایک بڑے خزانے کے طور پر اس کی زندگی میں اس کے سامنے آ جائے گی' یہ اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اس کی حالت بھی ایسی ہو رہی تھی کہ جیسے بہت مدت کا فاقہ مست جب اچانک اپنے سامنے اتنا بڑا خزانہ پالے جو اس کے تصور سے بھی ماورا ہو تو آنکھیں چکا چوند اور دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ اسے یہ خیال نہیں رہتا کہ میں اسے خرچ کہاں کروں گا' بلکہ اتنا بڑا خزانہ ملنے کی حیرت اسے اپنے آپ سے بیگانہ کر دیتی ہے۔

وہ رات اسے یاد آ گئی تھی۔ وہ تو نہر کے کنارے اس لئے جا کر بیٹھا تھا کہ شہر کی الجھنوں سے ہٹ کر یکسوئی کے ساتھ کچھ سوچ سکے وہ ایک گھبرائی ہوئی لڑکی کو دیکھ رہا تھا' جس کی آنکھوں میں نجانے کیا کچھ ہوگا لیکن اندھیرے کی چادر نے سب کچھ چھپا لیا تھا۔ اس وقت اس نے سوچا تھا کہ اگر قدرت اس لڑکی کا پردہ رکھنا چاہتی ہے تو پھر یہ پردہ حائل رہے۔ وہ کبھی اس کے سامنے آ جائے تو شرمندہ نہ ہو اور وہ بھی دعوے سے یہ نہ کہہ پائے کہ یہی وہ لڑکی تھی جسے اس نے بچایا تھا.....! قدرت نے کس طرح اسے فائزہ کے سامنے لا کھڑا کیا تھا..... وہ فائزہ.....! جو آج بھی اس شخص کی احسان مند تھی اور اسی کیلئے اپنا آپ تیاگ دینے کیلئے زمانے کے ساتھ لڑ رہی تھی۔ اس کی محبت میں کتنی شدت ہوگی.....؟ یہ خیال کرتے ہی اسے اپنی محبت بہت چھوٹی لگی تھی۔ اتنی چھوٹی کہ وہ خود شرمند ہو گیا.....

وہ فائزہ.....! جسے اپنے رب پر یقین تھا کہ وہ اس شخص کو اس کے سامنے ضرور لائے گا' جسے اس نے دیکھا نہیں' مگر چاہا بہت ہے۔ وہ اسے اپنی دعاؤں میں یاد رکھتی ہے۔ اس کی سلامتی کی دعائیں مانگتی ہے..... وہ کتنا خوش قسمت ہے..... خلوص نیت سے کی گئی اک ذرا سی نیکی.....! اتنے بڑے اجر کے طور پر اس کے سامنے تھی..... اتنی بے پایاں محبت کے ساتھ۔ وہ ششدر رہ گیا اسے اپنا آپ بہت قیمتی لگا..... اس نے علی کو بتانے کیلئے کی طرف ہاتھ بڑھایا..... لیکن رک گیا..... ٹھٹھک گیا..... کیا اسے یہ سب بتانا چاہئے.....؟ اسی سوال پر وہ پھر سے ساکت ہو گیا..... نہیں اسے نہیں بتانا چاہئے..... یہ راز بتا کر وہ کیا اپنے آپ کو بہت بڑا ثابت کرنا چاہتا

ہے۔ وہ یہ بتانے چاہتا ہے کہ فائزہ ایک ایسی لڑکی..... وہ اس سے زیادہ کچھ نہیں سوچ سکا..... لمحوں میں اسے اپنے چھوٹے پن کا احساس ہونے لگا..... اسے تو یہ راز خود فائزہ سے بھی چھپا لینا چاہئے..... نہیں.....! اس سے کیوں چھپانا' اس کی دعائیں تو کب کی قبول ہو چکیں..... اور اس طرح قبول ہوئیں کہ میرے دل میں اس کی محبت جاگ اٹھی' جسے محبت کے مفہوم کا ہی علم نہیں تھا.....؟'' وہ شدت سے بڑبڑایا۔

''کچھ بھی نہیں..... خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دو.....'' اس کے اندر سے آواز آئی۔

''وہ کیوں.....؟'' وہ حیرت زدہ رہ گیا۔

''وہ قدرت جس نے تمہیں اس سطح پر لا کھڑا کیا ہے' اس کیلئے کچھ بھی ایسا نہیں کہ وہ تمہیں اس منزل تک لے جائے جہاں تمہیں جانا چاہئے۔ پہلے تمہیں معلوم نہیں تھا' نہ منزل' نہ نشان منزل اور نہ ہی اس تک پہنچنے کی راہ تم چاہو گے بھی تو کیا کر لو گے..... کچھ نہیں یہ سب ایک پلان کے تحت ہو رہا ہے اسے ہونے دو.....''

''ٹھیک ہے..... میرا رب بہتر جانتا ہے.....''

''یہی یقین رکھنا' کیونکہ یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اس نے تو اپنی عزت کو متاع زندگی جان کر ان لفظوں پر اپنی زندگی قربان کر دی..... اور اب تمہارا فرض ہے کہ اس کی عزت کا خیال کرو..... اپنی عزت سے بھی بڑھ کر۔''

یہی سوچتے ہوئے وہ پرسکون ہو گیا..... اس نے اسی لمحے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا..... شاید یہی قدرت کی منشاء تھی اس نے مطمئن ہو کر کرسی سے ٹیک لگا لی..... آج اسے اپنی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ملی تھی۔

☆☆☆

سلگتی ہوئی رات اپنے اختتام پر تھی۔ سپیدہ سحر نمودار ہونے کو تھا۔ وہ رات فائزہ نے اپنی آنکھوں میں کاٹ دی تھی۔ رتجگے اور شدت گریہ سے اس کی آنکھیں نہ صرف سرخ تھیں بلکہ متورم بھی ہو چکی تھیں..... اسے اپنا راز ایک شخص کے سامنے کہہ دینے کا بہت دکھ تھا اس وقت تو اس نے جذبات میں آ کر اور زوہیب کو اپنا ہمدرد سمجھ کر وہ راز کہہ دیا تھا لیکن جب وہ واپس اپنے کمرے میں آئی تو اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اپنے اندر کی ساری توانائی وہیں کہیں زائل کر آئی ہے۔ اب اس میں ذرا سی بھی سکت نہیں۔ جس قدر اسے یہ دکھ تھا کہ وہ اپنا راز زوہیب کو بتا آئی ہے' اس قدر غم اسے اس بات کا بھی تھا کہ اس شخص نے اسے ذرا سی بھی اہمیت نہیں دی..... محض ماورائی کی کہانی کہہ کر اس کے جذبات کی ہی نہیں اس کی ذات کی بھی توہین کی تھی۔ ایسے شخص کے ساتھ وہ زندگی کس طرح گزار سکتی تھی۔ اسے وہ شخص بہت ہی بھیانک لگ رہا تھا' یوں جیسے اس نے لبادہ اوڑھ رکھا ہو..... اندر سے وہ کچھ ہے' جو اس کے ظاہر سے بہت مختلف ہے۔

شاید اس شخص کو اس سے کوئی ضد ہو گئی ہے یا پھر ان کا کوئی مسئلہ اسے درپیش ہو سکتا ہے ورنہ وہ اپنی چاہت کے بارے میں اسے بتا چکی تھی۔ اسے متنفر ہو جانا چاہئے تھا' لیکن.....! ہمدردی.....! وہ کیوں وہاں پر

کھل گئی..... اپنا راز کیوں کہہ دیا..... اس نے جو سوچا تھا وہ نہیں ہوا..... اسے اب اپنے آپ کو بھائی کے مان پر قربان کرنا ہی تھا اس کے پاس انکار کی کوئی وجہ ہی نہیں رہی تھی..... وہ جس سے تھوڑی سی آس تھی' اس نے ہی محض ماورائی کہانی کہہ کر اس کی توہین کر دی تھی اور دوسرے لوگ..... وہ تو اسے پاگل گردانیں گے' اس پر ہنسیں گے' کوئی بھی اس کی بات نہیں مانے گا..... وہ ایک ایسے مقام پر آن کھڑی ہوئی تھی' جہاں پر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنے لب سی لینے تھے۔ کوئی آواز اس منہ سے نہیں نکالنی تھی جس سے اس کے اندر کا دکھ عیاں ہوتا ہو۔

شاید اس شخص کے سامنے اپنا راز کہہ دینے سے اس نے اپنی محبت کی توہین کی تھی اور بلاشبہ اس عمل سے ردعمل کے طور پر اس کی اپنی ذات کی بھی توہین ہو گئی تھی۔ اس رات سے لے کر آج تک اس نے کسی سے بھی اپنا حال دل نہیں کہا تھا۔ یہی راز اس کی قوت بن گیا' ایسی قوت کہ جس نے لفظوں میں روح پھونک دی تھی۔ اس کے خیالات و افکار سے نہ صرف ایک دنیا متاثر تھی بلکہ وہ شخص نے بھی اسی سے اپنے آپ کو بدل دیا تھا اور جب تک یہ راز اس کے اندر رہا' عزت و احترام سے زندگی کی راہ پر چلتی چلی آ رہی تھی اور پھر جونہی اس نے اپنا راز کہا' وہ بے وقعت ہو گئی۔ اس سے..... جو خود اس کے خیالات سے متاثر تھا۔

شاید اس شخص نے اسے ضدی اور انا پرست لڑکی خیال کیا ہو گا۔ ایسی لڑکی جو فقط اپنی زندگی کے ایک مخصوص دائرے میں جینا چاہتی ہے اور اس دائرے میں وہ کسی کی مداخلت برداشت کرنے کا حوصلہ ہی نہیں رکھتی۔ اسے کیا معلوم کہ میں کس دنیا کی باسی ہوں۔ لیکن اس نے میری ضد اور انا کو توڑا ہے۔ میں نے جو اسے اپنی زندگی میں آنے سے روک دیا تھا' اپنے گرد سرد مہری کا حصار بنا لیا تھا' تو اس نے ردعمل کے طور پر نہ صرف سرد مہری کے حصار کو توڑا بلکہ میری زندگی میں آنے والی رکاوٹوں کو ایک ایک کر کے نہ صرف ہٹایا بلکہ میری ذات کے قلعے کے دروازے پر آن کھڑا ہوا تھا۔ جس سے وہ اپنے آپ کو بچا نہیں پا رہی تھی۔ وہ میری ذات کو فتح کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا..... وہ میری ذات فتح کر لے گا' ہرگز نہیں.....! اس نے شدت سے اس خیال کی نفی کر دی۔ وہ میرے وجود کو تو جیت سکتا ہے' لیکن میری روح' میری خواہش اور میرے خیال نہیں چھین سکتا۔ وہ جوت جو میرے دل میں روشنی کر رہی ہے' اس کو قطعاً نہیں بجھا پائے گا۔

شاید اس شخص کی وجہ سے میرے اندر ایک جنگ چھڑنے والی ہے۔ میری ذات میدان جنگ بننے والی ہے۔ وہ شخص مجھے تسخیر کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔ ابھی تو اس کے پاس محبت کا ہتھیار ہے لیکن جب اس نے نفرت کو آزمایا تو پھر کیا ہو گا..... زندگی زخم زخم ہو جائے گی..... میدان جنگ میں بھڑکی ہوئی پیاس اور پانی نہ ملنے کی توقع سے جب زبان تک سوکھ جاتی ہے تو من کے اندر اُگنے والے کانٹے کچھ زیادہ ہی نوکیلے ہوتے ہیں۔ ایک نہ ختم ہونے والی ٹیس اس کی ذات کا حصہ بن جائے گا..... اور پھر وہ اک لہولہان زندگی گزارنے پر مجبور ہو گی۔

شاید وہ شخص مجھے سمجھ ہی نہیں سکا' اسے یہ پتہ ہی نہیں ہے کہ میں اپنے حوصلے میں کس قدر مضبوط ہوں۔ وہ چاہے جس نیت سے بھی میری طرف بڑھ رہا ہے' میں اگر اپنوں کے ہاتھوں میں مفتوح ہو گئی تو کیا پھر

میں کبھی اس کا مقابلہ نہیں کر پاؤں گی..... یہ اس کی بھول ہے کہ میں ایک مشرقی عورت ہونے کے ناطے اپنے تمام تر حقوق سے دستبردار ہو کر صرف فرائض کی تکمیل میں لگ جاؤں گی' نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو گا' میں اپنی کانٹوں بھری لہولوہان زندگی کے ساتھ چلنے کیلئے بھی قوت رکھتی ہوں..... لیکن.....! اپنی قوت میں زائل کر بیٹھی ہوں..... اس شخص کو اپنا راز بتا کر' میں نے اپنی جنگ خود ہاری ہے۔ وہ جو طوفان کی مانند میری زندگی میں آیا اور سب کچھ خش و خاشاک کی مانند بہا کر لے گیا..... تو کیا میری ذات بھی..... اس طوفان کی نذر ہو جائے گی۔ میرا ہونا بھی اس فضا میں تحلیل ہو کر رہ جائے گا.....

شاید یہ اس کو معلوم نہیں تھا کہ میں ایک زمانے کو محبت کی جو کہانیاں سنا رہی ہوں انہیں زندگی کے مختلف پہلوؤں سے آشنا کر رہی ہوں' جنہیں ایسے جذبات کی تشریح بتاتی کہ جس سے زندگی پرسکون ہو جائے۔ ایک دنیا جس کے خیالات سے مستفید ہو رہی تھی۔ وہ ایک ایسی غوطہ زن تھی جو بحرِ علم میں گہرائی تک جاتی اور پھر ایسے موتی نکال کر لاتی جو منفرد سے ہوتے' وہ ان موتیوں کو اپنے پاس نہ رکھتی اور اسے دنیا میں بانٹ دیتی..... لیکن اس کے ساتھ کیا ہونے جا رہا ہے' محبت کی کہانیاں سنانے والی ماحول کی نفرت اور جبر میں اپنا وجود تحلیل کر دینے پر مجبور تھی۔ وہ جس نے زندگی کے مختلف پہلوؤں سے دنیا کو روشناس کرایا' وہ خود تاریک راہوں میں ماری جانے پر مجبور ہو رہی تھی۔ وہ جس نے جذبات کی تشریح کی تھی' وہ خود رشتوں کی قربان گاہ پر قتل ہو جانے کیلئے تیار تھی۔ کیسا المیہ تھا..... اس کی ساری علمیت' اس کی ساری تحقیق اور اس کا سارا ہنر..... اب چولہے پر کھانا پکاتے' جھاڑو پوچا کرتے اور گھر ہستی کے کاموں میں تحلیل ہو جانا تھا' یہ تبدیلی کس قدر اس کیلئے المناک تھی۔ وہ جو وحشتوں سے نکل کر پرسکون دیاروں میں زندگی گزار رہا تھا' وہ اسے روشنیوں سے تاریک راہوں میں دھکیل رہا تھا۔

شاید اس کی یہ کیفیت مسلسل رہتی..... وہ اپنی سوچوں میں سلگتی رہتی اور حالات کے جبر میں خود کو ریزہ ریزہ ہو کر ختم ہونے کا تماشا دیکھتی رہی کہ انہی لمحوں میں صدائے اذان بلند ہوئی۔ دور کہیں موذن اللہ کی عظمت کا اعلان کر رہا تھا وہ چونک گئی..... وہ اپنے آپ کو کیوں اس طرح کوس رہی ہے..... وہ ہستی جو سب جہانوں کا مالک ہے' جس کے قبضہ قدرت میں ہر شے ہے' جو سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔ میں کیوں اس کی بارگاہ میں نہیں جاتی ہوں مجھے اپنے رب سے فریاد کرنی چاہئے..... وہ سنتا ہے' اگر اس نے نہ سنا' میری زندگی اور میرے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تو اپنے رب سے وفا کا تقاضا یہی ہے کہ میں سرِ خم تسلیم کر دوں' شاید میرے رب کی اسی میں ہی رضا ہو گی۔ میری زندگی کے باقی دن اسی طرح ہی لکھے ہوں شاید یہ بھی ممکن ہے کہ میری فریاد میری آہ..... میرے رب کو میری زندگی بدلنے پر مجبور دے' کچھ ایسا معجزہ ہو جائے کہ جس سے وہ سب کچھ نہ ہو جو میں سوچ رہی ہوں..... وہ اٹھی اور وضو کرنے کیلئے چل دی۔

اس صبح فائزہ کی دعاؤں میں بلا کی رقت تھی۔ وہ پورے خلوص اور جذب سے دعا مانگ رہی تھی۔ یہ پہلا ان دن تھا جب اس کا ہیولا اس کی دعاؤں میں بہت کم جگہ پا سکا تھا۔ نماز پڑھ لینے کے بعد وہ کتنی دیر تک

دعا میں مصروف رہی' اسے خیال ہی نہیں رہا تھا' وہ زار زار رو رہی تھی اور پورے جذب سے اپنے رب سے دعا مانگ رہی تھی..... اسے اعتماد تھا کہ اس کی دعائیں قبول ہوں گی' اسے یقین تھا کہ اس کا رب اس کی سنتا ہے۔ اس دن وہ بہت دیر تک جائے نماز پر بیٹھی رہی اسے قطعاً تھکن کا احساس نہیں ہو رہا تھا' وہ سب سے بے خبر دعا مانگنے میں مصروف تھی کہ انہی لمحات میں الارم بج اٹھا..... وہی جو اس کا معمول تھا۔ دنیا اسے اپنی طرف بلا رہی تھی۔ اس کی یکسوئی ٹوٹ چکی تھی۔ وہ جائے نماز سے اٹھ گئی۔

وہ تیار ہو چکی تھی۔ وہ کمرے سے باہر جانا چاہ رہی تھی لیکن وہ ایسا کر نہیں پا رہی تھی۔ اسے کچھ کھو جانے کا احساس ہو رہا تھا۔ کیا کھو رہی تھی' اس کی اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس نے پورے کمرے کا جائزہ لیا' ایسا کچھ نہیں تھا' بس کمپیوٹر کھول کر اسے اپنی میل چیک نہیں کی تھی۔ یہ سوچتے ہی اسے قرار آ گیا کہ یہی بات تھی۔ اس کا معمول بن گیا تھا اور آج سب کچھ معمول سے ہٹ کر ہو رہا تھا۔ وہ میل چیک کرے یا نہیں..... ایک لمحے میں وہ فیصلہ نہیں کر پائی' اس نے وقت دیکھا' ابھی اس کے پاس کچھ وقت تھا' سو اس نے پرس میز پر رکھا اور کمپیوٹر آن کر لیا۔ وہاں اسے صرف ایک ہی میل دکھائی دی جو زوہیب کی تھی۔ ایک دم سے اس کی طبیعت متنفر ہو گئی۔ پوری رات جس شخص نے رلایا تھا اور آئندہ آنے والوں دنوں میں پتہ نہیں کیا تھا۔ اس وقت اس کی طبیعت قدرے سنبھلی تھی کہ وہ پھر کمپیوٹر میں سے جھانک رہا تھا..... یا اللہ.....! یہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے.....؟ اس نے شدت سے سوچا اور پھر بے بس سی ہو کر بیٹھ گئی۔ کتنے ہی لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے۔ پھر یہی سوچ کر اس نے میل کھول لی کہ جب اس نے کمپیوٹر کھول ہی لیا ہے تو دیکھ لے کہ اس میں لکھا کیا ہوا ہے۔ ایک لمحے میں اس کے سامنے میل تھی۔

محترمہ مہوش فاطمہ.....!

زندگی کی ساری خوشیاں آپ کو ملیں۔ وہ سارے سکھ آپ کو نصیب ہوں جس کی آپ متمنی ہیں۔ میری ہمیشہ آپ کیلئے صحت و سلامتی کے ساتھ یہی دعا ہو گی۔

آج میں بہت خوش ہوں..... اتنا خوش کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتیں یہاں تک کہ میں بھی اپنے جذبات اور احساسات کو بیان نہیں کر سکتا کہ مجھے کس قدر خوشی ملی ہے۔ مجھے یوں لگ رہا ہے کہ جیسے پوری کائنات میرے لئے ایسی بے پایاں خوشیاں لے کر آئی جس سے میں پور پور نہال ہو گیا ہوں..... مجھے آج پتہ چلا کہ میری اہمیت کیا ہے۔ زندگی کی ساری تلخیاں' محرومیاں' نا آسودگیاں اور ایسا ہی نجانے کیا کچھ' وہ سب مجھے بھول چکا ہے۔ بلکہ میں یوں اگر کہوں کہ وہ اگر خلا تھے تو اس خوشی نے انہیں بھر دیا ہے۔ مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہو رہا ہے کہ میرے رب کی مجھ پر اتنی زیادہ عنایت بھی ہو سکتی ہے.....؟ آپ سوچیں گی کہ میں کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا..... ہاں.....! صورت حال پاگل ہو جانے والی ہی ہے' لیکن یہ توفیق میرے رب نے ہی دی ہے کہ میں پاگل پن سے بچ گیا ورنہ میری حیثیت ہی نہیں تھی۔

میں آپ کو شروع سے بتاتا ہوں.....! میرا مرکز میرے پاس آ گئی' یہ اگرچہ اعجاز محبت ہو گا لیکن میں

سمجھتا ہوں کہ یہ اس سے بھی ماورا شے ہے..... میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں تبدیلی کے عمل سے گزر رہا تھا' انہی دنوں ایک لڑکی میری زندگی میں آئی..... میں نے اسے دیکھا نہیں' مگر اسے بھیانک ہاتھوں سے بچایا..... میں اسے دیکھ نہیں سکا تھا' اندھیرا تھا نا..... پھر میں نے اسے دیکھنے کی کوشش بھی نہیں..... میرے دل میں یہی خیال تھا کہ اگر قدرت اس کا پردہ رکھنا چاہتی ہے تو یہ پردہ رہے..... نجانے اس وقت میرے منہ سے یہ لفظ کیسے نکل گئے کہ اپنی عزت کا خیال رکھنا' یہ متاع زندگی ہے..... پتہ ہے مہوش صاحبہ.....! وہ کون تھی..... وہ کوئی اور نہیں' میرا مرکز تھی' وہی تھی جس سے میں نے محبت کی..... جب وہ پہلی بار ملی تھی' وہ اک ذرا سی آب جو بھی نہیں تھی..... لیکن اب وہ یک سمندر بن چکی ہے..... اتنا گہرا سمندر کہ میں اس کے کناروں پر کھڑا ٹھٹک گیا ہوں۔

میں اس کیلئے ایک ہیولا ہی تھا' اس نے بھی مجھے نہیں دیکھا تھا' لیکن یہ جانتے بوجھتے ہوئے بھی کہ میں دنیا کے ہجوم میں گم ہو گیا ہوں' میرا نام و نشان' کوئی پتہ' اشارہ یا سراغ اس کے پاس نہیں تھا..... اس نے اپنے رب سے لو لگا لی..... اسے یقین تھا کہ میں اس تک ضرور پہنچوں گا' اسے ملوں گا.....! اس کا یقین کس قدر پختہ ہے..... اس یقین کے سامنے میری محبت تو کوئی حیثیت نہیں رکھتی..... وہ مجھے بتاتی رہی اور میں سنتا رہا' میں اتنی ہمت ہی نہیں کر سکا کہ اس سے کہہ دوں..... میں ہی تمہارا ہیولا ہوں..... میں ہی وہ ہوں جس سے تم اتنی محبت کرتی ہو کہ وہ اب عشق بن چکا ہے۔

مہوش جی.....! میں خود کو بہت کم حیثیت محسوس کر رہا ہوں۔ میری محبت کچھ بھی نہیں میں اس سے محبت کر ہی نہیں سکتا' ہاں عقیدت رکھ سکتا ہوں..... اتنی عقیدت کہ بے حس بتوں میں بھی جان پڑ جائے..... اس نے ایک ہیولے کیلئے' چند لفظوں کا مان رکھتے ہوئے' اپنی پوری زندگی نام کر دی اور میں.....! میں تو کچھ بھی نہیں ہوں..... سوائے ایک عقیدت مند کے.....

میں ایک دوراہے پر آن ٹھہرا ہوں..... میں اس سے شادی کر لوں اور ساری زندگی اس سے عقیدت کرتا رہوں یا پھر اس کی خواہش کے مطابق اس کی زندگی سے نکل جاؤں..... کیا کروں.....؟ مجھے خود سمجھ نہیں آ رہی۔ کیونکہ جس طرح میں اس کے ہیولے والی کہانی کو ماورائی کہانی کہہ چکا ہوں..... کیا وہ مجھ پر یقین کرے گی کہ میں ہی وہ ہیولا ہوں..... میں بھی تو ثابت نہیں کر سکتا..... میں کیا کروں.....! پلیز.....! میری رہنمائی کیجئے گا..... ورنہ میں اس وقت وہ ناسمجھ بچہ ہوں جسے انگاروں اور گلاب کے پھولوں میں تمیز نہیں ہے۔ میں خود کو جلا بھی سکتا ہوں اور خوشبو بھی میرا مقدر ہو سکتی ہے.....؟ میں کیا کروں.....! پلیز مجھے بتایئے گا۔ فقط زوہیب۔

میل پڑھتے ہوئے فائزہ ٹھٹک کر بت بن گئی تھی۔ دنیا بھر کی ساری آوازیں جیسے سلب ہو گئی تھیں اور اس کے ایوان ذہن میں فقط یہی گونج رہا تھا کہ دعائیں یوں بھی قبول ہو جایا کرتی ہیں۔ اسے اپنے رب پر بہت ہی پیار آ رہا تھا۔ رات بھر کی گریہ وزاری کا اتنا بڑا تحفہ.....! اتنا بڑا اجر.....! وہ گمان بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اسے اپنے ہی یقین پر یقین نہیں ہو رہا تھا کہ دعائیں اس طرح بھی رنگ لے آتی ہیں۔ انسان جو مانگتا ہے' اس کے تصور میں بہت چھوٹا ہوتا ہے' لیکن دعاؤں کے اجر میں جب اتنا کچھ مل جائے کہ وہ اس کے تصور سے بھی ماورا

ہو تو انسان کا ٹھٹک جانا' حیرت سے بت بن جانا اور خود کو کائنات کی وسعتوں میں پھیل جانا محسوس کرنا ایک فطری سی بات ہے۔ زندگی بھر کا انتظار.....! ایک لمحے میں ختم ہو گیا تو اسے یوں لگا جیسے کوئی انتہائی قیمتی شے کہیں کھو گئی' لذت انتظار اس کے پاس نہیں رہی تھی..... اس نے لمحوں میں صدیوں کا فاصلہ طے کر لیا تھا' وہ اس سارے معاملے کو بہت دھیرے دھیرے سوچنا چاہتی تھی۔ کیونکہ ان سرشاری کے لمحات میں جو اسے خوش قسمتی کا پیغام ملا تھا' اس سے بھرپور انداز میں لطف انداز ہونا چاہتا تھی۔ اس کے سامنے کمپیوٹر کی سکرین آف ہوئی تو وہ چونک گئی..... اس نے جلدی سے کمپیوٹر بند کیا اور کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ فیصلہ تو ہو چکا تھا۔

ناشتے کی میز پر وہ سب سے پہلے پہنچی تھی..... بھابی نے برتن رکھ دیئے تھے اور اب کچن سے ناشتہ لانا باقی رہ گیا تھا۔ اس نے کچن کی طرف دیکھا' بھابی ایک ٹرے میں جوس کا جگ رکھے برآمد ہوئی..... وہ اسے دیکھتے ہوئے حیرت سے بولی۔

''فائزہ.....! خیریت تو ہے نا' آج اتنی جلدی.....'' یہ کہتے ہوئے وہ قریب آ گئی اور پھر اس کے چہرے کی طرف دیکھ کر بولی..... ''یہ تمہاری آنکھیں.....''

''یہ اس لئے ہے کہ جب انسان کو بہت زیادہ خوشی مل جائے تو پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔''

''میں سمجھی نہیں.....'' بھابی نے جگ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

''آپ کو اور کچھ نہیں فقط یہ سمجھنا ہے کہ اب منصور بھائی کو مجھ سے بات کرنے کی ضرورت نہیں' میں پورے دل سے رضا مند ہوں..... اس میں کوئی مجبوری نہیں ہے۔ آپ اپنے ارمان جی بھر کے پورے کیجئے گا۔'' فائزہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تو بھابی چونک گئی۔

''کیا تم سچ کہہ رہی ہو.....؟'' بھابی کے لہجے میں حیرت نہیں حیرتیں گھلی ہوئی تھیں۔ تو فائزہ نے آنکھیں بند کر کے اپنا عندیہ دے دیا اس کے چہرے پر خوشیوں اور مسرتوں کے ہزار چراغ روشن تھے..... جس سے پورے گھر میں خوشیوں کی روشنی ہو گئی۔

''تو پھر میں تمہارے بھائی سے بات کروں.....'' بھابی نے جلدی سے کہا جیسے وہ شاید یقین کرنا چاہتی ہو۔

''صرف ان سے ہی نہیں' زوہیب کے گھر والوں سے بھی بات کر لیں۔'' فائزہ نے جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا۔

''یہ انقلاب کیسا..... اور.....'' بھابی نے پوچھنا چاہا تو وہ ہنس دی۔ اس نے گلاس ہونٹوں سے لگایا اور پھر دھیرے دھیرے ختم کرتی رہی..... اس دوران خاموش رہی جبکہ بھابی ہونقوں کی مانند اسے دیکھتی رہی۔ جب وہ جوس پی چکی تو بھابی نے پھر پوچھا..... ''میں نے پوچھا.....''

''چھوڑیں بھابی یہ ایک لمبی کہانی ہے' فرصت میں کسی وقت سناؤں گی۔ اس وقت تو میں یونیورسٹی جا رہی ہوں.....'' فائزہ نے کہا اور اٹھ گئی۔

''ارے ناشتہ تو.....'' بھابی نے کہنا چاہا لیکن وہ رکی نہیں۔ تیز تیز قدموں سے باہر نکلتی چلی گئیں جبکہ بھابی حیرت ملی خوشی سے سرشار ہوگئی۔

☆☆☆

دونوں گھر بقعۂ نور بنے ہوئے تھے۔ رنگا رنگ روشنیوں سے سجے ہوئے وہ دونوں گھر ایک جیسے ہی لگ رہے۔ اس وقت دونوں گھروں کے لان میں خوشیاں پھیلی ہوئی تھیں رنگین آنچلوں اور خوشبوؤں سے مہکے ہوئے لان میں موجود مہمان ان گھروں کی مکینوں کی مسرتوں میں شریک تھے۔ قہقہوں کی گونج لان سے ابھر کر فائزہ کے کمرے تک جا رہی تھی۔ جہاں سے دونوں گھروں میں آئے ہوئے مہمان دکھائی دے رہے تھے۔ زوہیب کے لان میں زوہیب کی بارات تیار ہو چکی تھی اور وہ کسی بھی لمحے ان کے گھر آنے کیلئے روانہ ہو سکتے تھے۔ وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے یہ سارا منظر دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ چند لڑکیاں کھڑی تھیں' جن کے قہقہوں' نرم گرم فقروں اور معنی خیز اشاروں سے بے نیاز وہ نجانے کس دنیا میں پہنچی ہوئی تھی۔ اسے خلوص نیت پر یقین آ گیا تھا' جس کا ثبوت اس کی نگاہوں کے سامنے تھا' بارات روانہ ہو چکی تھی..... وہ اسے دیکھتی رہی..... ان کے بڑھتے ہوئے قدم سے اسے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے منزل خود چل کر اس کی طرف آ رہی ہے۔ وہ مسحور ہوتی چلی گئی.....

پھر وہ وقت آ گیا جب اس کے بھائی منصور حسن کے ساتھ قاضی اور گواہ اس کی رضا پوچھنے کیلئے کمرے میں آ موجود ہوئے..... قاضی نے تین بار اس سے رضا مندی پوچھی جو اس نے قبول ہے کی صورت میں انہیں بتا دی..... اس کا نکاح ہو گیا۔ وہ زوہیب کی منکوحہ ہوگئی..... اس کے سامنے رجسٹرڈ رکھ دیا گیا تا کہ نکاح نامے پر وہ دستخط کر دے۔ اسی رجسٹرڈ پر قلم بھی رکھ دیا' تبھی اس نے اپنے بھائی کی طرف دیکھا' اس کی نگاہوں میں سوال مچل رہا تھا۔ جسے منصور حسن سمجھ گیا۔ پھر اس کے قریب ہوتے ہوئے بولا۔

''بولو فائزہ.....! کیا بات ہے۔''

''بھائی.....! میں اپنے قلم سے اس پر دستخط کرنا چاہوں گی.....'' اس نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا۔

''تو کوئی بات نہیں..... اپنے قلم سے کر لو.....'' منصور حسن نے خوشی سے اجازت دے دی۔ تو وہ اٹھی اور اپنے میز تک گئی..... ایسا ہوتا نہیں تھا۔ دلہنیں شرمائے' لجائے ہوئے چپ چاپ دستخط کر دیا کرتی تھیں۔ اس لئے وہاں پر موجود ہر شخص کے چہرے پر حیرت ابھر آئی تھی۔ وہ سب اسی کی جانب دیکھ رہے تھے۔ اس نے اپنا دراز کھولا' اس میں سے اپنا قیمتی قلم نکالا' جس کی نوک سے نجانے کتنی کہانیاں تخلیق ہو چکی تھیں۔ اس نے ایک نگاہ اس پر ڈالی..... اور پھر اپنے بیڈ تک آئی..... جہاں رکھے ہوئے رجسٹرڈ پر اس نے بڑے ہی اہتمام سے دستخط کر ڈالے..... وہ دستخط کر چکی تو اس نے منصور حسن کی طرف دیکھا' جس کی نگاہوں میں اس کیلئے پیار چھلک رہا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ اس کی بہن نے ایسا کیوں کیا ہے۔ وہ سب واپس چلے گئے تو فائزہ نے وہاں پر موجود لڑکیوں سے کہا۔

''کیا آپ سب مجھے محض چند لمحوں کیلئے اکیلا چھوڑ سکتی ہیں''

''ہائیں......! یہ کیا کہہ رہی ہو تم...... کیوں اکیلا کیوں ''[illegible]

''بس میں کہہ رہی ہوں نا......! محض چند لمحے......'' فائزہ نے نہایت عاجزی سے کہا

''ارے بابا......! ابھی تجھے دلہن بنانا ہے' کتنا وقت لگے گا اس میں...... پارلر والی بیوٹیشن باہر [illegible] تمہارا انتظار کر رہی ہے۔''

''میں نے کہا نا......! محض چند لمحے...... پھر اسے بھی ساتھ لے آنا۔''

''یار......! اگر وہ چند لمحے مانگ رہی ہے تو دے دو......''

''چلو چلو......''

کمرے میں ایک دم سے سناٹا چھا گیا۔ وہ اپنے کمرے میں تنہا تھی...... اس نے اپنے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے قلم کی طرف دیکھا۔ پھر اپنی الماری کی جانب بڑھ گئی۔ اسے کھولا اور ایک سبز رنگ کی ڈبیا نکالی اسے کھولا تو سفید ریشمی کپڑا اس میں پڑا ہوا تھا۔ اس نے وہ نکال لیا۔ وہ آج مہوش فاطمہ کو دفن کر دینا چاہتی تھی۔

فائزہ نے انتہائی دکھتے ہوئے اور بھرے دل کے ساتھ سفید ریشمی کپڑا پھیلا دیا اور پھر اس میں قلم رکھ دیا۔ پھر اسے بڑے اہتمام سے لپیٹا اور سبز رنگ کے تابوت میں بند کر دیا۔ تبھی وہ اپنے اشکوں پر اختیار نہ رکھ سکی۔ مہوش فاطمہ کو دفن کرتے ہوئے وہ غم کی انتہاؤں پر تھی۔ وہ جی بھر کے رو دی...... یہاں تک کہ وہ سبز رنگ کی ڈبیا اس کے اشکوں سے بھیگ گئی۔ شاید وہ روتی رہتی کہ بند دروازے پر دستک ہوئی...... وہ چونک گئی۔ اس نے جلدی سے وہ ڈبیا الماری کے ایک ایسے خفیہ خانے میں ڈھیر کر دی...... جو اس کی اہم ترین چیزوں کیلئے مخصوص تھا...... احتیاط سے مہوش فاطمہ کو دفن کر دینے کے بعد وہ پلٹی...... اور پھر اس نے دروازہ کھول دیا۔

دلہن بنی فائزہ پر ٹوٹ کے روپ آیا تھا۔ پاکیزگی ملے ہوئے حسن کی تشریح لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی' یہ تو بس محسوس کی جانے والی شے ہوتی ہے' جیسے پھول اور اس کی خوشبو' جیسے خوشبو کے احساس کو لفظوں کا روپ دینے میں اپنی زبان قاصر ہے۔ اسے لان میں لایا گیا تو سب کی آنکھیں اسے دیکھنے کیلئے بے تاب دکھائی دے رہی تھیں۔ وہ سادہ سی رہنے والی' لا ابالی سی لاپرواہ......! آج رنگیں ملبوس میں اس جہاں کی مخلوق ہی نہیں لگ رہی تھی۔ حسن محض نقوش کے مجموعے کا نام نہیں ہوتا...... حُسن میں تو کچھ ایسی چیزیں ہوتی ہیں۔ جنہیں بیان نہیں کیا جا سکتا بس اس کا احساس ہوتا ہے۔ باقی لوگوں کے ساتھ زوہیب نے بھی اسے دیکھا تھا۔ اس نے واضح طور پر اپنے اندر محبت کی بجائے عقیدت محسوس کی تھی۔ ایسی عقیدت جس کی روح میں محبت موجود ہوتی ہے...... وہ اس کی بیوی ہی نہیں اور بہت کچھ تھی۔ جس کا شمار ابھی اس نے نہیں کیا تھا۔

وہ رات کا آخری پہر تھا۔ فائزہ حجلۂ عروسی میں سمٹی ہوئی بیٹھی تھی۔ اس کی پوری توجہ دروازے پر تھی۔ جہاں سے اس کے محسن نے آنا تھا۔ وہ جو اس کی دعاؤں کا ثمر تھا۔ رات تھی کہ شمع کی مانند پگھلتی چلی جا رہی تھی۔

تبھی وہ آ گیا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا سٹیج تک آیا۔ وہاں وہ چند لمحے کھڑا رہا..... پھر اس نے پھولوں کی لڑیاں الگ کیں اور بیڈ پر بیٹھ گیا.....

''فائزہ.....! میری زندگی اور میرے گھر آنے پر تہہ دل سے میں آپ کو خوش آمدید کہتا ہوں.....''

اس کے یوں کہنے پر فائزہ نے تیزی سے سر اٹھانا چاہا مگر فطری شرم سے وہ ایسا نہ کر سکی۔ اس نے اپنی جیبوں میں سے دو سرخ ڈبے نکالے۔ پہلا کھولا تو اس میں کنگن تھے۔'' یہ میری طرف سے ہیں پہن لیجئے.....!''

فائزہ نے وہ کنگن دھیرے دھیرے پہن لئے۔ جب وہ پہن چکی تو اس نے دوسری ڈبیا کھولی' اس میں ایک انگوٹھی تھی.....! وہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

''یہ انگوٹھی مہوش فاطمہ کی طرف سے ہے۔'' اس نے کہا تو فائزہ ایک دم سے چونک گئی..... زوہیب یہ کیا کہہ رہا ہے' کیا وہ..... فائزہ اس سے زیادہ' نہ سوچ سکی تھی کہ زوہیب بولا۔'' وہ میرے اندر بس رہی ہے۔ وہ میری محسن ہے' اس کی طرف سے اس لئے میں یہ دے رہا ہوں کہ یہ وہی تھی جس نے مجھے آپ کی راہ دکھائی تھی.....! یہ تحفہ مجھے اور آپ کو اس کی یاد دلاتا رہے گا۔''

فائزہ نے پھر کچھ کہنا چاہا تو اس سے پہلے ہی زوہیب بولا۔

''فائزہ.....! یہ تحفے تو محض رسم دنیا کیلئے تھے..... لیکن جو تحفہ میں آپ کو دینے جا رہا ہوں' وہ یہ ہے کہ..... میں ہی وہ ہیولا ہوں تمہارا وہ ہیولا جس نے اس رات تمہیں اک بات کہی تھی..... اور جسے تم نے اپنی متاع زندگی بنا لیا..... میں دنیا کا خوش قسمت ترین انسان ہوں..... جسے آپ مل گئی..... میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے آپ سے محبت تھی اور ہے لیکن آپ کی بے پایاں محبت کے سامنے کچھ بھی نہیں..... ہاں..... میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے آپ سے عقیدت ہے۔''

اس اعتراف پر فائزہ چونک اٹھی..... اس نے جلدی سے اپنا سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ ہزار جان سے فدا ہوتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لفظ فائزہ کے ہونٹوں پر مچل رہے تھے لیکن وہ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ ان کے درمیان خاموشی طویل ہوتی چلی جا رہی تھی۔ تبھی فائزہ نے ڈھیر سارا حوصلہ کیا اور کہا۔

''آپ اب مجھے آپ تو نہ کہیں..... میں آپ کی بیوی ہوں..... تم.....''

''نہیں.....! میں نہیں کہہ پاؤں گا..... میری عقیدت مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتی..... میں تو خوش قسمت ہوں کہ آپ میری زندگی میں آ گئیں۔ اب کوئی رکاوٹ نہیں..... ورنہ میری عقیدت تو.....'' زوہیب جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا کہ فائزہ نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''بس.....! میری منزل مجھے مل چکی..... میرے لئے آپ اپنی محبت ہی رہنے دیں..... یہ میرا حق ہے..... مجھے عقیدت مند نہیں' ایک محبت بھرا شوہر چاہئے..... ہاں.....! آپ اپنے رب کے شکر گزار ہوں۔ اپنی تمام تر بندگی اسی کیلئے روا رکھیں۔ اس کا بہترین عمل اپنے رب کی شکر گزاری ہے اور وہ شکر گزاری آپ اپنے

پراجیکٹ کے ذریعے کر سکتے ہیں۔ اس میں میری خواہش بھی شامل ہے۔'' فائزہ نے کہا تو زوہیب کے چہرے پر ہزاروں گلاب کھل گئے..... اس نے فائزہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر اس کی پشت پر اپنے ہونٹ ثبت کر دیئے..... فائزہ کی روح تک سرشار ہوگئی۔

☆☆☆

وہ بڑا ہی خوبصورت اور سحر انگیز منظر تھا۔ زوہیب اور فائزہ دونوں اس منظر میں کھو گئے تھے۔ کشمیر کی اس وادی میں دونوں کو ہی قدرت کے ان حسین نظاروں نے جیسے مبہوت کر کے رکھ دیا تھا۔ ان کے سامنے برف پوش چوٹیاں تھیں۔ نیلے آسمان پر تیرتے ہوئے بادل' چمکتا ہوا سورج جس نے وہاں کے سبزے کو چمک عطا کر دی ہوئی تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی جگہ پر کھوئے ہوئے تھے۔ وہ کچھ دن پہلے ہی یہاں ہنی مون ٹور پر آئے تھے۔ ان کا پورا دن یونہی گھومتے پھرتے ہوئے گزر جاتا تھا۔ وہاں کے نظاروں نے تو جیسے انہیں مخمور سا کر کے رکھ دیا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ فائزہ سبزے کے ایک ٹکڑے پر بیٹھی ہوئی تھی جبکہ زوہیب ایک پتھر سے ٹیک لگائے ہوئے کھڑا تھا۔

''کتنا خوبصورت منظر ہے.....'' فائزہ نے یوں کہا جیسے اس کی آواز دور کہیں سے آ رہی ہو.....

''ہاں..... واقعی.....! میں ایک بار ہالینڈ گیا تھا..... میں نے وہاں کے نظارے بھی دیکھے ہیں' وہاں کے نظارے بھی قدرت کی کرشمہ سازی ہے لیکن یقین جانو' ان نظاروں کو دیکھنے میں ایک طرح سے محبت بھی گھلی ہوئی ہے۔ یہ مجھے زیادہ اچھے لگ رہے ہیں۔''

''میں نے کہا تھا کہ کشمیر بہت خوبصورت.....'' فائزہ نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

''ہاں.....! تم نے ٹھیک کہا تھا۔'' زوہیب نے بھی کھوئے ہوئے انداز میں کہا۔ پھر قدرے چونکتے ہوئے بولا۔

''ویسے میں یہاں کی خوبصورتی کے بارے میں تھوڑا بہت احساس تو رکھتا تھا۔''

''وہ کیسے.....؟''

''ایک بار مہوش فاطمہ نے اسی ماحول میں کہانی لکھی تھی۔ ایک پہاڑن لڑکی کی کہانی..... کیا پڑھی تھی تم نے۔''

''ہاں پڑھی تھی.....! کیا تھا' اس میں.....''

''یہی ایک پہاڑن لڑکی کی کہانی تھی.....! ویسے میں نے اس ماحول میں' پہاڑن لڑکیوں کی بہت ساری کہانیاں پڑھی ہے' لیکن مہوش نے بالکل منفرد لکھا۔ ہمیشہ پہاڑن لڑکی کے حصے میں تنہائی آتی ہے' لیکن مہوش نے تنہائی سے اگلی بات کی ہے' ویسے یہ اس کا خاصہ تھا۔'' زوہیب نے انتہائی اختصار سے اپنی رائے دے دی۔

''ہاں.....! مہوش وہاں سے آگے کی کہانی لکھتی ہے جہاں دوسرے آ کر رک جاتے ہیں۔''

''مجھے اس کی کہانی نے دو طرح سے متاثر کیا تھا' ایک اس کہانی کے مرکزی خیال نے اور دوسرا.....

اس نے جو یہاں کی منظر کشی کی تھی..... میری نگاہوں میں یہ سارے نظارے حقیقت کا روپ دھار گئے تھے۔ مجھے اب یوں لگ رہا ہے جیسے میں انہیں دوبارہ دیکھ رہا ہوں..... پتہ نہیں وہ یہاں آئی تھی..... اگر نہیں آئی تھی تو اس نے یہ سب کیسے لکھ لیا تھا..... زوہیب نے الجھن بھرے لہجے میں کہا۔

''لکھاری جب لکھتا ہے تو وہ اپنے وجدان سے لکھتا ہے۔ اس کی اپنی ذات منفی ہو جاتی ہے..... اور اس کے شعور میں کردار، ماحول اور کہانی رہ جاتی ہے..... وجدان ایک ایسی شے ہے جو ان گوشوں تک بھی رسائی حاصل کر لیتا ہے جہاں عام آدمی کی نگاہ نہیں پڑتی۔ یہ ساری وجدان کی کرشمہ سازیاں ہے کہ ایک لکھاری وہ کچھ لکھ جاتا ہے جسے وہ عام حالات میں سوچ بھی نہیں سکتا' مہوش فاطمہ یہاں نہیں آئی۔''

فائزہ اپنی رو میں کہتی چلی گئی تو زوہیب چونک گیا۔ تب اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کیسے پتہ.....''

''احساس ہو رہا ہے نا کہ وہ یہاں نہیں آئی..... وہ کہانی میرے ذہن میں آ گئی ہے' میں بیان نہیں کر سکی لیکن ایک تشنگی اس کی کہانی میں تھی۔ اس کا احساس مجھے تب نہیں تھا' ان نظاروں کو دیکھ کر ہو رہا ہے۔ ہاں مگر اس کے وجدان کی تعریف کرنا ہو گی.....'' فائزہ نے حسرت سے کہا' یہ کہتے ہوئے اس کے اندر بہت کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا..... دکھ کی ایک لہر پورے وجود میں سرائیت کر گئی' جسے وہ برداشت کرنے لگی۔

''دو مہینے ہو گئے ہیں۔ اس کی کہانی نہیں آئی.....'' زوہیب نے دھیرے سے کہا۔

''وہ مر گئی ہے.....'' فائزہ نے تیزی سے انتہائی دکھ کے ساتھ کہا تو اشکوں سے اس کی آنکھیں بھر گئیں۔ زوہیب نے چونک کر اس کی طرف دیکھا اور تیزی سے سوال پر سوال کرتا چلا گیا۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم.....؟ تم جانتی ہو اسے' کیا تمہارا رابطہ ہے اس کے ساتھ؟''

''ہاں.....! میرا رابطہ تھا اس سے' لیکن اب نہیں..... جس دن میری شادی تھی' وہ اس دن ختم ہو گئی۔ اسی دن اسے دفن کر دیا گیا تھا.....'' فائزہ دکھ کی لہر میں کہتی چلی گئی..... تبھی اسے ہوش آ گیا۔ وہ جذباتی رو میں کیا کہتی چلی جا رہی ہے۔ وہ راز جو اس نے بہت عرصے سے سنبھالا ہوا تھا' وہ اس پر افشا نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

''تم نے مجھے بتایا نہیں کہ تمہارا مہوش فاطمہ سے رابطہ ہے۔'' زوہیب نے انتہائی دکھ محسوس کی۔

''میں تمہیں کیسے بتا سکتی تھی زوہیب.....! وہ ایک راز تھی..... یوں سمجھ لو کہ جیسے خوشبو' اسے محسوس تو کیا جا سکتا تھا لیکن اسے دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔'' وہ پھر سے جذباتی ہونے لگی.....

''تمہیں پتہ تھا نا کہ مجھے اس سے ملنے کا کتنا ارمان تھا' میں چاہتا تو اس رسالے کے دفتر میں سے اس کا پتہ لے سکتا تھا' لیکن نہیں' میں نے ایسا نہیں کیا۔''

''کیوں ایسا نہیں کیا آپ نے.....'' فائزہ نے انتہائی شکوے بھرے لہجے میں کہا۔

''پتہ نہیں کیوں میں کسی بھی تعلق رشتے اور دوستی میں دھوکا نہیں چاہتا۔ میرا مہوش فاطمہ سے اتنا رابطہ رہا' اسے میں نے اپنے فون نمبر بھیجے' اس کا مانگا۔ لیکن براہ راست رابطہ نہیں کیا۔ وہ میرے لئے بہت کچھ تھی۔''

''کتنا کچھ.....!'' فائزہ نے پھر اس شکوے بھرے لہجے میں کہا۔ تو زوہیب چونک گیا۔

''تم.....! فائزہ تم کہیں ایک بیوی ہونے کے ناطے کچھ ایسا ویسا محسوس مت کرنا' اس نے مجھے ایک ایسا شعور دیا ہے' جس سے میں وحشتوں بھرے جنگل سے نکل کر پرسکون وادیوں میں آیا ہوں..... وہ میری محسن بھی ہے' میری رہنما بھی.....!''

''اگر وہ اچانک تمہارے سامنے آ جائے تو.....؟'' فائزہ نے ایک خیال کے تحت کہا۔

''یہ کیسے ممکن ہے' تم ہی تو کہہ رہی ہو کہ وہ مر گئی ہے.....! زوہیب نے چونکتے ہوئے کہا۔

''زوہیب سنو.....! میں تمہیں ایک چھوٹی سی کہانی سناتی ہو.....'' فائزہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے بہت پیار سے کہا۔ وہ اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو گیا..... تو وہ کہنے لگی..... ''دور پریوں کے دیس میں ایک پری رہتی تھی..... اس پری کی بہت ساری خواہشیں تھیں۔ اتنی خواہشیں کہ جن کا شمار نہیں تھا لیکن وہ ایک دیو کے قبضے میں تھی۔ وہ جس دیس میں رہتی تھی وہاں کے ماحول میں' وہاں کے موسم میں بھی بڑی سختیاں تھیں۔ دیو اگر اس کی نگرانی نہ بھی کر رہا ہوتا تو موسم اس کی نگرانی کرتا..... وہ پری ہر وقت ڈری سہمی رہتی تھی..... اپنی خواہشوں کے خزانے کو دیکھتی رہتی..... پھر ایک دوسرے جن نے اسے چرا لینا چاہا..... تب اس نے مزاحمت کی اور اپنے ماحول ہی میں رہی..... دیو اس سے خوش ہو گیا..... اور اسے آزادی دے دی کہ وہ ایک محدود دائرے میں رہ کر اپنے آپ کو خوش رکھ سکتی ہے۔ سو وہ اپنی خواہشوں کو ہوا کے دوش پر چھوڑ دیتی! اسے خبر نہیں تھی کہ ہوا اس کی کہی ہوئی خواہشوں کو کس رنگ میں کہاں کہاں' کس نگر اور کس بستی تک لے جانا ہے۔'' فائزہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی

''پھر کیا ہوا.....'' زوہیب نے تجسس سے پوچھا۔

''اس پری کی ایک یہ بھی خواہش تھی وہ شہزادہ آ جائے جو اس کے خوابوں میں بس رہا ہے' جسے اس نے دیکھا تک نہیں' مگر اسے چاہا بہت ہے..... وہ ہی اس کی تنہائیوں میں اس کے دکھ درد سنا کرتا تھا..... پھر ایک دن وہ آ گیا.....''

''پھر کیا ہوا.....؟''

''ان کے درمیان المیہ یہ تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھ نہیں پا رہے تھے۔ اس ماحول میں جادو ہی اتنا ہی رہتا تھا..... دونوں اس وادی میں بھٹکتے رہے اور ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکے.....''

''اور پھر وہ سارا جادوئی ماحول ختم ہو گیا' دونوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا اور اب اس وقت وہ دونوں باتیں کر رہے ہیں.....'' زوہیب نے ہنستے ہوئے کہا۔ لیکن فائزہ اسی طرح سنجیدہ رہی..... وہ چند لمحے خاموش رہی اور پھر بولی۔

''وہ پری اپنے من میں ایک اور پری کو چھپائے ہوئے تھی..... دکھ اس بات کا تھا کہ وہ شہزادہ اس پری کو پہچان نہیں پایا۔ حالانکہ اسے بہت دعویٰ تھا کہ وہ اس پری کو پہچان سکتا ہے۔ جو خواہشوں کو بنتی تھی اور ان

سے کہانی بنایا کرتی تھی۔'' فائزہ نے کہا تو زوہیب اس کی طرف ہونقوں کی طرف دیکھنے لگا.....

''فائزہ حسن تم! تم.....مہوش فاطمہ.....'' وہ دیوانہ وار اس کی جانب بڑھا.....اور اسے دونوں بازوؤں سے پکڑ کر ہذیانی انداز میں بولا۔

''تو.....تو.....مہوش فاطمہ کیوں مرگئی.....اسے مرنا نہیں چاہئے.....پلیز اسے مرنا نہیں چاہئے.....بتاؤ.....! بتاؤ.....مجھے وہ کیوں مری.....؟''

''اس لئے.....! اس لئے زوہیب کہ دونوں پریوں کا ایک دوسرے سے وعدہ تھا کہ جب تک شہزادہ آنہیں جاتا' وہ اس کیلئے کہانیاں بنتی رہے گی.....جنہیں ہوا کے دوش پر چھوڑنا تھا' کیونکہ اس کہانی میں شہزادے کیلئے پیغام ہوا کرتے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ مخلص تھیں.....اس لئے من میں بسنے والی پری.....اپنے وعدے کے مطابق مرگئی.....اور دوسری پری نے اسے دفن کر دیا.....''

''نہیں فائزہ نہیں.....! مہوش فاطمہ کو نہیں مرنا چاہئے.....میرے لئے نہ سہی' ان کیلئے جو میری طرح رہنمائی چاہتے ہیں۔ ان بھٹکے ہوئے شہزادوں کو ایک پری کی ضرورت ہے۔ جو وادیوں میں اپنی راہ کھو بیٹھے ہیں.....انہیں سیدھی راہ کون بتائے گا.....میں مہوش فاطمہ کی موت تسلیم نہیں کرتا.....اسے زندہ کرنا ہوگا.....''

''کبھی مرے ہوئے لوگ بھی زندہ ہوتے ہیں.....''

''نہیں.....! لیکن مہوش فاطمہ زندہ ہوسکتی ہے.....میں اسے اپنا لہو.....اپنی آنکھیں' اپنا دل.....اپنا سب کچھ دے دوں گا.....پلیز فائزہ.....! میری خاطر.....ان لوگوں کی خاطر.....جنہیں ابھی مہوش فاطمہ کی ضرورت ہے۔'' زوہیب اس کے سامنے التجا کر رہا تھا۔ تبھی اسے خود سے ذرا فاصلے پر مہوش فاطمہ آتی ہوئی دکھائی دی.....فائزہ اسے دیکھ کر چونک گئی.....وہ ان کے قریب آئی اور فائزہ سے کہا۔

''دیکھا.....! ہم تقسیم ہو کر نہیں رہ سکتیں.....خلوص نیت سے کی گئی ریاضتوں کا صلہ اس قدر ملتا ہے تم نے کبھی سوچا ہے.....کوئی اپنا آپ وار دے.....کیا یہ خوش قسمتی نہیں ہے.....آج ہماری تکمیل کا دن ہے اور تم حیرت زدہ کھڑی ہو.....''

''ہاں.....! میں خوش قسمت ہوں.....'' فائزہ نے کہا تو زوہیب چونک گیا۔

''سچ.....!''

''ہاں سچ.....! میں اب خود مہوش فاطمہ کی مدد کروں گی.....تمہاری محبت میں.....'' فائزہ نے کہا تو زوہیب کو جیسے ساری دنیا کی خوشی مل گئی.....

''آؤ.....! اک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں.....'' زوہیب نے اپنا ہاتھ بڑھایا تو فائزہ نے انتہائی محبت سے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا.....وہ سارے نظارے ان کی خوش قسمتی پر مسکرا دیئے.....

☆☆ختم شد☆☆

PakistaniPoint Waqar Azeem